

حالات کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ایک نوجوان کی داستان

سب رنگ ڈائجسٹ کا مقبول عام سلسلہ

بازیگر

راوی: پاپر زماں خان
تحریر: فکیل عادل زادہ

ساتواں حصہ



باری

کیسے قوی و جری، مقتدر و با اثر ہو جاتے ہیں۔
دولت سے آدمی خریدے جاسکتے ہیں۔ ہوا، پانی،
روشنی، دولت سے موسم خریدے جاسکتے ہیں۔
شعل نے خانم کی دی ہوئی گلو رپوں کی ڈیبا
سے گلو دی لٹائی اور سلامی کی بندر کی ہوئی بیڑی
سلاگائی۔ ڈبے میں کسی قدر شعل بھی۔ کھڑکیوں کے
شیشے گرا دیئے سے کچھ گرمی ہوگئی۔ میرے سامنے کی
برتھ پر دیوار سے ٹیک لگائے، ٹانگیں پھیلائے، شعل
گلو دی چٹا اور بیڑی کے کش لیٹا رہا، پھر ہاتھ روم
جاکے اس نے منہ صاف کیا اور واپس آ کے برتھ
پر دراز ہو گیا۔ ابھی گاڑی نے پوری رفتار نہیں چکڑی
تھی کہ کسی چھوٹے سے اسٹیشن پر ٹھہر گئی اور ایک دو
منٹ بعد ہی چل پڑی، کوئی دس منٹ بعد مشہور
تیرتھدا استھان ایو دھیا آ گیا۔ گاڑی یہاں بھی بہت
کم وقت ٹھہری۔ ایو دھیا گزر جانے کے بعد میں
نے روشنی کم کر دی اور بیک سے صیس نکال کے ایک
شعل کو دیا، دوسرا اپنے پاس رکھا۔ روشنیاں کم
ہونے سے ڈبے کا ماحول خرابید و سا ہو گیا تھا۔ تو اترا

پیسے کی عجب کرشمہ کاری ہے۔ اسی ریل
گاڑی کے دوسرے ڈبوں میں لوگ ٹھس ٹھس کر
بیٹھے ہوں گے۔ بعض لوگوں کو تو شاید کھڑے ہونے
کی بھی جگہ نہ ملی ہو۔ ڈبا کو مختصر تھا لیکن ہمارے سوا
یہاں کوئی اور نہیں تھا۔ اوپر کی دو برہمیں۔ پیچھے کی
دو کشادہ برہمیں اور ہم۔ سچ میں دیوار سے لگی ہوئی
گلو دی دونوں برہموں کے لیے بڑا کامزدار رہی تھی۔
واکھدانی سر بانوں کے قریب جڑی ہوئی تھی۔ گلاس
رکھنے کے لیے اسٹینڈ بھی پوسٹ تھا۔ ڈبا نئے رنگ
روغن سے آراستہ تھا۔ ہر چیز نئی معلوم ہوئی تھی۔
فرش بالکل اجلا، چھت پر پتھر، گدے نرم اور چمکیلے،
ٹیکو تو آدمی دھنستا جائے۔ ٹری، گداز، رنگ، روشنی
دولت کو بہت مرغوب ہیں۔ مرغوب تو ہر ایک کو ہیں
لیکن دولت ہر ایک کے پاس نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں
دولت سے زندگی نہیں خریدی جاسکتی مگر دولت
زندگی کیسی آسان کر دیتی ہے۔ دولت تو ایک
طاقت ہے، جس کے پاس جتنی زیادہ، اتنا وہ طاقت
اور دولت سے معذرتا تو اس، فنی اور ضعیف بھی

سے چلتی گاڑی بھی لوری کا کام کرتی ہے اور تو اس سے ڈبے کی لرزش پگھلنے کی کیفیت رہتی ہے۔ میں نے بھی ٹھیک کی کیفیت میں لٹ جانا چاہا لیکن نیند نہیں آرہی تھی۔ بار بار حویلی کے دروازے سامنے آ جاتے تھے اور حویلی پر لمبے دور دوری تھی۔ بیانی پر نقش مناظر دیواروں اور فاصلوں سے نہیں جھپٹتے۔ اس مرتبہ وہاں کچھ زیادہ ہی وقت گزارنے کا موقع مل گیا تھا۔ ٹھیک کرکشی کی دیوار پر ایک چھوٹا سا ٹیبل تھا۔ آٹھ دس دن سے وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ دیکھ کر یہ احساس میرا اٹھ اٹھاتا تھا کہ سب کچھ میری یادداشتوں اور کوتاہوں سے شروع ہوتا ہے۔ آس سول انجینئر پر میں اتنی ضد اور تاراجی کا اظہار کرتا تھا تو حالات بہت مختلف ہوتے۔ ٹھیک تو فیصل آباد کا رخ کرنے کو تیار ہی نہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ اول تو ہمیں فروزاں اور پائسن کو ساتھ لے کر فیصل آباد جانا چاہیے تھا۔ یہ ممکن نہ ہوا تو پہلی گاڑی سے ہمیں وہاں پہنچ جانا چاہیے۔ ہمارے بغیر فروزاں اور پائسن کو حویلی میں بہت اجنبیت محسوس ہو سکتی ہے۔ بے بے اسنے بڑے حادثات کے بعد انہیں تو بہت لداڑا چاہیے مگر یہ میرا گمان تھا۔ فروزاں اور پائسن کے فیصل آباد پہنچ جانے کے دن بعد ہم بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ بے شک ہمیں دیکھ کے ان کے چہرے گل اٹھتے تھے۔ ہماری آمد سے یقیناً انہیں بہت حوصلہ ملا ہوگا لیکن ٹھیک بھی کیا غلط کہہ رہا تھا، ان کے پیچھے پیچھے ہمارے فیصل آباد پہنچنے کی واقعی کوئی ضرورت نہ تھی۔ میں بھول گیا تھا کہ حویلی میں زریں اور خانم موجود ہیں۔ وہاں میساں ہے۔ انہیں حرمائیں نصیبوں کی اشک شوقی کا فن آتا ہے۔ کاش جیسا کہ ٹھیک کا ارادہ تھا، ہم اس وقت فیصل آباد نہ جاتے تو نہ ہریا اور گورا کا واقعہ پیش آتا اور نہ شاید ٹھیک کرکشی میں پورے 47 آدمی جان سے جاتے۔ ٹھیک صاف انکاری تھا کہ اس خون خرابے سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے اور میں نے بھی یہی

تسلیم کر لیا تھا مگر جب ہانے کا خیال آتا تھا تو کچھ دکھائی بھائی نہ دیتا تھا۔ ٹھیک کو اسی شام اور اسی رات مجھے ساتھ لے کے شہر کے مختلف مقامات اور خصوصاً رات کو دکن ٹیکس کے بالا خانے پر جانے کی ایسی کیا بڑی تھی؟ اسی شام، اسی رات ہی کیوں؟ شہادتیں نقش کرنے کی صورت ہی میں بندہ پیریں کی چاتی ہیں اور پولیس کے جہاں دیدہ، گرگ باران دیدہ افسران کی قسم کا کوئی نشان کھوجنے میں کیوں ناکام رہے؟ کوئی عام مجرم ہوتے تو اپنے آثار ضرور چھوڑ کے جاتے۔ ٹھیک کرکشی پر پلکار کرنے والے کیسے ہنرمند اور پختہ کار لوگ تھے۔ یہی چیتاں کتہہ رس پولیس افسر و مارکیٹینڈس حرام کیسے ہوئے۔ ایک دو ٹھیک اور بھی بہت سی ہائیں تھیں۔ جامو کا ایک ٹکٹہ کھٹے سے آنا اور ایک رات کے بعد چھلوا ہوا جانا۔ اپنے آدمی گورا استاد کی ہزیمت کے بعد میری تلاش میں یا حویلی کے کیمپوں کوڑک پہنچانے کے لیے شورہ پست ٹھیک کرکشی کی حویلی کی طرف کوچ کرنے کے امکانات نظر انداز نہیں کیے جاسکتے تھے اور تدارک کی یہی صورت تھی کہ ٹھیک کرکشی سرے سے نیست و نابود کر دی جائے۔ یوں حویلی ہی محفوظ نہیں رہے گی، ایک طاقت کو بھی امان مل جائے گی۔ جب بھی ان پیلوؤں اور عواقب پر دھیان جاتا تھا، میرا سر پکڑنے لگتا تھا۔ سارے جسم پر کانٹے سے آگ آتے تھے۔ بار بار میں نے اپنے آپ کو مضطرب کرنے، خود کو الگ رکھنے اور سب کچھ فراموش کر دینے کی کوشش کی لیکن دوسرے پر قابو پانا آسان، خود کو قابو میں رکھنا مشکل ہوتا ہے۔

کر دیا تھا کہ اس کے غیاب میں حویلی کے کیمپوں سے کوئی باز پرس نہ کی جائے۔ ورنہ کوئی وعدہ کیا تھا نہ اختلاف کیا تھا۔ لیکن پولیس کا کیا بھروسہ ہے۔ ایک درمائی نہیں، دوسرے افسر بھی با اختیار ہیں۔ کسی وقت بھی کسی کا دماغ گھوم سکتا ہے۔ ورنہ کا چالہ بھی ہو سکتا ہے۔ ادھر حویلی کے لوگوں کو ہمارے باہر کے معاملات سے کسی ہی آشنائی ہو، پولیس، ٹھیک، پکچر کی کانٹیں کوئی تجربہ نہیں ہے۔ ہمارے چلے جانے کے بعد انہیں بے امانی، بے سرو سامانی سی محسوس ہو رہی ہوگی۔ ٹھیک کی بدایوں پردہ ہر طرح کا رہند ہیں مگر کوئی دھڑکا تو انہیں ہر دم لگا رہتا ہے۔ یہ سڑق ہم کچھ دن بعد بھی کر سکتے تھے۔ چند دن پہلے یا چند دن بعد سے کیا حاصل ہونے والا تھا۔ آدمی وقت کا پابند رہے، وقت بھی تو اس کا کچھ خیال کرے۔ وقت ہمارے اختیار سے نکل جاتا تھا۔ راستوں میں دیواریں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ راستے بھی تو رخ بدل لیتے ہیں۔ مجھے تو اب یہ سارا کچھ معمول سا لگتا تھا، کسی فرض یا فرض کی ادائیگی کی طرح۔ یہی بھی تو معلوم ہوتا تھا کہ ہم ٹھیک اپنی سلی، اپنی دل جوئی کے لیے بیخ و بوم سفر کا وطن انجام دے رہے ہیں، کیونکہ ہمیں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے نہیں رہنا چاہیے، کیوں کہ سفر کے سوا ہماری استطاعت میں کیا ہے۔ پہلے کسی بہت سی داخل ہوتے وقت دل دھڑکنے لگتا تھا کہ اب منزل دور نہیں ہے۔ اب اتنی بستیوں کی خاک چھانٹنے کے بعد کسی نئی جگہ جاتے ہوئے ناکامی کے احساس سے قدم بوجھل ہو جاتے ہیں۔ ٹھیک کا اہل یہ حال نہیں تھا۔ ہر صبح تروتازہ ہو کے گلیوں اور گلیوں میں مولوی صاحب کی صدائیں لگانے کے لیے تیار ہو جاتا۔ سب ایک مٹی سے بنے ہیں تو ہر شخص کی مٹی الگ ہے۔ ٹھیک کا یقین قائم تھا۔ اسنے آرام، خاطر عداوت، عزیزوں کی رفاقت چھوڑ کے وہ سفر کے لیے مضطرب رہتا تھا۔ سفر چاہے شاہی بجز سے میں کیا

جائے یا آٹھ چھوڑوں کی بستی میں، سفر تو سفر ہوتا ہے۔ سفر اپنا کل، عشرت کدہ، ایذا گھر نہیں ہوتا۔ ٹھیک کا یقین کچھ ایسا بے جواز بھی نہیں تھا۔ بے شمار بستیوں کی کوچ گردی کرتے ہوئے ایک شہر جنٹلمین میں ہم مولوی صاحب کے ٹھیکانے پر پہنچ گئے تھے۔ حیدر آباد میں بھی ہم نے ان کا گھر ڈھونڈ لیا تھا۔ ٹھیک یا سادات میں مولوی صاحب کے خاص دوست حافظ عبدالخالق تک ہماری رسائی ہو گئی تھی۔ وہ بھی مولوی صاحب کا ایک گھر تھا۔ اتنا کچھ حرکت میں رہنے ہی سے ممکن ہوا تھا۔ منزل، مراد سے مشروط نہیں ہے۔ منزل مل جانا اور چیز ہے، مراد پانا اور۔ اور جہاں مراد برآ ہے، اسے منزل ہی کیوں کہا جائے۔ کاش دیا ہی کچھ چھوٹی ہوئی اور اسی نسبت سے لوگ بھی کم ہوتے۔ خدا کو آخر اتنی بڑی دنیا بنانے کی کیا ضرورت تھی یا پھر آدمی کی سانی بھی بدعالتی ہوئی۔ آدمی کی چار آنکھیں، آٹھ ہاتھ چہرے بنائے ہوتے، آدمی کے پر لگائے ہوتے۔ دنیا کی وسعت کے اعتبار سے یہ آدمی تو بہت حقیر ہے۔ آدمی تو دو گز کا ہوتا ہے۔

میں ممکن ہوتی ہے اور کسی نے کہا ہے، آدمی اکیلا کہاں ہوتا ہے۔ وہ مستقل اپنے ساتھ جو ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تو مجھے خود پر ہنسی آتی تھی۔ یہ میں کیسا آدمی ہوں۔ سامنے کا سارا آئینہ ہونے کے باوجود میرا دماغ الجھنے، پھٹکنے لگتا ہے۔ اپنے ہوش و حواس پر بھی خود مجھے بہت شک ہوتا ہے۔ کسی معذور، بے توازن، کسی مجھول آدمی میں مجھ سے مواجہہ کیا ہو سکتا ہے۔

پھر کوئی اسٹیشن آرہا تھا۔ انجن زور زور سے سیٹیاں بھانے لگا تھا مگر جیسے بادل گرے ہوں یا زمین زبر زبر ہوگئی ہو۔ آہستہ ہوتی ہوئی گاڑی کو یکا یک جھکا لگا۔ گاڑی رک گئی تھی۔ دوسرے لیے دو تین اور جھٹکے لیے اور ہلکتی، ڈگمگاتی، دھڑ دھڑاتی ہوئی دوبارہ رگ گئی۔ رات کے وقت ڈبے لگانے کی گونج اور پہیوں اور پٹیوں کی چیخیں دور تک گئی ہوں گی۔ دھچکے اٹنے شدید تھے کہ میں کوٹے میں دیکھ نہ بیٹھا ہوتا تو فرش پر جا پڑتا، پھر بھی سرکڑی سے ٹکرا اور سارا جسم جھن جھن گیا۔ چند لمحوں کے بعد اپنا ہوش نہیں رہا پھر ٹھکل کا خیال آیا۔ میں نے دیکھا کہ سامنے کی برقعہ پر وہ بھی سر پکڑے ہوئے ہے۔ چہرہ بگڑا ہوا، آنکھیں بھیجی ہوئی ہیں۔ میں تیز گئی سے اس کی طرف جھپٹا۔ اسی اثنا میں وہ کسی قدر سنبھل گیا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میری پیشانی پر دائیں آنکھ سے اوپر خون چھلک آیا ہے۔ آٹنے سامنے ہم ایک دوسرے کو منظر باند دیکھا ہے اور وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا تو میری جان میں جان آئی۔ اس نے میری پیشانی چھوئی اور ہمیں اس کو کھینچنے خون پر رکھ دیا۔ ”کوئی ایسی چوٹ نہیں۔“ میں نے اس کی نقلی کے لیے بظاہر بے پروائی سے کہا۔

اس نے سنا نہیں۔ ہمیں ہٹا کے دوبارہ میری پیشانی کا جائزہ لیا۔ پیشانی ادھر ادھر سے دبا کے اسے سکون ہوا۔ میری جیب میں زہری کا دیا ہوا رومال تھا۔ اس وقت بھی ایک چارہ تھا کہ اس سے

کام لیا جائے۔ اس نے پیشانی پر کس کے رومال باندھ دیا۔ ”تمہارے بھی تو چوٹ لگی ہے۔“ میں نے الجھی ہوئی آواز میں کہا۔ ”کچھ نہیں۔“ اس کی بے نیازی بھی معنوی تھی۔ ”تھوڑا سردیوار پہنا لگا تھا۔“ ”زور سے لگا ہے؟ تکلیف تو ہوئی؟“ ”نہیں ہو جاوے گا لوٹ پیٹ کے۔“

”مجھے بتاؤ، سب ٹھیک تو ہے نا۔“ میں نے اضطرابی انداز میں پوچھا اور اس کا سر دیکھنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس نے میرا ہاتھ روک دیا۔ ”پر یہ کیا ہوا ہے؟ میں تو مبرا ہوا تھا۔“ اس نے اپنی جانب سے میری توجہ ہٹانے کی کوشش کی۔ ”کچھ معلوم نہیں۔ میں جاگ رہا تھا، گاڑی آہستہ ہوتی ہوئی رکنے والی تھی کہ کیا ہوا، ایک دم ٹھٹکے لینے لگی۔ پیلا جھکا تو بہت زور کا تھا۔ ذرا تیز ہوئی تو لوٹ جاتی۔ اسٹیشن پر آ کے ایسا ہوا ہے۔“ ”گاڑی تو پلیٹ فارم میں داخل ہو چکی تھی۔“ اپنی آواز کا بیجان خود مجھے ٹھٹکنے لگا اور میں نے کچھ فیصلہ کے کہا۔ ”میں باہر جا کے دیکھتا ہوں۔“

میں اپنی بدحواسی میں کچھ احساس ہی نہیں ہوا۔ جی پکار تو اندر تک آ رہی تھی۔ میں نے شیشہ چڑھائے باہر جھانکا۔ پلیٹ فارم پر تو قیامت کی جگہ ہوئی تھی۔ لوگ دائیں بائیں بھاگ رہے تھے۔ دروازہ کھول کے میں نیچے اتر گیا اور مجھے گاڑی کے پاس ایک جگہ کھڑے رہنا مشکل ہو گیا۔ پاگوں کی طرح بھاگتے ہوئے کچھ لوگ مجھ سے ٹکرائے اور مجھے گاڑی سے کچھ دور سانبان کے کعبے کی طرف ہٹ جانا پڑا۔ یہاں سے وہاں تک لوگ ڈبوں کے دروازوں پر قائم رہے تھے۔ میرا انداز غلط نہیں تھا۔ جن ڈبوں میں زیادہ مسافر ہوں گے۔ ان کا حال ہوا ہوگا۔ وہ تو جیسے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے ہوں گے۔ سامان لڑھکتے سے چوٹیں اٹک

آئی ہوں گی اور کچھ دیر میں یہی دیکھنے میں آیا۔ بہت سے لوگ زخمی ہوئے تھے اور لوگ انہیں جلد سے جلد ڈبو سے نکالنے کے لیے ایک دوسرے کی مدد کر رہے تھے اور ان کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ دیکھتے دیکھتے پلیٹ فارم لوگوں سے بھر گیا۔ بہت سے زخموں کو کھڑکیوں سے باہر نکالا گیا۔ جو کچرا ہاتھ میں آیا، جیسے تیسے فرش پر بچھا کے زخموں کو لٹا دیا گیا۔ لوگ گراہ رہے، سسک رہے اور چیخ رہے تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں، بچے بھی تھے۔ سارا پلیٹ فارم طرح طرح کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔

یہ اکبر پور سٹیشن تھا۔ فیض آباد سے یہاں تک کا فاصلہ 35 سے 40 میل کے قریب ہوگا اور گاڑی نے پورے دو گھنٹے میں طے کیا تھا۔ سست رفتار کی وجہ ان کی خرابی ہی ہو سکتی ہے۔ لوگ اس حادثے کی اپنے اپنے طور پر تاویلیں کر رہے تھے۔ ریلوے کے محکمے، حکومت اور انجن ڈرائیور کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ میں نے انجن تک جانے کا ارادہ کیا تھا اور چند قدم چل کے رو گیا۔ آگے جانے سے کیا حاصل تھا۔ ہر طرف ایک ہی منظر تھا۔ آگے جانا آسمان بھی نہیں تھا۔ جانے کہاں سے لوگ نکل آئے تھے۔ ڈبوں کے قریب تو بڑی بھیر تھی۔ میرے سر میں اب ہلکی ہلکی تپش آ رہی تھی۔ مجھے پھر ٹھکل کا خیال آیا۔ میں اسے اکیلا چھوڑ کے چلا آیا تھا۔ اس نے ایٹا چوٹ کی نوعیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا جس وقت گاڑی نے پیلا جھکا لیا، وہ سوچا ہوا تھا۔ یہی ہو سکتا ہے، سوئے ہوئے آدمی کا صرف وزن ہوتا ہے، اختیار نہیں ہوتا۔ ٹھٹکے نے جسم پیچھے کی طرف دھکیل دیا اور سر ہانے کی دیوار سے سر جا ٹکرایا، لڑھک کے وہ فرش پر بھی گر سکا تھا۔ لینے رہنے کی وجہ سے محفوظ رہا۔ جب میری نظر اس پر پڑی، وہ سر پکڑے ہوئے تھا۔ کسی شدید چوٹ میں کوئی اتنے کرب میں ہو سکتا ہے۔ ڈبے سے میں قریب

ہی تھا۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ سر کی مالش کر رہا تھا۔ ”درد ہو رہا ہے کیا؟“ میں نے تشویش سے پوچھا۔ ”ایسا کر کے ٹھیک رہتا ہے۔“ وہ دہمی آواز میں بولا۔

”میں دبا ہوں۔“ وہ صبح کرتا رہا، میں نے اس کے ہاتھ ہٹا کے بلکے بلکے اس کا سر دبا تا شروع کیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ کس جگہ زور سے دبانے پر اس کا کیا تاثر ہوتا ہے اور میں کچھ نہ جان سکا۔ وہ سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا اور کچھ دیر بعد اس نے مجھے روک دیا۔ ”اب بیٹھ جا ادھر۔ باہر تو بڑا ٹھیل چاہیے۔“ میں نے مختصراً اسے باہر کا احوال بتایا اور کہا۔ ”گاڑی اب بہت لیٹ ہو سکتی ہے۔“ ”کیا بولیں پھر۔“ وہ اچھٹی آواز میں بولا۔ ”تمہارے لیے چائے لادوں؟“ ”اے میں کدھری لے لی۔“

”دیکھتا ہوں، شاید مل جائے۔“ میں نے کھڑکی سے جھانک کے دیکھا۔ پلیٹ فارم پر وہی نفسا نفسی تھی۔ ہجوم اور بڑھ گیا تھا۔ اسٹیشن کے آس پاس بسنے والے بھی قماش دیکھنے آئے ہوں گے۔ پولیس بھی نظر آ رہی تھی۔ ڈبے سے اتر کے راستہ بناتے ہوئے میں چائے کا اسٹال ڈھونڈتا رہا۔ اسٹال مل گیا لیکن چائے حاصل کرنا دشوار تھا۔ پہلے سے بہت مضطرب اور خطر طلب گار وہاں دھڑنا دے ہوئے تھے۔ چھینٹا چھینٹا کا سامنا تھا۔ چائے بنانے والے کے واسطے بھی خطا معلوم ہوئے تھے۔ ایک ہی تدبیر ذہن میں آئی۔ میں اسٹیشن سے باہر چلا آیا۔ اسٹیشن کی عمارت سے کچھ فاصلے پر ایک پختہ پختہ قسم کا ہوٹل موجود تھا۔ بھیڑ تو وہاں بھی کم نہ تھی مگر چائے ملنے کا آسرا ہو گیا۔ ہوٹل والا گلاس دیتے کو تیار نہ تھا۔ میں نے ضمانت کے طور پر پانچ روپے پیش کیے تو وہ تو دوسرا آدمی بن گیا۔ چائے بھی پھر

اس نے توجہ سے بنائی، ملانی بھی ڈالی۔ مجھ سے چوک ہو گئی۔ میں دس روپے کا نوٹ بڑھاتا تو وہ ڈبے تک چائے پہنچانے کے لیے بھی آمادہ ہو جاتا۔ اندر پلیٹ فارم پر لوگوں سے بچتے بچاتے اپنے ڈبے تک پہنچنے میں مجھے پھونک پھونک کر قدم بڑھانے پڑے۔ لوگ راستہ ہی نہیں دے رہے تھے۔ خود سے زیادہ مجھے گلاس اسٹینڈ کا خیال تھا۔ کھانے پینے کی کھسی چیز کے لیے میں نے ایسی ریاضت بھی نہیں کی تھی۔ یہ تو ایک آزمائش تھی۔ بہر حال، کسی طور میں ڈبے تک آنے میں کامیاب ہوا۔ ہوا میں خشکی تھی اور ایسی نہیں کہ چائے جلدی ٹھنڈی ہو جائے۔ ٹھنڈی کو واقعی چائے کی طلب تھی۔ چند گھونٹوں میں تمام کر لی۔ "کچھ دانا دنگا بھی کر لیتا۔" وہ کسمساتے ہوئے بولا۔

"میری آواز بھی سن لی ہوئی تھی۔" میں چادر ہا۔ "میری آواز بھی سن لی ہوئی تھی۔" گھر سے چلے نام ہو گیا۔ تھوڑا جگا بھلا کر لے۔

"تمہیں کچھ خواہش ہے؟" اپنے کو بھی نہیں ہے پر اس کی رکھی چیزیں ڈیر نہ ہو جائیں۔ وہ تردد سے بولا۔ اس کا اشارہ زریں کی طرف تھا۔ زریں نے بیک میں کھانے پینے کی چیزیں رکھ دی تھیں۔ معلوم نہیں کیا کیا تھا۔ جھونک ہی نہیں تھی تو کیا کھول کے دیکھتا۔ زریں نے ضرور خیال رکھا ہوگا کہ جلد خراب ہو جانے والی چیزیں ساتھ نہ لے جائیں۔

چائے پی کے اور ٹھنڈی کو چلا کے میں پھر ڈبے سے باہر آ گیا۔ اتنی دیر میں کسی قدر نظم و ضبط ہو گیا تھا۔ شور کی جگہ صمت بستانی سو گوار کی لے لی تھی۔ سپاہیوں کی بڑی تعداد نے پھرے اور پھرے ہوئے لوگوں کو قابو میں کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ چار ڈاکٹر بھی آ گئے تھے اور زخموں کی مرہم پٹی کر رہے تھے۔ اسٹریچروں کی کئی معلوم ہوئی تھی۔ لوگ

چادر پٹیوں پر شدید زخموں کو باہر لے جا رہے تھے۔ میں تماشائی بنا کب تک کھڑا رہتا۔ میں بھی ان میں شامل ہو گیا اور چار پائیاں اٹھانے میں مدد دیتا رہا۔ پھر کئی بچوں کو گود میں بھر کے میں نے پلیٹ فارم سے باہر پہنچایا۔ جہاں ڈاکٹر زخموں کی چادر پٹی میں مصروف تھے، اس صفحے کے کونے سے کئی، ٹھنڈی ٹی ایک بوڑھی عورت پر میری نظر پڑی۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہا تھا۔ وہ بیچ بیکار کر کے لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کے قابل بھی نہ تھی۔ لگتا تھا اسے کوئی اندرونی چوٹ لگی ہے۔ اس کا ڈھلکا ہوا سر دیکھ کر میرا ہاتھ تنکا کر کہیں۔ میں نے سمجھتے سمجھتے اس کا کندھا ہلایا تو اس نے ہونک کے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں وحشت سہائی ہوئی تھی۔ میں نے اس کا حال پوچھا۔ اس نے ٹوٹی پھوٹی آواز میں کوٹھے پر ہاتھ رکھ کے بچہ بتانے کی کوشش کی۔ میرے پلے بچہ نہیں پڑا۔ میں نے پوچھا اس کے ساتھ کون ہے؟ کیا وہ اکیلی سفر کر رہی تھی؟ وہ کہاں سے آ رہی اور اسے کہاں جانا ہے؟ اس کا سامان کہاں ہے؟ اور ڈبے سے یہاں تک کون اسے لایا ہے؟ وہ اتنے سوالوں کے جواب میں دیدے گھما کر رہ گئی۔ اس کے ساتھ کوئی ہوتا تو اسے یوں اکیلا نہیں چھوڑ دیتا یا پھر معلوم نہیں اس شخص پر بھی کیا کر دی ہو۔

صفحہ پر بیٹھا ڈاکٹر بائیں ہاتھ ہاتھ۔ قریب کوئی اسٹریچر یا چار پائی بھی نہیں تھی۔ بوڑھی عورت کی حالت نہایت شکستہ تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں۔ اس سے پہلے میں دیکھ چکا تھا کہ کچھ لوگ زخموں کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کے باہر لے گئے تھے۔ وہ ان کے عزیز ہی ہوں گے۔ بڑھیا کو بھی ڈبے سے یہاں تک کسی نے پہنچایا ہوگا۔ اپنے بیروں چل کے تو وہ نہ آ سکی ہوگی۔ کوئی اور چارہ نہ ہو کہ میں نے بھی اس کے ہاتھوں بھرے جسم کی ٹھنڈی بازوؤں میں بھر لی۔ وہ بہت دھان پان تھی۔ باہر جانے کے

لیے گیٹ پلیٹ فارم کے وسط میں تھا اور زیادہ دور نہیں تھا۔ تیرہ دسوں، رکاوٹوں اور بڑھیا کو احتیاط سے جکڑنے کی وجہ سے میری سانس پھول گئی۔

اسٹیشن کی عمارت کے ساتھ بہت سے ٹانگے اور دوسری سواریاں زخموں کو لے جانے کے لیے منتظر کھڑی تھیں۔ مجھے دیکھ کے کئی آدمی میری طرف لپکے۔ بڑھیا کو ٹانگے میں بٹھایا گیا اور دو آدمیوں نے اس کے دائیں بائیں بیٹھ کر اسے قیام کیا۔ لوگ غلط فہمی کہتے۔ دنیا میں اچھے لوگوں کی کمی نہیں ہے یا پھر یہ کہ کوئی کتنا ہی بڑا ظالم، کتنا ہی برا ہو، کسی وقت بھی بہت اچھا اور نرم دل ہو سکتا ہے۔ شہر کے لوگ یہ افتادین کے اتنی رات کو اپنا آرام چھوڑ کے اسٹیشن پر آئے تھے اور ہر کوئی اپنی توہین کے مطابق سرگرم تھا۔ کسی شخص کے بغیر کہ کون کیا ہے۔ ٹانگا روانہ ہوا جاتا تھا کہ میں نے بڑھیا کے سامنے جا کے اس کے زانوؤں پر جھکی دی۔ وہ بیڑا بٹانے لگی۔ پوری بیٹھ بھی خوب آتی تھی لیکن اس کی آواز بہت دھیمی اور مختصر تھی، میں کچھ اخذ نہ کر سکا۔ شاید وہ دعائیں دینا چاہتی تھی۔ جب میں نے اس کے زانوؤں پر جھکی دی تو اس کی ویران آنکھوں میں لمحے بھر کے لیے جنک پیدا ہوئی تھی۔ آنکھوں کی زبان سب سے بے بی ہوئی ہے۔ اس زبان کا کوئی نام نہیں اور ہر جگہ بولی اور بھی جاتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں ممنونیت کی ٹھنڈی لود دیکھ کے میرا دل بھی ڈلنے لگا اور مجھے ایسا لگا جیسے میرا قد بڑھ گیا ہو اور میں بے وزن ہو گیا ہوں اور جیسے مجھ پر سنگت ہو کہ میرا وجود صرف میری غرض نہیں، دوسروں کو بھی اس سے کچھ سروکار ہے۔ کوئی اپنے لیے ٹھنڈک سے جی نہیں سکتا تو اسرار بھی کیوں کرے، خود کو دوسروں کی نذر کیوں نہ کر دے۔ آدمی اپنے آپ سے کوئی علاقہ ہی نہ رکھے۔ آدمی کو آدمی کی بڑی ضرورت ہے، اشیاء سے زیادہ۔

اسٹیشن کی عمارت کے باہر کھڑا میں ٹانگا جاتے

دیکھتا رہا۔ بوڑھی عورت کی نظریں مجھ پر منڈلا رہی تھیں لیکن وہ اپنی صبح کی ہوئی توانائی تادیر پر قرار نہ رکھ سکی۔ میں نے دیکھا اس کا جسم دائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص پر ڈھلک پڑا۔ ٹانگا دور ہوتا رہا۔ میرے جی میں آیا کرتا تنگہ کا تعاقب کروں مگر اور کیا کر سکتا تھا۔ اسے وہ لوگ اسپتال کی طرف ہی لے جا رہے تھے۔

پلیٹ فارم پر وہاں آ کے ٹھنڈی کی ٹھنڈی لینے کے لیے میں نے ڈبے کا رخ کیا۔ وہ برآمدہ پر دروازہ تھا۔ میں نے حال پوچھا تو اس نے وہی جواب دیا مجھے معلوم تھا۔ کچھ دیر اس کے پاس رہ کے میں اپنے ڈبے سے نزدیک کی صفحہ پر بیٹھے ڈاکٹر کے پاس چلا آیا اور اس کی ہدایت پر میں بھی لوگوں کو چٹیاں بانٹنے میں مصروف ہو گیا۔ شروع شروع میں جھجک ہو رہی تھی لیکن جلد ہی ہاتھ رواں ہو گیا۔

2 بجے کے قریب اسٹیشن خاصا پر سکون ہو گیا تھا۔ شہر کے بہت سے لوگ گھروں کو واپس جا چکے تھے۔ پلیٹ فارم پر یا تو ریلوے کا عملہ تھا۔ شہر کی افسران تھے، پولیس بھی یا مسافر تھے۔

ڈبوں کے بجائے اب مسافر ٹولیوں کی شکل میں جا بجا پلیٹ فارم کے فرش پر ادھے سیدھے پڑے ہوئے تھے۔ اتنے عرصے میں ڈاکٹر، کمپازٹر اور ارد گرد کھڑے سپاہی مجھ سے مانوس ہو چکے تھے۔ زخموں سے فارغ ہو کے ڈاکٹر کے اوسان بحال ہوئے تو اس کی نگاہ میری پیشانی پر بندھے رو مال پڑ گئی۔ وہ شرمندہ بھی ہوا، پریشان بھی۔ میں منع کر رہا تھا لیکن اس نے رو مال کی گرہ کھول کے میرے زخم کا توجہ سے معائنہ کیا اور مرہم لگا کے پٹی باندھ دی۔ کئی گولیاں بھی ہر چھ گھنٹے بعد پانی کے ساتھ گھٹنے کو دیں۔ وہ ایک مہربان آدمی تھا۔ اس نے میرا سینہ دیکھا، بغض دیکھی۔ پٹی سے مجھے سکون ہوا۔ پیشانی کی جلن میں خاصی کمی ہو گئی تھی۔ پھر ڈاکٹر نے مجھے ساتھ ہی بٹھالیا اور سنگار پہنے لگا۔

کھپ آرہی ہے۔ اکبر پور سے ادھر مشرق میں 30 میل دور شاہ سنج، 45 میل دور جون پور اور مغرب میں 35 میل دور فیض آباد، سو میل کی دوری پر بارہ بجلی ہے۔ کچھ دیر جاتی ہے، ہر طرف سے مدد آجائے گی۔ کئی زخمیوں کی حالت بہت نازک ہے، خصوصاً بچوں اور عورتوں کی۔ شہر والوں نے اسپتال میں جگہ کم پڑنے پر آخر میں انتظام کر لیا ہے پولیس نے احتیاطاً مسافروں کا سامان ڈبو سے اٹھوا کے پلیٹ فارم کے ایک کمرے میں محفوظ کر دیا ہے۔ کئی شدید زخمی مسافروں نے اپنے سامان کے بغیر اسپتال جانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ سیکس پلیٹ فارم پر پڑے ہوئے ہیں۔ صرف درمیانہ اور تیسرے درجے کے مسافروں کے ڈبے خالی کرائے گئے ہیں۔ اول اور دوم درجے کے مسافروں کو بھی گہری چوکیں آئی ہیں لیکن ان میں زیادہ تر اپنے ڈبو میں ہیں۔

ڈاکٹر کا نام مجھے بعد میں معلوم ہوا۔ اس کا نام آئند کورسکین تھا۔ وہ ایک پسندیدہ شخص تھا۔ شاید میں بھی اسے پسند آ گیا تھا۔ وہ مجھ سے باتیں کرتا رہا، کچھ اپنی سنانا، کچھ مجھ سے پوچھتا رہا۔ میں نے اس سے کہا کہ اسے زخمیوں کی خبر گیری کے بعد وہ تھک گیا ہوگا، اسے گھر جانا چاہیے، ہائی ڈاکٹر بھی جا چکے ہیں۔ کہنے لگا۔ ”ایسے کاموں سے کوئی تھکن ہوتی ہے۔“ پھر بولا۔ ”تھکن دوسری کی ہوتی ہے، ایک مٹھی، دوسری کڑوی۔ یہ بڑی مٹھی تھکن ہے۔“ پلیٹ فارم کی گھڑی ساڑھے تین بج رہی تھی تب وہ اٹھا۔ ملتے وقت مجھ سے بہت زور سے مصافحہ کیا اور اسی جوش سے بولا۔ ”تم سے اب شاید کبھی بھینٹ نہ ہو پر تم مجھ کو یاد رہو گے۔“

میں نے کہا۔ ”مجھے بھی آپ یاد ہیں گے۔ کبھی اس طرح آنا ہوا تو ایک بار ضرور آؤں گا۔ اتنی دیر میں، میں نے آپ سے بہت جانا ہے۔ آپ جیسے آدمی کم ملتے ہیں۔“ وہ مسکراتا اور سگار پیتا ہوا گیت

اب انہیں حادثے کی نوعیت کے بارے میں غور کرنے کی مہلت ملی تھی۔ بیچ کے عتب میں کھڑا ایک عمر رسیدہ سپاہی کچھ زیادہ سن واقف احوال تھا۔ اس نے بتایا کہ انجن میں کوئی بڑی خرابی پیدا ہوگئی تھی۔ ڈرائیور پرانا آدمی تھا، کسی طرح گاڑی یہاں تک لے آیا۔ اس نے کمال مہارت اور ہوش مندی سے کام لیا ورنہ گاڑی کسی بڑے حادثے سے دوچار ہو جاتی۔ جوئے، تے قیاس کیا تھا، سپاہی کم و بیش اسی ترتیب سے بیان کر رہا تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق، اوپر کی برتھوں پر بیش تر مسافر سوئے ہوئے تھے، نیچے بیٹھے ہوئے تھے نیم خوابیدگی و نیم بیداری کی حالت میں تھے۔ عموماً تیسرے درجے کے ڈبوں میں گنجائش سے زیادہ مسافر ہوتے ہیں۔ اچانک شدید جھٹکے کی وجہ سے اوپر کی برتھوں پر سوئے ہوئے مسافروں کو سنبھلنے کا موقع نہیں ملا۔ بلک جھٹکتے میں سب کچھ غٹ رہو ہو گیا۔ رہی سہی ٹکسروں دوسرے جھٹکوں نے پوری کر دی۔ اوپر کی برتھوں پر رکے سامان نے اور زیادہ جانی بچائی۔ ایسے موقع پر آدمی کو اپنے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اس کے سامنے شخص وہ ہوتا ہے، اس کی اپنی ذات، اپنا وجود۔ ہر مسافر نے اس ناگہانی سے بچنے کے لیے دروازے اور کھڑکیوں سے کودنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانی چاہی، حالاں کہ گاڑی منٹ دو منٹ کے عطا طعم کے بعد پرسکون ہوگئی تھی مگر وقت کی کمیت کیا، وقت تو کیفیت سے عبارت ہے۔ بھی ایک لمحہ ہی بہت کاری ہوتا ہے۔ ایک لمحے میں منظر بدل جاتا ہے۔

سپاہی نے بتایا کہ قریب قریب کے شہروں سے مدد آرہی ہے۔ لکھنؤ سے نئی گاڑی چل پڑی ہے۔ ریلوے والوں نے فیصلہ کیا ہے سو جو وہ گاڑی اور انجن کو کل پرزوں کی جانچ پڑتال کے بغیر نہیں چلایا جائے گا۔ فیض آباد اور بارہ بنگلی سے ڈاکٹروں، نرسوں اور حادثے کی تحقیق کے لیے بڑے افسران کی ایک

کی طرف جانے لگا تو میں نے چند قدم ایک کے اسے پھر چالیا۔ "ڈاکٹر صاحب، مجھے دھیان نہیں رہا تھا۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "ایک گزارش ہے۔"

"ہاں ہاں بولو!" وہ پلٹیں جھپکانے لگا۔ میں نے ہنسیا کرتے ہوئے کہا کہ اگر زحمت نہ ہو تو وہ میرے ہم سفر کو بھی دیکھ لے۔ گاڑی کے جھٹکے سے اس کا سر دیوار سے جا لگا تھا۔

وہ ناراض ہونے لگا کہ میں نے اسے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ پلٹ کے اس نے کہا ڈنڈر کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔ مجھے "فصل" کو پہلے مطلع کر دینا چاہیے تھا لیکن اس کا وقت نہیں رہا تھا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ وہ سو نہیں رہا تھا۔ میرے پیچھے دو اجنبیوں کو داخل ہوتا دیکھ کر فوراً اٹھ بیٹھا۔ کہا ڈنڈر کے ہاتھ میں ڈاکٹروں کا مخصوص بیگ تھا۔

"ان کو کیوں کشت دیا رہے۔" وہ ابھی ہوئی آواز میں بولا۔

"کشت کیا شرعی مان۔" ڈاکٹر نے خوش گواری سے کہا اور فصل کو کچھ اور کہنے کا موقع نہیں دیا۔ مختلف جگہوں پر اس کا سر دبا دیا۔ فصل نے کوئی تاثر ظاہر نہیں کیا تو پوچھنے لگا۔ "دن ہوتی ہے؟"

"فصل نے کچھ توقف کے بعد تندی سے جواب دیا۔ "تھوڑی بہت تو ہوگی۔"

"تھوڑی بہت یا زیادہ؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"اپنے کو چلتی ہے۔" فصل نے سر جھٹکا۔

مجھے کبھی خدشہ تھا۔ اس کے جواب سے مجھے گھبراہٹ ہونے لگی۔ اسے کچھ زیادہ ہی تکلیف ہوگی جو اس نے ڈاکٹر سے اقرار کر لیا تھا۔ وہ ڈبے سے باہر بھی نہیں نکلا تھا۔ ڈاکٹر نے دوبارہ سر کا معائنہ کیا اور بیگ سے آلہ کال کے سینے کا بھی تجربہ میٹر لگا کے حرارت بھی دیکھی۔ "کوئی، کوئی ایسی بات تو نہیں۔" میں نے مضطربانہ پوچھا۔ "فیض آباد بہت قریب ہے۔ کیا ہم گھر واپس چلے

جائیں؟"

"کیا بولنا ہے رہے۔" فصل تنک کے بولا۔

"تم مت بولو، مجھے ڈاکٹر صاحب سے بات کرنے دو۔" میں نے سختی سے کہا اور ڈاکٹر سے پوچھا ہاں ڈاکٹر صاحب! آپ کا کیا مشورہ ہے؟" "دیکھو تو سب ٹھیک لگتا ہے پر تکلیف باقی رہے تو گھر لوٹ جانا چاہیے اور کسی اچھی جگہ کھانا چاہیے۔" ڈاکٹر کے ليچے میں، میں نے کوئی لگراور کشمکش کھوجنے کی کوشش کی مگر اس کا لہجہ سرد اور سپاٹ تھا۔ اس نے نونہل کھار اور تاکید کی کہ بازار سے یہ دوا کہیں ملے کے پابندی سے استعمال کی جائیں۔ اس کی ہدایت پر کھار ڈنڈر نے کئی قسم کی گولیوں کو الگ الگ پڑیاں بنا کے دیں اور ان پر خوراک کی مقدار درج کر دی۔

میں اب فصل کے پاس ہی رہنا چاہتا تھا لیکن ڈاکٹر کو پلیٹ فارم کے باہر تک چھوڑنے کے لیے مجھے جانا چاہیے تھا۔ میں نے راستے میں اس سے کچھ نہیں پوچھا۔ مجھے ڈنڈر کا کہہ وہ کوئی ایسی دیکھی بات نہ کہہ دے۔ وہ بھی چپ رہا۔ اس کی خاموشی بھی مجھے پریشان کر رہی تھی۔ جیسے تیسے اس کا رویہ شکر یہ ادا کر کے میں نے اسے رخصت کیا اور تقریباً ہوا گنا ہوا اپنے ڈبے تک آیا۔ فصل اب دیوار سے ٹیک لگائے تنم دراز تھا۔ پہلے میں نے اپنی سانس بحال کیں پھر آواز دیکھی رکھ کے مفاہاتہ انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی بہتر یہی ہے ہم فیض آباد لوٹ جائیں، وہاں آرام کا وقت مل جائے گا، وہاں اچھے ڈاکٹر حکیم ہیں، اسپتال بھی بڑا ہے۔ چند دن بعد پھر جیل پڑیں گے۔ احتیاط کر لینے میں کوئی برج نہیں۔

"جو تھ جھوگلی ہے رہے۔" وہ جھٹکا کے بولا۔ "ٹھیک۔" میں نے عمل سے کہا۔ "تمہی کو گلی ہے۔ تمہی بھتر جانتے ہو گے لیکن مجھے کتنی تو تم سفر جاری رکھتے؟"

"پہلے تجھ سے پوچھتے۔"

"اور میں تمہاری طرح ڈنڈر رہتا تو۔"

میں نے اسے قائل کرنے کے بہت جتن کئے، وہ منتہا رہا پھر کہنے لگا، آگے جا کے دیکھتے ہیں۔ آگے کچھ اچھا محسوس نہیں کیا تو کسی وقت بھی واپس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ فیض آباد سے دور ہوئے تو کھلتے پلے جائیں گے۔ اس کی بات کسی حد تک مقبول تھی لیکن میری تجویز اس سے زیادہ مقبول تھی۔ مجھے معلوم تھا میری دلیلیں رائیگاں جائیں گی۔ میں نے پھر کچھ نہیں کہا۔ بیگ سے گلاس نکالا اور پلیٹ فارم کے تنکے سے پانی بھر کے ڈاکٹر سسینہ کی دی ہوئی گولیاں اس کے سامنے بڑھا دیں۔ یہی بہت تھا کہ اس نے گولیاں ہتھ میں کوئی پس و پیش نہیں کیا۔

صبح چھ بجے کھنٹو سے خالی گاڑی آئی۔ صبح کہیں بھی ہو، بہت نرم اور ہلکی ہلکی ہوتی ہے۔ جیسے دنیا کا وزن کم ہو گیا ہے۔ ریلوے لائنوں پر ٹھہرے کوٹوں میں ہبزہ پھوٹ رہا تھا۔ صبح کے اپنے رنگ ہوتے ہیں۔ ہبزے کا رنگ کچھ اور، پھولوں کے رنگ کچھ اور۔ ریلوے کے عملے کی درخواست پر اول اور دوم درجے کے مسافر اپنے اپنے ڈبوں سے نکل آئے۔ ان میں بھی کئی لوگوں کے بیٹیاں بندھی ہوئی تھیں یا پائے چسپاں تھے۔ بعض لوگوں سے ٹھیک طرح چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کے فصل بھی تیار ہو گیا۔ قلی نے ہمارا سامان پہلے ہی اٹھا رکھا تھا۔ میں نے بہت غور سے دیکھا۔ چلتے ہوئے فصل کے پیروں میں کوئی لغزش نہیں تھی۔ البتہ اس کی رفتار سست تھی۔ ہل پار کر کے ہم دونوں پلیٹ فارم پر آگئے تھے کہ میرے قدم اٹکنے لگے۔ کچھ قائل پر موجود پولیس کے گروہ میں مجھے ایک شناسا افسر نظر آیا۔ اس نے بھی ہمیں دیکھ لیا۔ یہ وہی افسر تھا، دوسری بار کو تو قلی میں حاضری کے وقت جس سے ہماری مذہب پڑی ہوئی تھی "استاد فصل!" اس نے دور سے پکارا اور تیزی سے بلا کے صحن

ہمارے مقابل کھڑا ہو گیا۔ اس طرح کہ ہم آگے جانے کے لیے پہلو بدل ہی کے گزر سکتے تھے۔ اس کے ماتحت سیاہی بھی اس کے عقب میں کھڑے ہو گئے تھے۔ ایک منٹ کے لیے میرے دماغ میں کئی طرح کے سوچوں نے یاخار کی۔ میں نے بے چینی سے فصل کی طرف دیکھا۔ فصل نے توقع کے خلاف اسے سلام کیا نہ کلام کرنے میں باہل کی۔ پولیس افسر کچھ مکدر ہوا اور قلی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم بھی اسی گاڑی میں تھے؟"

"نکٹ دکھا میں مائی باپ!" فصل کے لہجے کی قلی پر مجھے حیرت ہوئی۔ یہ اتنا مناسب بات تھی۔ پولیس افسر کی چٹائی تنگ ہو گئی، آواز بھی اکڑ گئی۔ "ہم کو پتا ہے۔ ہم چھوٹا کام نہیں کرتے۔"

"بڑا مان بڑھایا تم نے۔"

"کہاں جارہے ہو؟"

"کیوں پوچھتے ہو صاحب؟"

"ادھر ساروں سے پوچھ رہے ہو؟"

"تم سے پوچھتے ہیں۔" پولیس افسر نے افسرانہ طور سے پوچھا۔

"اپنے کو یاد نہیں، کوئی تاتے داری نکلتی ہو تم سے۔"

"تاتا جوڑنے میں کیا دیر لگتی ہے۔"

"پہلے تم ہاتھ بڑھاؤ گے یا ہم آگے کریں؟"

"اس کا سے بھی آجائے گا۔" پولیس افسر کی آواز بل کھانگی۔

"کام کی بات کرو مہاراج!" فصل نے برکت سے کہا۔

"اپنے لیے کوئی پرچہ چالان لائے ہو تو دیا ہو، نہیں تو پھرت چھوڑ دو۔"

پولیس افسر کھٹی ہوئی آنکھوں سے اسے گھورتا رہا۔ اس کا چہرہ بدگنے لگا تھا۔ اس کے ارد گرد کھڑے سپاہیوں کے ہتھ پھڑک رہے تھے۔ پولیس افسر

نے ہمارے سامنے سے بنے میں داخل کیا۔ شاید اس کی خواہش تھی کہ ٹھٹھل ہاتھ بڑھا کے اسے ایک طرف کرنے کی جسارت کرے تو بات آگے بڑھے اور اسے من مانی کرنے کا جواز مل جائے۔ آنے والے لمبے میں کچھ بھی ممکن تھا۔ میرا جسم اٹھنے لگا تھا۔ ہمارے آگے پیچھے گاڑی کی طرف بڑھنے والے مسافر بھی ٹھٹھل کے ہمیں دیکھنے لگے۔ ٹھٹھل نے مذہب کیا۔ آخر پولیس افسر خود ہی ایک جانب ہو گیا۔ آگے ریلوے کا ٹکڑا پہلے اور دوسرے درجے کے مسافروں کی معاونت میں مصروف تھا۔ ہمیں پہلے جیسا ہی ڈیپارٹا۔ جب تک میں نے ڈبے میں قدم نہیں رکھا، مجھے یہی محسوس ہوتا رہا کہ کوئی ہمارا تعاقب کر رہا ہے اور کوئی کسی وقت اچانک سامنے آئے ہمیں روک لے گا۔ رات بھر کی بیداری کے باوجود کسی ممکن کا احساس نہیں تھا لیکن اب جانے کیا ہو رہا تھا، کیا ہو گیا تھا، دل ڈوب سا رہا تھا۔ لگتا تھا، بہت دور سے چل کے آ رہا ہوں۔ ڈبے میں آگے مجھے کچھ خیال نہیں رہا۔ میں نے ہر تھکے کے کدے پر خود کو ڈھیر کر دیا۔ جی چاہتا تھا کہ آگے بڑھ کر لوں اور نہ کچھ دیکھ پاؤں۔ نہ من پاؤں لیکن اپنے آپ سے بے گامگی کے چند لمحے بھی مجھے نہ مل سکے۔ قحی کی آواز پر مجھے سنبھلنا پڑا۔ میں بھول گیا، میں نے ابھی کچھ غمے کیا تھا۔ ٹھٹھل کی حالت مجھے تھک نہیں لگتی تھی ورنہ پولیس افسر سے یہ تو ٹھکانہ ہوتی۔ میں نے غمے کیا تھا کہ اسے بس آرام کرنے دوں گا اور سارے کام خود کروں گا۔ مجھے اپنی دل بھی اور خوش گواری کا تاثر دیتے رہنا چاہیے۔ سامان رکھنے کے بعد قحی کسی اور خدمت کے لیے پوچھنے لگا۔ جانے وہ ہمیں کیا سمجھا ہو۔ پولیس افسر سے حجت کے دوران وہ سامان اٹھائے وہیں کھڑا رہا تھا۔ ٹھٹھل نے اس سے چائے کی فرمائش کی تو اس نے جیسے کوئی اعزاز سمجھا۔ پلک جھپکتے میں باہر چلا گیا اور ٹھوڑی دیر میں چائے لے آیا۔ چائے بھی خاص قسم

کی تھی۔ اول درجے کے مسافروں کے شایان شان، الگ الگ برتنوں میں۔ ٹھٹھل نے اسے پاس بیٹھنے اور چائے پینے کی پیشکش کی تو وہ بری طرح لڑ بڑا گیا۔ وہ ہی پیالیاں تھیں۔ میں نے اپنے لیے گلاس میں چائے بنائی اور اسے پیالی دینا چاہی۔ اس نے شدت سے انکار کر دیا اور ایک کے سر سے سامنے سے گلاس اٹھالیا۔ وہ ہمارے برابر بیٹھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ ایک سودب اور خدمت گزار آدمی تھا۔ ٹھٹھل کے اصرار پر یہ مشکل برتھ پر کونے میں سکر کے بیٹھ گیا اور جھپکتے ہوئے اس نے ہماری خیریت پوچھی پھر آخر خود رات کے واقعات بیان کرنے لگا۔ اس کی اطلاع کے مطابق، ڈاکٹر نے بہت کوشش کی لیکن نین عورتیں، دو بچے اور دو مرد مسافروں کو موت سے نہ بچا سکے۔ کچھ اور زخمیوں کی حالت بھی اچھی نہیں ہے۔ بہت سے مسافر احتیاطاً روک لیے گئے ہیں۔ وہ رکتے کو تیار نہیں تھے لیکن السروں نے انہیں اجازت نہیں دی۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بعض زخمیوں کو کھنڈ اور بعض آباو بیٹے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ قحی بھی انہیں ڈرائیور کی تعریف کر رہا تھا کہ اس کی مشاقی سے گاڑی کسی بڑے حادثے سے بچ گئی۔ کہنے لگا کہ خدا نے خیر کر لی۔ جس کی گھٹی تھی، اسے تو جانا ہی تھا۔ موت کے بھی کیسے کیسے بہانے ہوتے ہیں۔ میں نے اس کی اجرت اور اعزاز چاہنے کی قیمت سے زیادہ روپے دیے تو وہ حساب ہٹا نہ اور باقی روپے واپس کر کے لگا۔ میں نے واپس ہی نہیں لیے۔ وہ سلام کر کے اور دعا میں دے کے چلا گیا اور جلد ہی لوٹ آیا۔ اس کے ہاتھ میں پانی بھری گوری صراحی تھی۔ پانی کے لیے مجھے بار بار مختلف ایشیٹوں پر اتارنا پڑا۔ میں نے اس کا شکر ادا کیا اور شکر یہ بھی نہیں تھا۔ قحی دیر پر گاڑی اکبر پورا ایشیٹ پر کھڑی رہی۔ قحی کی موجودگی کے باوجود مجھ پر بھائی سی کیفیت طاری رہی۔ روشنی اب پختہ ہو گئی تھی۔ صبح کی تاریکی

اور مصیبت رخصت ہو گئی تھی۔ ٹھیک آٹھ بجے گاڑی نے حرکت کی۔ اکبر پور تیزی سے دور ہوتا رہا اور گاڑی دونوں طرف پھیلے بڑے زاروں سے گزرتے لگی تو میں نے بیک ٹھول کے توشہ دان نکالا۔ چار حصوں پر مشتمل توشہ دان میں مریخ قصبہ، مٹی کی بالنگ کی بجلیا، پوریاں، مٹی کی گلیاں اور سوچی کا علوہ رکھا ہوا تھا۔ پوریوں اور ٹیکوں کے خانے میں چھوٹی چھوٹی سلور کی کٹوریاں اچار اور پختیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ زریں نے ایسی چیزیں ہی منتخب کی تھیں جو سفر میں جلد متاثر نہ ہو سکیں۔ بیک میں تام پتی کی دو ٹائیں، آسانی رنگ کے ریشمی کپڑے میں لپٹی اور سنہری ڈوری سے بندھے چمچے اور ایک مختصر پھول دار دسترخوان بھی رکھا ہوا تھا۔ یہ سلیقہ دیکھ کے زریں کا سراپا آنکھوں میں اتر آیا۔ کسی نے کہا ہے، سلیقے سے مراد احساس تناسب ہے اور سلیقہ حسن ہے۔ سلیقہ آدمی کے اندر کے سلجھا دہنی غمازی کرتا ہے اور سلیقہ برداشت ہے۔ چیزوں کی تقدیم و تاخیر درجہ اور سلیقے دار ترتیب میں ایک فن چاہیے۔ زریں میں یہ خوبیاں بدرجہ تمام تھیں۔ کچھ قدرت کا عطیہ، کچھ خود اپنی حیثیت اور کوشش کا حاصل۔ کوئی بہت حسین ہو بہت بے سلیقہ بھی ہو سکتا ہے۔ زریں کو قدرت نے ہر طرح سے نوازا ہے۔ وہ خود بھی مجسم تناسب، مجسم سلیقہ ہے۔ حسن صرف رنگ روپ نہیں، ایک تناسب بھی ضروری ہے۔ زریں کا وجود جیسے تراشا گیا تھا۔ میں نے ہر تھ پر دسترخوان بچھا کے کھانا چن دیا۔ مجھے بالکل بھوک نہیں تھی لیکن کھانے کے رنگ اور خوشبو کا بھی ایک تاثر ہوتا ہے۔ ٹھٹھل بھی کھانے کی برتھ پر چلا آیا۔ ایک تو کھانا لذیذ تھا، کچھ ایک دوسرے کے خیال سے ہم نے سیر ہو کے کھایا۔ کھانے کے بعد میں نے ٹھٹھل کو دوا کی دوسری خوراک دی اور پانوں کی ڈیبا اور ہوا اس کے پہلو میں رکھ دیا۔ گھوڑی کھا کے اور بیڑی سلگ

کے وہ کھڑکی کے پاس بیٹھا باہر کا منظر دیکھ رہا تھا، پھر برتھ پر دروازہ ہوا۔
اکبر پور سے مغل سرائے کا فاصلہ 100 میل سے کچھ کم ہے۔ دوپہر دو بجے گاڑی مغل سرائے پہنچ گئی اور افاق سے آدھ ٹھٹھے بعد ہی ہمیں کھلنے کی طرف جانے اور بیڑی لائن پر چلنے والی تیز رفتار گاڑی مل گئی۔ میرا خیال تھا، ٹھٹھل پہلے دھن باد جا کے ظفر سے بات کرے گا۔ ظفر کو اب اپنی منگیت فرودزاں کے پاس چلے جانا چاہیے۔ گھر وذاں، یاسن اور ان کے مرنے نصیر بابا نے فیض آباد میں اس کی آمد کے لیے کسی بے گلی کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن اب خاصے دن ہو گئے تھے۔ فرودزاں کے والد ایرانی نژاد پروفیسر کے انتقال کے بعد ظفر ہی ان کے گھر کا واحد گھرانہ تھا۔ وہ یقیناً کوئی ایسا فرض شناس و جیرو شکیل و لائق فاقی نوجوان ہو گا جو پروفیسر جیسے دیدہ ورنے اپنی نازک امام و خور شکل بیٹی کے لیے منتخب کیا تھا۔ میں نے ظفر کی شرافت، نجابت اور لیاقت کے متعلق بہت سنا تھا اور مجھے اسے دیکھنے کا اشتیاق تھا۔ دو لاکھوں میں ایک فرودزاں جیسی لڑکی کا منگیت تھا۔ علم و فضل کے جو یا اس سادہ شعار نوجوان پر کبھی مفت سید محمود علی نے ہر قسم آزما یا تھا۔ اس نے پروفیسر کی مرنومہ بیوی اور اس کی بیٹیوں تک ظفر کی رسائی کا ہر راستہ بند کر دیا تھا۔ پروفیسر کے بے سہارا خاندان کو ظفر سے مدد ملنے کرنے کے لیے اس نے بڑی شہدہ بازی کی تھی۔ شہر آسن سول کی زمین اس شاطر نے ظفر کے لیے تنگ کر دی تھی۔ ظفر کو بڑی شہر دھن باد میں پناہ بھی پڑی اور اس کی حالت بالکل بھوک نہیں ہوئی۔ میرے پوچھنے پر ٹھٹھل نے بروان شہر کا نام لیا۔ آسن سول سے ہم ٹھٹھل آبادت جاتے تو ہمیں بروان ہی جانا تھا۔ میں نے تعجب کا اظہار کیا۔ "ظفر میاں کے پاس نہیں جاتا؟"
"نہیں رہے۔" اس نے اکٹائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔
"نصیر بابا کہتے تھے اس کی حالت ٹھیک نہیں

تھی۔ اب دن بھی بہت ہو گئے۔ فیض آباد جا کے وہ سنبھل جائے گا اور ان دونوں فردزاں اور یاسن کی تسلی بھی ہو جائے گی۔"
"ابھی اس کو ادھر ہی رہنے دے۔"
"کیوں؟ اب نہیں تو پھر کب؟"
"ابھی نام نہیں آیا۔" ٹھٹھل نے آنکھیں میچ کے کہا۔

وقت سے اس کی کیا مراد ہے؟ میں نے وضاحت نہیں چاہی اور خود مجھے کی کوشش کی۔ ایک ہی وجہ قریب قیاس نظر آتی تھی کہ فیض آباد کے دیگر گوں حالات کے پس منظر میں ظفر کا وہاں جانا مناسب نہیں ہے۔ باقی لوگوں کی بات دوسری ہے۔ زریں کی ٹوٹی اور فیض آباد ظفر کے لیے وحشی ہیں۔ میں نے پھر کوئی بحث نہیں کی۔ وقت کم تھا۔ ٹھٹھے کی طرف جانے والی گاڑی تیار کھڑی تھی۔ مجھے ٹکٹ لینے کے لیے انٹیشن سے باہر جانے میں وقت ضائع کرنا نہیں پڑا۔ میری درخواست پر گاڑی کے ٹی ٹی نے بروان تک کا کرایہ لے کر پرچی کاٹ دی۔

اول درجے میں کوئی جگہ نہیں تھی، مجبوراً ہمیں دوسرے درجے میں بیٹھنا پڑا۔ ڈبے میں پہلے سے نوجوان مرد و عورت اور شیر خوار بچہ موجود تھے۔ لباس سے آسودہ حال معلوم ہوتے تھے۔

چروں کی تازگی اور چمک ہی آسودہ حالی کی چٹخی کھاتی ہے۔ نوجوان نے ڈبے میں ہمارے داخل ہوتے وقت ہمیں ٹوکا تھا کہ یہ سیکنڈ کلاس کا ڈبہ ہے، یہ سن کے مجھے حراہہ آیا تھا۔ میں نے تڑخ کے کہا۔ "ہمیں معلوم ہے۔" وہ کچھ شرمندہ ہوا اور کسمسا کے رہ گیا۔ نظر آ رہا تھا کہ اسے یقین نہیں آیا ہے۔ اس کی خوب صورت بیوی ہمیں دیکھ کے منہ پھیر کے بیٹھ گئی۔ یہ تجربہ ہمیں کئی بار ہو چکا تھا۔ اوپر درجے اور اونچے لوگوں میں بیٹھنے کے لیے

دام و درم ہی کافی نہیں ہوتے، کچھ اور بھی لوازم ہوتے ہیں۔ یوں بھی پہلے سے بیٹھا ہوا ہر مسافر ڈبے کو اپنی جائگہ سمجھتا ہے۔ بہر حال ٹھٹھل کو آرام کے لیے پوری برتھ مل گئی۔ بروان تک طویل فاصلہ تھا۔ چار سو سو چار سو میل کے قریب۔ کم از کم بارہ گھنٹے کا سفر۔ صبح اکبر پور سے نکلتے ہی ہم نے کھانا کھایا تھا۔ اب دوپہر ہو گئی تھی۔ ٹھٹھل نے چائے کے ساتھ زریں کی دی ہوئی دو مٹی کی گلیاں کھائیں اور حریہ کچھ کھانے سے انکار کر دیا۔ میں نے بھی اسی پر اکتفا کیا۔

چھوٹے چھوٹے انٹیشن درگزر کرتی ہوئی گاڑی تیز رفتاری سے سفر کر رہی تھی۔ مغل سرائے سے گاڑی چلے ہوئے ڈھائی گھنٹے ہوئے ہوں گے کہ ٹھٹھل کا ٹیک آٹھ بیٹھا۔ میں جاگ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر کرب کے آثار نمایاں ہیں۔ "کیا بات ہے؟" میں نے اضطراب سے پوچھا۔

"پٹھان اب کتنی دور ہے؟" اس کی آواز بھی بدلی ہوئی تھی۔

"قریب ہی ہونا چاہیے۔ مغل سرائے سے سو سو میل کی دوری تو ہے؟" میں نے تذبذب سے کہا۔

ہمارے ہم سفر نے بھی سن لیا تھا۔ اس نے بھی دھل دیا کہ سات بجے تک گاڑی پٹنا پہنچ جائی چاہیے۔

"بھئی کو کیوں پوچھ رہے ہو؟ کوئی کام ہے؟"

میں نے منتشر آواز میں پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "جب آئے تو بول دیتا۔"

"طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"سر میں تھوڑی دھن ہے۔"

"دھن ہے وہاں؟" میری زبان لاکھڑائی اور مجھے دھچکا سا لگا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کے میں اس کی

برتھ کی طرف جھپٹا اور اس کے پاس جا کے ٹھک گیا۔
میں نے غیر ارادی طور پر اس کی کلائی پکڑی۔ کلائی
گرم تھی۔ اس کی پیشانی چھوئی۔ پیشانی کلائی سے
زیادہ گرم تھی۔ "تمہیں تو بخار ہے" میں نے سٹ
پٹاتے ہوئے کہا۔ "کیا بہت زیادہ تکلیف
ہو رہی ہے؟"
"اتنی نہیں جتنا تو....." وہ بیزاری سے
بولی۔ "بولنا بھڑا دکھتا ہے۔"

"قریب کے کسی اسپتال پر اتر جاتے ہیں۔ میں
پہلے ہی کہہ رہا تھا، واپس چلو مگر تم....." میں نے مٹھی
ہوئی آواز میں کہا۔ "اب آرام ضرور آ رہا ہے۔ آتا ہی
ہوگا۔ بکسر گزر چکا ہے۔ آرام بھی جنگشن سے ٹھیک
ہے۔ وہاں اتر جاتے ہیں۔ وہاں سے ہمیں کوئی بھی
گاز لی مل جائے گی۔"

اسے کچھ زیادہ ہی تکلیف ہوئی ورنہ چھوٹی موٹی
تکلیفوں کا تو وہ ذکر ہی نہیں کرتا تھا۔ میرا دل بری
طرح دھڑکنے لگا تھا۔ چلتی گاڑی میں، میں کبھی کیا
سکتا تھا۔ ڈاکٹر نے جو گولیاں دی تھیں، اس کی دو
خوراکیں میں دے چکا تھا۔ شاید انہی کا اثر تھا کہ وہ
اب تک کسی قدر آرام سے رہا۔ میں نے وہی
گولیاں نکال کے اسے دیں۔ اس نے کوئی
اعتراض نہیں کیا۔ آدھے گلاس پانی سے نگل لیں۔
سر دبانے کے لیے ڈاکٹر نے مجھے منع کر دیا تھا۔
گولیاں کھا کے وہ پھر لیٹ گیا۔ میں اپنی نشست پر
پہلو بدلتا رہا۔ مجھے تو اپنی فکر ہی رہتی تھی۔ میں نے
کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ بیمار بھی ہو سکتا ہے،
اسے بھی چوٹ لگ سکتی ہے۔ اس دوران گاڑی دو
ایک اسٹیشنوں پر ٹھہری اور کھینے پینے کے لیے آراء
جنگشن آگیا۔ میں نے سامان سیٹ لیا تھا۔ سینا
بھی کیا تھا، صرف ایک بیگ ہی کھولا تھا۔ اس کی
آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ میں نے بہت کہا لیکن وہ
آراء پر اترنے کو آمادہ نہیں ہوا۔ دوا سے شاید اسے
کچھ افادہ ہوا ہو۔ اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟ کیا

بات ہے، بتاتے کیوں نہیں؟" میں نے یہ ظاہر
ناراضی سے کہا۔
"ٹھیک ہے رے۔" وہ بہت دبی آواز میں
بولی۔
"میں کہتا ہوں، یہیں اتر جاتے ہیں۔ میری
بات مان لو۔"

"بٹنے پڑے کیسے گئے۔"
میری آنکھ کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ کوئی تک
ہی نہیں تھی کہ ہم اور دور جا کے فیش آباد والی گاڑی
پکڑیں۔ میں اس حالت میں اس سے جھٹ بھی نہیں
کر سکتا تھا۔ آرام بھی گزر گیا۔ ہمارے مسٹر نے
پٹنے پٹنے کا وقت سات بجے بتایا تھا۔ گاڑی آٹھ
سے کچھ پہلے پینا شہر میں داخل ہوئی۔ ٹھل کو میں
نے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ وہ تیار تھا۔ میں
دروازے پر کھڑا ہو گیا کہ کئی کو فوراً بلا لوں۔ گاڑی
رکتے ہی قی اتر آ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ
مٹھی سرائے کے لیے اب گاڑی کس وقت ملے گی تو
وہ حیرت زدہ ہوا تاہم اس نے بتایا کہ دو گھنٹے بعد
ہاؤز آفیس پر میں ادھر سے گزرے گی۔ میں نے
اسے ہدایت کی کہ وہ ہمیں فرسٹ کلاس کے وینیک
روم میں پہنچا دے۔ ٹھل منتار ہا تھا۔ جب میں قی
سے بات کر رہا تھا، وہ کچھ نہیں بولا۔ گاڑی سے اتر
کے اس نے قی کو اسٹیشن سے باہر چلنے کا حکم دیا۔ میں
اس کی صوت دیکھتا رہ گیا۔

"شہر جانا ہے۔" میں نے جھلا کر کہا۔ "شہر
کیوں؟ پھر بروڈان ہی چلو۔" کوئی جواب دینے
کے بجائے وہ آہستہ آہستہ پلیٹ فارم کے گیٹ کی
طرف بڑھتا رہا۔ میری کسی بات کی اس کی نظر میں
کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ مجھے بڑی جھجکاہٹ
ہو رہی تھی لیکن مجھے اس کے ساتھ ہی چلنے رہنا تھا۔
میں نے چپ سا دھلی۔

اسٹیشن کے باہر ایک دوسرے سے پیوست
گیلیوں اور تانگوں کی ایک بڑی تعداد مسافروں کا

بکھر تھی۔ ٹھل نے بھی وہاں کو اشارہ کیا اور اسے
مگر اندھ ہو کر چلنے کو کہا۔ بھی میں ہمارے درمیان
سکوت رہا۔ اپنی رات کی ابتدا بھی۔ شہر کی سڑکیں
صاف ستھری اور روشن تھیں اور خوب چمک چمک تھیں۔
اسٹیشن سے ہو کر کافی فاصلہ تازیا وہ نہیں تھا۔ بھی نے
ہمیں ہوٹل کے سامنے اتار دیا۔ گاڑی پر ہوٹل کے
رجسٹر میں رہی خانہ پری کے بعد مجھے کمرے کی چابی
مل گئی اور مجھے حیرت ہوئی۔ کمرے میں جانے کے
بجائے ٹھل گاڑی کے سامنے صوفے پر بیٹھا رہا۔
میں نے بے کراپا تھا کہ اب میں اپنی زبان ہی بند
رکھوں گا۔ ہوٹل کے خدمت گار نے ایک کشادہ
نہایت آرام دہ کمرے میں ہمارا سامان
پہنچایا۔ سامان رکھ کے اور کمرہ منتقل کر کے میں فوراً
ٹھل کے پاس چلا آیا۔ میرے پیچھے ہی وہ لٹھ گیا۔
میں نے سنا نہیں تھا۔ اس نے کس وقت بھی کو
غصے سے کہنے کے لیے کہا تھا۔ کو چوان کو جب اس
نے پینا میڈیکل کالج اسپتال کا نام بتایا تو میرا ہاتھ
ٹھکا اور میں چپ نہ رہ سکا۔ "اسپتال چارے ہو؟"
میں نے سراپا کی سے کہا۔

"ہاں رے، دکھادیں ادھر۔"
"کیا بات ہے؟ کچھ بتاؤ، کیا حال ہے؟"
"دیکھتے ہیں رے ادھر جا کے۔"
"مجھ سے مت چھپاؤ۔" میں نے ہڈیاتی انداز
میں کہا۔

"تیرے ساتھ ہی چلے ہیں۔"
"کیا، کیا بہت زیادہ....." میری آواز پھٹنے
لگی۔

اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے خاموش
رہنے کی تلقین کی۔ مجھے احساس ہوا کہ میری پرسش یا
دخل اندازی اسے گراں نہ گذر رہی ہو۔ اس موقع پر
مجھے سوال جواب نہیں کرنے چاہئیں۔ میرا دل ہول
رہا تھا۔ ہوٹل سے اسپتال کا فاصلہ کم نہیں تھا۔ بھی کی
دقت درست تھی۔ جتنی دیر ہو رہی تھی۔ میری وحشت

بڑھتی جاتی تھی۔ آخر تبھی ایک بوڑے اسپتال کے
سامنے رُک گئی۔ بھی سے اتر کے ہم نے خاص
عمارت کا رخ کیا۔ جانے ٹھل کس طرح چل رہا
ہوگا۔ کچھ وہی جانتا ہوگا کہ اس پر کیا گزر رہی ہے۔
وہ اسپتال کی عمارت میں اپنے پیروں سے داخل ہوا
تھا لیکن ظاہر تھا، کسی بڑی تکلیف ہی میں اس نے
سفر ترک کر کے اسپتال کا رخ کیا ہے۔ دواؤں اور
علاج سنا لے سے اسے ویسے بھی کبھی سرور کا نہیں رہا
تھا۔ اسپتال کے محلے نے ہمیں پختہ عمر کے ایک
جواں فکل ڈاکٹر کے کمرے میں پہنچا دیا۔ کوئی
توقف کیے بغیر میں نے اسے جلدی جلدی سارا
واقعہ بتایا اور گزارش کی کہ وہ ہم پر خصوصی توجہ
دے۔ وہ ایک کم گو آدمی تھا۔ ٹینک لگائے، کچھ
ڈھیلا ڈھالا سا، کسی انگریز کی کتاب کے مطالعے
میں مصروف۔ بے تاثر سا ایک شخص۔ اس نے کچھ
کے بغیر ٹھل کو ایک گوشے میں رکھے معائنہ بستر پر
لیٹ جانے کا اشارہ کیا اور سر کے مختلف حصے دبا کے
دیکھے اور کچھ وہی سوال کرنے لگا جو گزشتہ رات
رہیل کے ڈبے میں اکبر پور کے ڈاکٹر سکینہ نے کیے
تھے۔ وہ مجھے نو آموز ڈاکٹر لگتا تھا۔ میں نہیں کہنا چاہتا
تھا لیکن میرے بس میں نہیں تھا۔ میں نے صاف کہہ
دیا کہ بھتر ہے، وہ اسپتال کے کسی اور ڈاکٹر کو بلا کے
اس سے مشورہ کرے۔ میری تجویز پر وہ براہِ فروختہ
نہیں ہوا، سر ہلانے لگا۔ ٹھنکی بجا کے اس نے چہرہ اس
کو طلب کیا اور کسی ڈاکٹر سری نامھ کو بلانے کے لیے
کہا۔

کچھ دیر میں کسی ڈاکٹر کمرے میں جمع ہو چکے
تھے۔ ان میں ایک زیادہ عمر کا تھا۔ ان سب نے
ٹھل اور مجھ سے سوالوں کی نگرانی اور ٹھل کے
پاس سے ہٹ کے مشورے کرنے لگے۔ وہ پیش تر
انگریزی میں بات کر رہے تھے۔ بہت کچھ مجھے بھی
سنائی دے رہا تھا۔ پہلے تو وہ آپس میں اچھے رہے۔
ان کی رائے تھی کہ پتا ہر کسی بڑی چوشکے آثار نظر

نہیں آتے پھر وہوں سے ملے کیا کچھ نصیحت
کو پہنچاں میں رکھا سوجائے۔ چننا کا بڑا ڈنڈا
ڈنڈا سے لے کر سارے اچھا چھوٹا ہے۔ اس
کے آئے تک ٹھہر کر سکون کی دوا میں دئی چائی
ریں دور رس کسی طور گزار دی جائے۔ ممکن ہے،
ایک رس کی صورت پڑے یہ بعد بھی ڈاکٹر
رہے ہی کر سکتا ہے۔ اس کا نہ رے حد سہرا بہر کا
تھا۔ یہاں میں صدمہ مشورے کے بعد بڑی عمر کا
ڈاکٹر مجھ سے مخفی رہا۔ ہم میں کورات پھر
کے لیے

مجھے معلوم تھا، وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ میں نے
سے روک دیا اور عمر بڑی میں پڑ چکا۔ ڈاکٹر
رانے اس وقت کیوں نہیں آسکتے۔
مجھے اگر بڑی میں ڈنڈا دیکھ کے اس کے جسم
برائے، آگے نہیں بڑھیں گے۔ عمر رسیدہ ڈاکٹر نے چند
ثانیوں کے سکوت کے بعد مری سے کہا۔ "وہ اس
وقت گھر پہرے رہتے ہیں اور مریض دیکھا پسند نہیں
کرتے۔"

"یہ کیوں سا ڈاکٹر ہے؟" میں نے پوچھا
کہا۔ "مرض گھڑی دیکھتا ہے جو ڈاکٹر گھڑی کا پند
ہے۔ یہ چننا بھی رات کو بند کر دیا کریں۔ رات
آرام کے لیے ہوں۔ آپ سارے بھی یہاں
کیوں ہیں۔ گھر جا کے آرام کریں۔"
"آپ اطمینان رکھیے۔ ہم رات بھر اس کی خبر
میری کریں گے۔ کوئی سکا گھراے وہاں بات نہیں
معلوم ہوئی۔" ڈاکٹر نے سمجھانے کے انداز میں
کہا۔

"ہم مردانہ جا رہے تھے۔ بیٹے کے اس
پہننا میں دکھائے کے لیے ہم سے گئے کا سفر ختم
کیا۔ ہم کسی امید سے آپ کے پاس آئے ہیں۔
ازر و کرم آپ ڈاکٹر رانے سے رابطہ کیجیے یا مجھے ان
کا پتا بتائیے۔ میں ان کے پاس جا کے منت کرتا
ہوں۔ ہم ان کی، جتنی بھی نہیں ہو، ادا کر دیں

میں۔

"ڈاکٹر رانے کے کچھ اصول ہیں جناب۔"
"اس سے صحت سے کہہ
"پھر کسی اور ڈاکٹر کو جانے کا بندوبست کیجیے۔
کی اس بڑے شہر میں ڈاکٹر رانے کے سوا کوئی اور
ڈاکٹر نہیں ہے۔ میں نے آپ سے کہا، اردو پڑھیں
کی قیمت مہینے۔ کوئی بھی نہیں اور سنا بھی ترجیح
ہو۔" میری درخواست میں درستی ٹال گئی
عمر رسیدہ ڈاکٹر کی قدر پڑے چارٹی کی کیفیت
میں اسے ساقیوں کے چہرے دیکھتے لگا

"دیکھیے نا؟" میں نے اس سے کہا۔ "ہیٹل
میں کوئی بھی مریض کسی وقت، کسی رات میں آسکتا
ہے، کی کسی یہاں، سڑ رے پے انعام کیا جاتا
ہے۔ آپ آپ ہنگریاں پھر اس لیے ہیں۔"
"یہ کیسے پیچیدہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ دماغ کا
معادہ ہے۔ ہمیں حقیقت کرنا ہے۔ ڈاکٹر کی آواز
الٹ رہی تھی۔

"پھر تو اور ضروری ہے۔ آپ یہ کیسے صبح پ
کیوں ناں رہے۔ پھر ایک مہر دلی کیجیے اس شہر میں،
میں انہی ہوں، کوئی ساری مجھے آرام کر دیجیے۔
میں خود ڈاکٹر رانے سے گھر جا کے وہاں رہے ہوں یا
جس ڈاکٹر کو آپ تائیں جس کے اصول اتنے سخت
نہ ہوں۔ جو اپنے بیٹے سے الصاف کرتا ہو، جو واقعی
ڈاکٹر ہو کوئی ایسا ڈاکٹر جو روئے ہو بہت عزت
کھاتا ہو۔ میری دعا کیجیے۔ پھر گھر سے کھڑے
آپ وقت کیوں صاف کر رہے ہیں۔"

میرے منہ میں جو آیا، میں کہتا گیا۔ جی میں تو یہ
آتا تھا کہ جب سے چاقو نکال لوں یہ رہاں ان کی
کچھ میں کیس آئی تو دوسری ضرورت آئے گی۔

جواب میں عمر رسیدہ ڈاکٹر دیر تک صبر رہا پھر
اس نے ایک فوجوں ڈاکٹر سے کہا۔ "ڈاکٹر رانے
کے پاس جا کے ساری صورت حال بتا دو رنہ پھر
انہیں ڈاکٹر سمیت کے پاس بھیجے کا انتظام کرو

ڈاکٹر سمیت اس ہیٹل میں میں آئیں گے۔ اس
کے گھر ہی جاتا ہوگا۔ وہ ایک مہر۔ آدی ہے لیکن
پہلے ڈاکٹر رانے کو دیکھو، شاید وہ "وہ
شاہ اچکا کے پولا
"وہ بھی آئیں گے جناب آپ کو معلوم ہے،
انہوں نے کئی سے تاکید کی ہے۔ پہلے بھی
تو جواں ڈاکٹر کی آواز سن رہی تھی۔

"اچھا ہے، ایک بار اس کو دیکھو" عمر رسیدہ
ڈاکٹر کا لہجہ نیم حکیم تھا۔ جد کو کوئی شکایت بھی
ہو سکتی ہے۔
"آپ کیسے تو میں ساتھ چتا ہوں۔" میں کہتا
چاہتا تھا۔ شاید میری التجا سے ڈاکٹر رانے حنا
ہو جائے۔

"بہنیں۔ عمر رسیدہ ڈاکٹر نے صاف نکار
کر دیا۔ "آپ یہی خبریں اور انتظار کریں۔
"دوست مہر میں کو جو دوا میں دیتے ہیں۔"

اس سے اب دلی اور بات کرنی مناسب نہیں
تھی۔ اس بنا پر است پر کر کے میں بیٹے سے نصیحت
ڈاکٹر سے عقل کے بارے میں سوئی ٹھوس دلی اور
چند گویوں بھی کلا میں۔ اس کے اور عمر رسیدہ ڈاکٹر
کے سوا ہی ڈاکٹر چلے گئے۔ گھر سے میں خاموشی چھا
گئی، جیت نام کی خاموشی۔ پھر عمر رسیدہ ڈاکٹر
سے کڑی پریچے کے پائپ سلگایا اور مجھ سے
پوچھے لگا۔ "یہ آپ کے کون ہیں؟"

"یہ بتاؤں۔" میں سے پچھاتے ہوئے کہا۔

"میرے سب کچھ ہیں، میرے بھائی، دوست
میرے بزرگ، میرے محسوس۔"

"آپ کا اس سے کوئی خونی رشتہ نہیں ہے؟"

"تمام اس لوں کا ایک دوسرے سے خونی رشتہ
ہوتا ہے۔"

"ہاں۔" وہ کچھ بے قرار ہوا اور غصہ مانی سانس
پھر کے پولا

"آپ ٹھیک کہتے ہیں بعد آپ سے بڑی جی

ت کی ہے۔ پھر پوچھے لگا۔ "آپ لوگوں کا کیا
مشکل ہے؟"

مجھے جواب دینے میں نال ہو۔ وہ چلتی
آنکھوں سے منظر تھا میں سے کہا۔ "میری رہنمائی
ہیں۔ زمینوں کا من کے عمو، دوسرے سو ت کیوں
کے چاہے

"پار میں دار ہیں؟"

"جی ہاں۔" میں سے مختصر جواب دیا۔

"فیصل آباد میں آپ کی زمینیں ہیں؟"

"اور کئی کئی جگہ۔" میں سے یوں ہی کہہ

دیا۔

اس نے تو صوفی مدار میں سمجھیں پھینک دیں۔

"آپ تو خوب عظیم یافتہ معلوم ہوتے ہیں۔"

"آگر بڑی گولی سے مراد علم پاگل کی نہیں ہے۔"

"ہاں ہاں۔" اس کے چہرے پر ہلکی چھا

گئی۔ "لیکن سمجھا کچھ ایسا ہی جاتا ہے۔"

"حکمرانوں کے لاؤنگر میں ان کی تہذیب بھی

ہوتی ہے۔ گورنر کو تو یہاں حکم رانی کرتے ہوئے

زمانہ گزار گیا۔"

"بے شک، بے شک، اور یہ بھی تو بچ ہے کہ

ب وہ ہم سے زیادہ چاہتے ہیں۔ ان کا وقت ہے،

کیوں کہ آپ کے پاس علم ہے۔ اس وقت اس

باتوں کا کوئی گل نہیں تھا۔ حکیم ڈاکٹر کو علاج معالجے

کے علاوہ کچھ اور بھی جانتا چاہیے۔ اس کی مزید

سواہوں سے بچنے کے لیے میں گری سے غصہ گیا اور

میں سے ٹھہر گئے بستر پہ جا کے سے دیکھا۔ اس کی

پہنچیں کھلی ہوں نہیں۔ میں سے پوچھو "ٹھیک

ہے پچھا؟" اس کے ہونٹ پر خفیف کی مسکراہٹ

نکھڑی دوسرے سے مجھ کے لیے آنکھیں بند

کر میں۔ "اس ب ڈاکٹر صاحب۔" تے ہی ہوں

گئے "میں سے اس کا شوق چھپاتے ہوئے کہا۔
اس نے جیسے ناں نہیں۔ میں سے ملے ہاتھ سے
اس کے گھر، دل درست لیے وہ ڈاکٹر کے پاس

تکے بیٹے کی سہیلی کی سہیلی سمجھ رہا ہوں کبھی
مریضوں سے رہا دو مجھ سے دروازوں کے سببان بڑا
سے مشعل یہ ہے، انہیں پرکوں رہے کی دوا بھی
سب سے ملتے۔ "عمر رسیدہ" اگر تجھے سہی دیے
کا اطمینان رکھیے، آپ سچ جانتے ہیں۔
میں سے کوئی تعذر نہیں کیا۔ ڈاکٹر بھی چپ
ہو گیا اسے کیا نہ وہ ہو سکتا تھا، مجھ پر وقت سے
گزر رہا ہے میں تہ لکھے گئے رہا ہوں۔ کمرے کی
دہار کی ہڑی سے سر ہٹے سیر کا گھٹنا جلا تو
اکثر سے پہنچے بند گھنے کے کٹ سے جیسی کڑی
نکال کے وقت کی تعذرتی کی اور حوا ڈاکٹر سے
پوچھا۔ "بریش کو گئے۔ اب تک وہیں
آ جا چاہیے۔"

تندی سے پوچھا۔
"اب دور میں فریب ہی ہے۔ ڈاکٹر کے
بچے میں سے چکی بھی تھی، چپیلی بھی۔" کچھ دیر اور
دیکھتے ہیں۔

کچھ دیر اور گزر گئی۔ سیری نکلیں کبھی
دروازے کی طرف اٹھیں کبھی کھل کی طرف۔
اگر ڈاکٹر رائے آباد نہ ہوا، کھل کی حالت مجھے
بالکل ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ اس وقت اس دھبی
شہر میں، میں کب کہاں، کس کس دروازے پر
دشک دوں گا۔ یہ سوچ سوچ کے میرا دماغ پھٹ
جا رہا تھا۔ عمر رسیدہ ڈاکٹر کا حال یقیناً مجھے صبا نہیں
ہوگا شین وہ بھی سب خاصا شکر معنوم ہونا تھا۔ کڑی
سے شکر کردہ کمرے میں بیٹھے گا، کھل کے پاس بھی
گیار اور اسے ایک نظر لکھ کے پلٹ آیا۔ میں اس
سے منت کرنا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر رائے کا حزیہ انتظار
کمرے کے بجائے وہ کوئی اور تہیں کرے۔ میں
سے کچھ کہنے کے لیے امت استوار ہی تھی کہ اسی دم
کمرے کے باہر سے تیز قدموں کی چاچیں

ابھریں۔ جو حوا ڈاکٹر سے بھی سہیلی چھوڑا۔
میں بھی کھڑا ہو گیا۔ عمر رسیدہ ۱۶ برس سے بڑا
ہوئے کہا۔ "اگر واقعی وہی ہیں تو حیرت ہے۔"
کچھ عواوہ لپک کے دروازے کی طرف بڑھ گیا مگر
اس کے باہر کھٹے سے پہلے ستریاں کے لگ بھگ
عمر، اوسط قد کا، بھورے رنگ کی چلوں پر تھی
استیوں کی پھول دار قمیض پہنے کھلتی ہوئی سرخی
رنگت کا ایک محنت مند کھس کرے میں داخل ہوا۔
وہ ڈاکٹر رائے ہی ہو سکتا تھا۔ اس کے عقب میں
نوجوان ڈاکٹر بریش کے علاوہ ایک اور شخص بھی تھا۔
"کیہ ہوا؟ ڈاکٹر رائے نے کمرہ در کی سوار میں
پوچھا۔

عمر رسیدہ ڈاکٹر نے انگریزی میں مختصر کھل
کے مرض کی نوعیت سے "کاویا در کھل کے ستر کی
طرف اٹکی اٹھا۔ ڈاکٹر رائے نے خود بھی کمرے
دیکھ لیا تھا۔ نامواری اس کے پیروں سے چلا گئی۔
اپنے سرواے سرسری "تھوں پر کھل سے
آکھیں کھل دیں۔"

ڈاکٹر کو کھلے احم کہہ رہے تھے، احم سے
اسے دی ہے۔ ڈاکٹر رائے نے کسی دوا کا نام
یا تھا۔ میں چون طرح نہ من سکا۔ "کتنی دیر
ہوئی؟"

میں نے دیکھے عم ہو کہ عمر رسیدہ ڈاکٹر کا نام
گو کھلے ہے۔ اس نے تندی سے جواب دیا۔ "دیر
ہوئی جناب! شاید گھنٹہ بھر پہلے۔"
"ایک گھنٹہ ڈاکٹر رائے کی تیاری تیار تھی۔
"مگر یہ تو جاگ رہا ہے۔"

"ہی، میں بھی دیکھ رہا ہوں مگر ہم نے سے
پوری خوراک دی تھی۔ یا تو رد شدہ ہے یا یہ دلی
اعصاب کا مصوبہ ہے۔ یہ بے پروا سے کھل
کے یہاں آتا تھا جناب۔ ڈاکٹر کو کھلے کی عمر ڈاکٹر
رائے کے برابر ہوئی، ممکن ہے، مگر باواہی وہ
ڈاکٹر رائے کی جناب میں بہت مودب تھا اور یہی

حالا دوسرے ڈاکٹر اس کا تھا وہ تقریباً ہفتہ
 باغ میں کھڑے تھے۔ ان سب کی نظروں میں ڈاکٹر
 رائے کی اس قدر مسرت سے مجھے کچھ سکون ہوا۔ وہ
 کون بڑا ہی ڈاکٹر ہوگا۔ ہر صاحب کمال کے اپنے
 تئیر ہوتے ہیں۔ وہ بھی کچھ انگ قسم کا آدمی معلوم
 ہوتا تھا۔

ڈاکٹر رائے، مہمل کے جسم پر جھک گیا اور
 مختلف اویں سے تادیس لگا کر بائیں ہاتھ
 کا جھرو کھینچا، رکھتا رہا۔ اس کی کون سے کراہ بلند
 نہیں ہوئی۔ "کتنار دے" ڈاکٹر نے ہندوستانی
 میں پوچھا۔

"ابھی تو کسی ہے۔" مہمل نے دم دم وار
 میں رک رک کے کہا۔

ڈاکٹر اس کے سر پر ٹھونٹیں مارنے لگا اور اس
 نے اپنا کان سر کے قریب کر لیا۔ "جدا جدا جاتی ہوتا
 ہے، مجھ کو بولا۔ ڈاکٹر رائے ہر لفظ پر زور دیتے
 ہوئے بول اور پوچھنے لگا۔ ابھی پورا سے میں "تا
 ہے، میں کی بولتا ہوں۔"

مہمل نے ہستہ سے سر ہانپا۔

ڈاکٹر نے پورے سر پر ٹھونٹیں مارے کا عمل
 دہرایا۔ پیسے ہلکے ہلکے پھر رفتہ رفتہ زور دے۔
 مہمل کے چہرے پر ٹھنڈی مہری ہون لگی۔

"پو پو جس جگہ پر پڑا رکھتا ہے؟"

مہمل نے ٹھنڈی ٹھنڈی میں وار۔ مشکل جواب
 دیا۔ "سارا پھلتا ہے۔" ڈاکٹر رائے سے اس کے سر
 سے ہاتھ ہٹا لیا اور لگا کے جسم کے مختلف حصوں کا
 جائزہ لے رہا تھا۔ پو پو نے مہمل کے دیکھے اور
 بار بار پو پو کے ہاتھ کے چم کے دوروں کا معائنہ کرتا
 رہا۔ "میں کے ساتھ کون ہے؟" اس نے ادھر ادھر
 نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

میں ڈاکٹر کو کھیلے کی آڑ میں کھڑا تھا۔ اس نے
 ایک طرف ہٹ کے مجھے سامنے کیا اور مودباں لگا۔

"یہ تو جو بن اس کے ساتھ ہے۔"

ڈاکٹر رائے سے سر ہانپا مجھے گھور کے دیکھا
 "اوہ تم اس مریض کا کیا کہتا ہے؟"

وہ سوال اس کے جواب سے مجھے ہفتاں سر
 ہوئے لگتا تھا میں کسی کو کتنا جواب دوں، جو رشتے
 ناموں اور درجوں سے سوا ہوتے ہیں، کوئی اس کی
 تشویش کی کرے۔ مجھے ہندو مذہب دیکھ کے ڈاکٹر
 گونگے سے میری مشکل آسان کی۔ یہ دولاں
 ہوئی ہیں صاحب۔"

ڈاکٹر رائے کے ہاتھ پھیل گئے۔ مہمل کے
 سر پر چھلکی دیتا ہوا وہ کمرے کے وسط میں دھکی مہری کی
 طرف آگیا۔ میری نظریں اس پر مرکوز تھیں۔ اس
 کے چہرے پر فکر مہدی کے آثار تھے باہر سے ادھم
 تھا۔ میں پتھر ادا رہ گیا تھا۔ مجھے تو بہت
 گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ "اس کو ابھی ادھر روکنا
 ہے۔" کچھ ایک رات یہ بڑا مہین میں رہیگا۔
 سویرے اس کو پتھر دیکھ گا۔ مجھ کو ابھی سارا بات
 بولا۔ "ڈاکٹر رائے سے دو سوک ادا میں مجھے
 مخاطب کیا۔"

میں نے اپنا حلق تڑکیا اور شکستہ آواز میں گزارشت
 رات کی روداد سنائی شروع کی تو ڈاکٹر کو کھیلے نے
 عمل دیا کہ بہتر ہے۔ میں ڈاکٹر رائے کو اکثر بڑی
 میں ٹھنڈی بناؤں۔ ڈاکٹر رائے بھی میری تحریز کی
 دانی پر متحجب ہوا تھا مگر اس سے کو کھیلے طرح مجھ
 سے سواں جواب نہیں کہے۔ میں نے اسے ڈبے
 میں ڈاکٹر کھینچنے کی آمد اس کے معائنے اس کے
 کھیلے ہوئے کھینچے اور روا کے بارے میں بتا دیا۔
 کہا کہ نئے کی دوا میں تریہ سے کا وقت ہی نہیں ہے
 سکا گولیوں کی نہیں خوراکیں دے چکا ہوں اور کوئی
 افادہ نہیں ہوا ہے جیسے سے گولیوں کی پڑا اور نسخہ
 نکال کے میں نے اسے پیش کر دیا اس نے غور
 سے نسخہ پڑھا، گولیاں دیکھیں اور دونوں چیزیں مجھے
 لوٹا دیں۔

"دیکھو جو ان" اس سے میرے کندھے پر

ہاتھ رکھ کے کہا۔ اس کا جو خاصہ رشتہ تھا کہنے لگا
 "میں ابھی کچھ نہیں کہنے۔ یہ اندرونی چوٹ ہے۔
 ہمیں بہتری کی امید کرنی چاہیے۔ رات کے بے نام
 ایک دوا میں دے رہے ہیں جو درد بھی کم کر دے گی
 اور مریض کو سنبھالنے آجائے گی۔ صبح تک انتظار کرو
 ہو سکتا ہے، کچھ دن نہیں یہاں ٹھہرنا پڑ جائے۔ کیا
 تمہارے لیے یہ ممکن ہے؟"

"میری سب سے بڑی فریج ان کا علاج
 ہے۔" میری دادرہ گئی۔

"ٹھیک ہے۔ یہ لوگ مریض کو ایک آرام دہ
 کمرے میں منتقل کر دیں گے۔ تم بھی وہیں روکتے
 ہو۔ رات بھر تھے، آئے سے ڈاکٹر آتا رہے گا اور
 مریض پر جانے لگے گا۔ کوئی ایسی دیکھ بات ہو، درد
 زیادہ اٹھے گی تو تم ڈاکٹر اب کر سکتے ہو۔ نرس بھی
 دیکھ کر بل کر رہے گی۔"

"سب سے بڑا" میری آواز دھڑک
 رہی تھی۔ "ڈاکٹر صاحب" میں نے ڈرتے
 ڈرتے پوچھا "کوئی ایسی بات تو نہیں۔ آپ کیا
 سمجھتے ہیں؟"

"ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔" دو سپاٹ ملے میں
 بولا۔ "صبح سم اور معائنے کریں گے۔ خون کے
 علاوہ اور کئی ٹیسٹ اس میں دے بھی لیں گے۔
 ضرورت پڑی تو دوسرے ڈاکٹر کو بھی مشورے
 کے لیے بلایا جاسکتا ہے۔"

"خدا کے لیے کچھ کہیے ڈاکٹر صاحب" میں
 نے عاجزی کی۔ "جو بھی، جس طرح کا علاج ہو،
 بالکل ٹھیک کیجیے۔"

"مجھے بتا دیا گیا ہے کہ تمہارے پاس بہت سونا
 چاندی ہے۔"

"یہ میں نے روپے پیسے کا، کراس بے کیا تھا
 کہ علاج میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔" میں نے
 معذرت کی۔ "اس کا مطلب کچھ اور نہیں تھا، اور
 جس پھر کس لیے ہوتا ہے۔"

میں سمجھتا ہوں۔ "وہ مسکراتے رہا۔" پیسہ بھی
 کام آتا ہے مگر ہر سال پر نہیں۔
 "میں آپ مہربان کیجئے جاتا۔"
 ہم اپنی کوشش کریں گے، ہم یہاں ہی لیے
 ہیں۔

"مجھے حساس ہے، میں نے آپ کو وقت
 رحمت دی پھر دیکھ پیسے کا ذکر نہ جائے گا لیکن وقت کا
 کون و مول ہوتا ہے آپ کچھ خیال مت کیجئے۔"
 "بعد کو دیکھیں گے۔" ڈاکٹر رائے آنکھیں
 چمکاتے ہوئے۔ "تم بھی کمرے میں جا کے آرام
 کرو، دھردل دوسرے ہسپتال ہے اور جلد رکھو۔ تم سے
 اب صبح بات ہوگی۔ شب بیکھر۔" اس نے میری
 طرف سے مڑ کے ڈاکٹر کو کھیلے کوسر گوشیاں بچے میں
 کچھ ہدایات دیں اور سیدھا دروازے کی جانب
 چل پڑا۔

"وہ گھٹنے کے نذر ایک کھیلے ہوئے، صاف
 مستقر ہے، ہوا دار اور آسٹہ کمرے میں وہ
 ہمیں آئے۔ ڈاکٹر کو کھیلے کے ساتھ دو جوان
 ڈاکٹر بھی آئے تھے۔ انہوں نے مہمل کو ایک اور
 سوئی کان و مختلف قسم کی دوا میں دیں۔ بڑی مہری
 ایک قریب اندام، چاقی و چوبند نرس ان کی مدد کرتی
 رہی۔ کمرے میں کھڑکی کے پاس صوفہ لگا ہوا تھا،
 کرسیاں بھی تھیں درمیان سے متعلق ضرورت کی
 ہر چیز موجود تھی۔

"قریب ہی دھردل ہے۔" بچے کام سے
 ممت کے ڈاکٹر کو کھیلے میرے شے پر ہاتھ رکھے
 مجھے صوفے پر بے آیا اور پوچھنے لگا۔ "کہیے کیا
 ہے یہ کمرہ؟"

میں نے حاجت سے کہا۔ "تپ کی بڑی
 مہربانی۔"

"مہربانی میری نہیں ڈاکٹر رائے کی ہے۔" وہ
 مجھے کمرے کے اوصاف تفصیل سے بتواتے لگا کہ
 ارد گرد کے خاص خاص لوگوں کے لیے یہ کمرے

مخصوص ہیں مگر سے مرعوض بھی نہیں میرا
 جاتا ہے۔ یہ خان رہے ہیں تو بھی یہاں صاف
 ستروں کا سیل لگا جاتا ہے۔ اونچی پر موج
 اکثر کے لیے، مگر ہے کہ یہ کمرہ میں
 یہ علاج مرعوض پر خصوصی توجہ دیں۔ یہاں مگر
 رسوں کا طعم رکھا جاتا ہے۔ دیر سبج ہوئی وہ
 سے یہاں بڑی نرم و لطیف ہوتی ہے وہ میرا۔
 سے بچتا تھا کہ ڈکڑے سے تو میری کھلی
 مذاقات تھی۔ میں نے کیا جاؤ کر دیا کہ اس سے
 خود اس کمرے میں ہمیں قیام کی عادت دے دی
 ورنہ وہ تو بہت جلد ہے۔ ڈکڑے کو کھلے کو لفظ تلاش
 کرے میں دشا ری پیش رہی تھی۔ غالباً وہ یہ کہنا
 در جتنا چاہتا تھا کہ مرعوض کا حسب نسب اس
 کے دور و اثر سے مطمئن ہوئے کے بعد ہی نہیں
 یہاں علاج کے اعلا سے لور جاتا ہے۔
 میں جب چاہتا ہوں کہ کہے داتے کو کچھ تو
 حس ہوتا چاہیے کہ سننے والے کتہ سن رہا ہے یا کتنا
 متوجہ ہے۔ بے موقع کلام بھی یاد ہوئی ہے وہ یادہ
 کوئی ایک عرصہ سے وہ یہ عرصہ بہت عرصہ ہے۔
 لوگ ہر جہ کا حسب رکتے ہیں۔ یہ حسب کوئی نہیں
 لگتا کہ مدد کی کا کتنا وقت بے موقع در غیر ضروری
 باتوں میں گزر جاتا ہے۔ مجھے ڈاکٹر کو کھلے کی باتوں
 سے چڑھ رہی تھی۔ میں شخص کے پاس بیٹھا جاتا
 تھا۔ اسے بستر پہ بے سدھ یاد دہانے کے میرا دل ڈوبا
 چار تھا جسم کی جان جیسے جی جان ہو۔ مجھے تو کچھ
 بھی چھ نہیں لگ رہا تھا۔ میں ڈاکٹر کو کھلے کا منہ کس
 طرح بند کر سکتا تھا۔ میری بے فوہ تھی یہ وہ ناراض
 بھی ہو سکتا تھا۔ مجھے اس کی ضرورت تھی یاد اگر
 ساتھ نہ دیتا تو اس وقت ڈکڑے کی آمد تھی تا
 ممکن تھی۔ شاید وہ میری لودہ ماننے کے لیے دھر
 دھر کی باتیں کر رہا تھا مگر سے یہ معذور نہیں تھا کہ
 سننے والے کی آمد کی کے بغیر نہیں تھی بھی حصوں
 مگوں ہے اس سے پھر پاپ سنگا لپ لگتا تھا ماسے

کوئی کام نہیں ہے۔ میں ہاں کرتا رہا مگر
 نہ کھیں نہ کھیں کے بستر پر تکی ہوں تھیں۔ جاتے
 تھی اور نرگش اس سے پار پار پاپ سنگا اور
 جب پاپ سنگا کو راکھ جوئی تو اسے کچھ بے چینی
 ہوتی مزید تھ کووشی کے لیے وہ بیٹوں میں پر توجہ
 شوں رہا تھا سے جیسا آ، کہ دو تو چھٹے کمرے میں
 چھوڑا ہے مجھے بہت کئی دلا سے دے کے تھ وہ
 رخصت ہوا اور میں نے دانستہ عمل کے بارے میں
 اس کا قیاس جانتے سے اعتنا کیا کہ اس کے منہ
 سے بے سوچے کچھ بھی نکل سکتا ہے۔ میں نے
 اسے کمرے کے باہر تک رخصت کیا۔
 اس وقت ایک دن رہا تھا اس کے جاتے ہی
 نرس نے کے کمرے کی راکھی دیکھی تھی۔ نسل
 بالکل غافل تھا۔ اس کی راسوں کا وائر حصوں کے
 مطابق تھا۔ باقیات میں تین بار نرس آئی اور دو
 مرتبہ ڈاکٹر نے چہرہ لگایا۔ انیس میرے جاتے رہے
 سے کہ پریشانی جی جی رہا آئے وہ مجھے اس صحن
 سمجھاتے تھے جیسے میں توں کچھ ہوں یا کچھ ہوں
 معج ہونے سے کچھ پتہ نہ تھا نرس سے نسل کا
 معائنہ کر کے مجھ سے مشک نہ لگے میں کچھ دیر کر
 نکالے کو کچھ اور میرا ہاتھ پڑے مجھے کمری سے
 اٹھا دیا۔ پھر مجھ سے سنا نہ گیا۔
 میں بستر پہ آ کے بیٹ گیا اور اس وقت مجھے
 محسوس ہوا میرا راس ٹوٹ رہا ہے۔ اپنا تپانی
 مجھ سے نہیں سمجھ رہا۔ میں نے جان کے آنکھیں
 بند کیں کیں کہ کہیں کی مجھے نسل کو میری ضرورت۔
 پڑ جائے۔
 صبح تھ مجھے سے منہ ہاتھ دھو کے اور پیڑوں
 کی انگلیں درست کر کے میں تیار بیٹھا تھا نرس نے
 مجھے بتایا تھا کہ ڈاکٹر رائے وقت کا پڑا ہوا ہے
 ٹھیک آٹھ بجے پہنچا آ جاتا ہے۔ میرے پڑے
 خامے میلے ہو گئے تھے لیکن سامان ہوئی میں رکھا ہوا
 تھا اور وہاں جاتے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔

قریب اتمام نرس رات کی ڈیوٹی سے فارغ ہونے
 سے پہلے میرے لیے لگا ناشتا خود لائی گئی اور
 سامنے بھی رہی۔ اس نے اپنے ہاتھ سے توں پر
 لکھن لگے کے مجھے پیش کیا تو مجھے زبرد کر پڑا۔ وہ
 کمزوری تھی اور اس کے انداز میں ایسا شفقت آمیز
 حکم تھا کہ انکار نہ کرنا میں تھا میں نے چند
 گھنٹوں میں چائے بھی شکر کرنی نرس کا نام۔
 ایلی تھیں جلدیہ نام اس سے خود بنایا اور مجھے شرم نہ
 کیا۔ رات سے وہ متعدد بار کمرے میں پہنچی تھی اور
 میں نے نہ اپنا تعارف کرایا نہ اس کا نام پوچھا تھا۔
 اس نے نسل کی دیکھ بھال میں مستعد رہنے کے
 لیے مجھے اپنی حالت درست کرنے کی نصیحت کی۔ وہ
 ٹھیک ہی کہہ رہی تھی، اپنے آپ کو باہر سے رکھے
 بغیر میں مر بیٹھ، (نسل) کے کس کس کام آسکتا ہوں۔
 وہ مجھ سے اس طرح چٹنی آ رہی تھی جیسے ایک زمانے
 سے واقف ہو یا جیسے نسل کے بجائے میں تیار
 ہوں۔ کمرے کے کمرے ہیں کے وہ مجھے دعا کی سلام
 کرنے آئی اور نسل اور میرے لیے چند روٹی دے دیا
 چلے کر رخصت ہو گئی۔ پھر دروازے سے وہ نکلی
 اور کہے گی کہ اس کی جگہ دس بھر کے لیے اب نرس
 سیورین کی ڈیوٹی ہے۔ اس نے سیورین کو تاکید
 کر دی ہے کہ وہ اس کمرے کا خاص خیال رکھے۔
 کوئی بھی کام ہو، بے تحاش اس سے کہا جاسکتا ہے۔
 وہ ایک معاون لڑکی ہے۔
 نرس ایلی کو گئے ابھی چند منٹ ہوئے ہوں گے
 کہ مددی رکت، تنگے پیش لگاؤ مناسب قدر کی دہلی
 پہلی ایک با عروس تکی چھتکی کمرے میں آئی اس کے
 چہرے پر سب سے نمایاں اس کی بڑی آنکھیں
 تھیں۔ اس نے سجدہ لگے میں صبح بخیر کہا اور
 مشقی سے نسل کے بستر کی انگلیں درست کر کے
 اور چیزیں ترتیب سے رکھنے کی صوفے کے ساتھ
 داہلی کھڑکی کا پردہ بھی اس نے کھول دیا کمرہ دوش
 ہو گیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ ڈاکٹر رائے اب آ رہی

چاہتے ہیں میں بڑبڑا کے کمری سے نکل گیا۔
 سیورین نے وہ کمری بھی دیوار کے ساتھ لگا دی اور
 بس تیزی سے آئی تھی، اسی تیزی سے وہاں چلی
 گئی
 میں کمرے میں رہے قدموں ٹپٹپٹا رہا۔ ٹھیک لو
 بجے ڈکڑے دو دو ڈکڑوں کے ساتھ کمرے
 میں داخل ہوئے۔ کے پیچھے نرس سیورین بھی تھی اور
 اسٹروں کے مخصوص لباس میں ایک اور شخص بھی۔
 ڈکڑے رائے سے مجھے سرسری دیکھا، سر کی جنبش سے
 سدھ کا جو بے دیتا وہ کھل کے پک جا کے ٹھیک
 گیا۔ دوسرے سب سے نسل کا ہاتھ پھیرا۔
 لگی ہوئی رپورٹ دیکھ کے ڈاکٹر رائے نے نسل کا
 شانہ بلیا۔ اس سے پتہ چل گیا کہ کھیں کھیں۔ ڈکٹر
 سے جاب پوچھا تھا۔ نسل دیکھ کے کھ کے رہ
 گیا۔ اس پر صوفی کا شہ پھلے تھا۔ ڈاکٹر رائے کے
 اشارے پر ایک ڈکٹر نے نسل کی کلائی سے خون
 کھینچنے کے لیے سوئی پکڑت کر دی اور حاصل کیا ہو
 خون نگہبش میں ٹھیک کر دیا۔ اس سے خون کی پھر ایک
 در شیشی بھری۔ میں ان کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ ڈاکٹر
 رائے کو سپنے درمیان میری موجودی سے جاے کیا
 غفل پڑا تھا کہ اس سے مجھے دور ہونے پر ہیٹھ
 جانے کا حکم دیا۔ میں نے مجبوراً نسل کی۔ وہ
 سارے نسل کے گرد جمع رہے۔ میں اپنے آپ کو
 جکڑے ہوئے دور بیٹھا نہیں دیکھتا رہا۔ میں نے
 ان کی سرگوشیاں سننے کی کوشش کی لیکن کچھ بے فائدہ
 پڑا۔ مجھے تو چکڑے رہے تھے۔
 کچھ دیر میں ڈکٹر رائے میری طرف آ گیا اور
 مجھ سے گردش رات نسل کی کیفیت کے متعلق پوچھے
 لگا میری ڈاڑھ ڈول رہی تھی میں نے اسے بتایا
 کہ ساری رات وہ بے خبر رہا ہے۔ وہ ایک بار مجھے
 اس کی گراہ گاہن ہو اور میں نے نسل کے اس سے
 پوچھا اس نے آنکھیں کھولیں۔ دھر دھر
 دیکھا کیا۔ اس کی آنکھیں لکڑی اور چھتکی رہیں اور

وہ کچھ کہے بغیر مید میں ڈوب گیا۔
 ڈاکٹر نے سوچنا شروع کر دی ہوئی اور
 میں بولا۔ "ہم سے انہیں روک دینے کے لیے
 چاہیے گے۔ وہاں کچھ وراثت بھی ہے۔"
 آپ کیا سمجھتے ہیں، سر صاحب! میں
 سے ناہولی سے پوچھا۔
 "میسٹ کے تیار ہونے تک میں سے کچھ
 کہا جا سکتا ہے اور اگر رپورٹ سے میں اس
 ملک نکلتے ہیں۔"
 "یہ پورے نو سو سال میں صدی میں ہوتی ہے۔"
 بعض کے راج کو اس سے آج میں سے بن
 تمام میں دیر ہوتی ہے۔ اس کے لئے میں دیر
 چلک نہیں سکتی۔
 میں اس سے کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا لیکن
 میں نے خود پر جبر کیا۔
 "وہ دن میں صورتحال درست ہو جائے گی۔"
 مجھے تم سمجھنے کے وہ لمحے لگائے کہ میں بہت ہی
 امید رکھتی ہوں اور یہ نہیں سمجھتی کہ تم یہ کہہ رہے
 ہو۔"
 "اکثر صاحب! میں نے سمجھ کر اسے
 کہا۔ یہ مجھے ہڈی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ باقی
 چیزیں تو ٹھیک ہیں، چاہے وہ زیادہ
 ڈاکٹر سے میری بات قطع کر دی۔ تم اپنی
 کوشش کر رہے ہیں، یہ امکان بھر۔"
 "میں میں اپنے امکان سے سوچا سکتا ہوں
 اور میرے امکانات محدود نہیں ہیں۔"
 لیکن میرے اپنی جگہ ہیں اور اس کے لیے
 بددشت ہو سکتے ہیں اور پھر سے زیادہ
 اس کے لئے سبک دینے کی صاف ضرورت ہے۔
 اکثر صاحب! مجھے معلوم نہیں، آپ سے یہ
 کہنا مناسب ہے یا نہیں مگر اگر وہ اس سے بہتر
 کوئی صورت، کوئی درجہ اور تو مجھے بتائیے۔ اس
 شہر میں ہائیکورٹ اور کلکتہ، ممبئی، دہلی میں نہیں بھی

چا سکتے ہیں، ہندوستان سے باہر بھی۔"
 "اب اس کا وقت نہیں ہے اس سے پہلے
 شکریں ادا کرنے کے لیے میں اس کی حالت میں
 غار ادھر سے ادھر مقل کرتے ہیں۔" وہ کسی
 قدر بے اشتیاقی سے بولا۔ "بہر حال، تم جو چاہو۔"
 بعد کرتے ہوئے وہ داری پر جا رہے تھے، تمہاری
 ہوتی۔"
 میرا مطلب معلوم ہو گیا۔ میرا مقصد، میری
 سے اپنے تعلق کا کھار ہے۔ میری جان، میں جا۔
 ہوں، کسی کام کی نہیں سین ٹاوی چیریں اہمیت رکھتی
 ہیں اور بہت سے لوگ تو انہیں جان سے زیادہ ترجیح
 دیتے ہیں۔ میرے لیے میرا مرض مزاج سے
 زیادہ اہم ہے۔ آپ بڑے ڈاکٹر ہیں۔ آپ کے
 مشوروں کے بغیر میں وہی فیصلہ کرنے کی جرأت
 نہیں کر سکتا۔ اس وقت تو مجھ میں کی جتنی تک
 کی صوابیت ہی نہیں ہے۔ میرا حال کچھ نہیں
 ٹھیک ہے۔ میں ہاتھ جوڑتا ہوں آپ سے۔"
 "دیکھو تو بھائی! اب ہم پر پھوڑ دو جہاں
 جاؤ گے۔ جی بچھو دگا۔ کئی برسوں سے گزارے
 کوئی رات قائم کی جائے گی۔ اولاد بھی طلب کا
 ایک منظم طریقہ کار ہے۔"
 میں چپ ہو گیا۔ اتنی دیر میں فصل کا
 پھیرے ہوئے ڈاکٹر رات کے ماتحت اس کے
 پاس سے ہٹ چکے تھے۔ ڈاکٹر رات نے میرا ہاتھ
 چکر کے مجھے جوڑے اور اس کی کلینک کی اور کمرے
 سے چلا گیا۔
 میرا رخصت کر کے مری سہواریں کمرے
 میں رہیں، آگئی اور اس سے مجھے کھل کی
 جوں میں رہی، ہوں پھر میں تو میں لے کی تاکید
 کی۔ فصل کو انہیں رے کے لیے لے جائے۔
 فصل انہیں سے اسپتال کا رکھی لباس پہنا تھا۔
 میرے تو ہاتھ پاؤں ویسے ہی چھل دے تھے میں
 یہ کہتا تھا کہ اس کا کام خود کرے لیکن سچا مجھے

خیال آیا کہ شخص کی سب میں چلا بھی ہوگا اسے
 کرتے کے لیے جہاں نہ جگہ ملتی جگہ کی پیسے کی
 عادت ہے جو ملے، کوئی اور تھیں بھی اس کے
 پاس ہو سہواریں کو جلدی بھی مگر وہ اسے کوئی
 بھی۔ جیوں سے زیادہ ہو۔ والی ہیرا اس کی طرح
 میں آتی تھی اس دن ہم وہاں ہی میں مجھے
 جامہ ناٹ کا یہ اہمیت نہ کہ میرا ہی مودیتا ہے
 تھا میں نے تو تھی مگر پائے کی خوش طہری
 تو وہ خود اکمرے سے چلی گئی۔ فصل کے ہستر پہنچا
 کے اس کی جیوں میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے میں
 نے اسے آہستہ سے پکارا۔ اس کے ہونٹوں میں
 کھلا ہٹ ہوئی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔
 میں سے بے رحمی سے اسے بتا دیا کہ مجھے اس کی
 جیوں خالی کرنی ہیں۔ اس نے ہرے پر کرب کے
 آثار ہو رہا ہوتا۔ معلوم نہیں، اس سے مجھ تک کہ
 میں۔ سہواریں کی مئے وہاں آگئی۔ میں سے
 جلدی بلدی، ہرے کے پڑے ٹوں کے پچھ پاتو
 کاٹا ہوا۔ جاتو کرتے ہی جب ہی میں تھا۔ میں
 نے اب دھنک دی جب میں کھولا گیا اور گردن
 کے منہ میں کے ہڈی دیکھیں۔ ہڈی کی دونوں
 جیوں میں ٹوں کی وہ ہڈی میں۔ کوئی اور تھیں
 کسی جب میں نہیں تھا۔ چوں میں اور جیوں بھی
 میں میں کھنک ہائیات سے ٹوں کے علاوہ مجھے
 کچھ اور نہیں ملا۔ کرتے ہی سب میں جاتو کے ساتھ
 چند سکے بھی پڑے ہوئے تھے۔ سہواریں کو ہار گئے
 منٹ دوست ہوئے ہوں گے کہ وہاں آگئی اور اس
 نے مجھے کے پیسے بھی ہوئی داسکت نکال کے مجھے
 دی۔ اپنی ہوا میں مجھے اس داسکت نکال کی
 نہیں رہا تھا۔ مجھے تو یہ بھی دیکھیں تھا کہ رات کو
 وقت میں ایک یا دو سے یہ داسکت اتاری گئی۔
 حالانکہ میں تو رات بھر جاگتا ہی رہا تھا۔ مجھے
 صرف اتنا یاد تھا کہ اس سے پہلے والے کمرے میں
 ڈاکٹروں نے فصل کے جسم کا معائنہ کرتے ہوئے

داسکت کے دونوں پہن کھول دے تھے۔ اسپتال
 سے رخصت ہوتے ہوئے شاید کبھی مجھے داسکت
 کے بارے میں بتاتا بھول گئی۔
 سہواریں سے داسکت کے میں صونے پر
 "کی۔ اس کی مختلف جیوں میں بھی سب میں کی
 ہوا ہوا کے علاوہ خاصے سے تھے۔ پیسے کے پیسے کی
 ادھر ان جیوں میں ادھر ان میں سے بد تھیں۔ داسکت
 طرف ہی جب کا بن کھانے پر میری انگلی میں رہی
 ڈاکٹر کی۔ داری کا بند حصہ میں سے پہا ہو تھا۔
 اسے کچھ پر داسکت سے پیسے سے نفق پان کے ہونے
 کی شکل کی ٹھیکری عتاق کی تھیں ہر آمد ہوئی۔ تھیں
 کے کمرے ہوئے منہ پر ڈاکٹر سے گرہ لگی ہوئی تھی
 داسکت سے نہیں کھل سکتی تھی۔ اس احتیاط سے
 ظاہر تھا کہ داسکت کی جیوں میں موجود ہے۔ وہ میرے
 ہی ہو سکتے تھے۔ خوش ہے۔ مجھ بھی اندازہ ہوتا
 تھا۔ تھیں میں رولی بھری تھی۔ رولی کی تھیں میں
 پیر۔ پیسے ہو پیر کے چھوٹے پان کی شکل کی تھی
 ٹھوس نہیں ہوں تھیں اور تھیں کر پان۔ پیر میں
 کے ٹوں کا امکان رہا تھا۔ میں سے کبھی داری
 کھانے پر تھیں آزاد ہوئی۔ میں سے سے بلی
 داسکت کی جیوں میں ڈالیں۔
 ٹوں سہواریں کے پیسے پیچھے اسپتال کے دو
 کارکن بھی کمرے میں آگئے تھے۔ سہواریں نے مجھ
 سے پوچھا کہ کیا میں۔ جیوں کی بھی طرح
 تلاش کی لے لے۔ شیشا ہڈی کوڑی وجہ بھی ہو سکتی
 تھی کہ میرے افراد کے داسکت کو دہریں۔ دونوں
 کارکنوں نے اسپتال کا لٹری پہنا۔ کے لیے فصل
 کے کمرے میں پان ڈال دی۔ ٹوں سہواریں ہر چلی
 گئی۔ مجھ سے یہ سب ہو دیکھیں نہیں چاہتا تھا۔
 سہواریں کے پیچھے میں بھی، ہر کل۔ کارکن، فصل
 کا پیسے۔ ہنگ ہارے سے تو میں سے بھی
 کی ہیرو دی۔ اس کی راز مہنت بھی نہیں میری
 ناگہان کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھیں۔ وہ زیادہ

دور نہیں گئے سہتاں کی خاص عمارت میں دھن کے واسے قریب ہی اس کی سرنگھی تھیں سے مجھے دور سے پاروں دید۔ میں سے اس سے بہت کی کہ یہ پش کا کر تو نہیں سے۔ وہ کہنے لگے کہ جس کے کرے میں بھی میں نے یہ حاضر ہش کھس کا داغہ مسوا ہے۔ ناچار مجھے دہری رہنا پڑا۔ نکل کو در سے چائے امیوں سے دور رہ گئی بند کر یا۔

اپتار میں مریوں در اس کے متعقین کی تعداد اس وقت بھی خاص تھی۔ مجھ سے ٹیک طرح بنے چروں پر کھڑا بھی نہیں ہوا چارہ تھا۔ وہیں دیوار کے پاس تھی ہوئی کریوں میں یک کرسی خالی ہوئی تو میں سے جدی سے اس پر فطر کر یا۔ چھوہر کے سپہ میں یہ کھیں بند کر پنا چاہتا تھا لیکن مجھے پتا نہ چلتا تھا کہ وہاں میں چائے پائے ہوئے تھے مجھے سب کیا کرنا چاہیے میں ار کیا کر سکتا ہوں؟ مہری سادہات میں در کیا ہے؟ مجھ سے کون کوتاہی تو نہیں ہو رہی چاہے ڈنر کیا فیصد صادر کرے۔ اب سب چھ سی پے۔ ام دونوں سی کے قسے میں ہیں۔ گراس سے یہ وہ در کے کوکہ میں اکیلا تو چکل ہو جاؤں گا۔ ایک بہتر ہے کہ مجھے کسی کو ہالینا چاہیے۔ اچان کو تاروں یا جو کو مطلع کروں یا زریں کو جانوں۔ جیسے ہی تار سے گا وہ بھی گاڑی سے آ جائے گی۔ شخص کی کچھ داشت وہی کر سکتی ہے۔ اس کے نے سے مجھے بھی آسرا ہو جائے گا۔ اس میں وہ بردشت در خود ہے۔ ڈاکٹر ورے جس کی تعلیم مجھے دے رہا تھا۔ شخص بھی دریں کو پاس ریج کے بہت مطمئن ہوگا۔ ابھی تیار رہی علاج میں کار کر ہوتے ہیں میرا نو چھ ٹیک نہیں ہے۔ میں یوں بھی یک ناکارہ آدمی ہوں۔ ایسے وقت میرے خواں تو منتشر ہو جاتے ہیں۔ مجھے کچھ دکھائی سمجھائی نہیں دیتا۔ میں اکیلا کوئی بھی غلہ قدم اٹھ سکتا

ہوں۔ آدھ کھنا گزرا یا اس سے رواہ اس ر۔ کے کرے کا دروارہ جسے کے نظار میں میں نے تھیں پتھر اب گئی تھیں۔ دروارہ کھلا تو چند قدموں کا صدمہ میں۔ بھگ کے ٹپا۔ ابھی وہ با۔ نہیں لگے تھے کہ میں۔ اٹھڑی ہوئی سانوں۔ پوچھا۔ "یہ ہے سب ٹیک تو بہتا"

اپتار کا کارندہ سکرانے لگا اور ہم در اس میں پور۔ ابھی کیا ہوئی بسا صاحب اجہر رکھو۔ پہلے رپورٹ بنے کا پھر ڈانر، کچے گا۔ وہ ٹیک سے بتائے گا۔ اس نے مجھے سامنے سے ہٹ جا سے کو کہا۔

وہ ٹھل کو دیکھ کر سے میں نے اسے اور پٹھ دان جگہ پر لو ہے کا چنگ ٹیک کے دو جا۔ کتے میں سے جب سے پند لوٹ نکال کے ان کی در در۔ چاہے۔ وہ تو اپنے ٹھہرنے جیسے میرے ہاتھ تر ہوٹ نہ ہوں، بچھو ہوں۔ دونوں سے ادر کر دیں۔ میرے اسرار پر سبے لگے، ہاں جب مریض صحت مند ہو کے یہاں سے رخت ۱۰۰

منضال کھانا مت ہو ہے گا۔ نکل کے قسم پر چارو تھی ہوئی تھی اور پھر کھو ہوا تھا۔ چائے انہوں سے کوئی وہاڑی تھی کہ۔ اب تک بے خود رہا ہوا تھا۔ میں کرسی چاک کے اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ ایسے میں سیورین آئی۔ کچھ فرخت میں نظر آئی تھی۔ میرے قریب ہی جنہ مٹی اور شنگی سے ہوئی۔ "سسرانکی تیار ہی تھی۔ آپ رات بھر ایک جلی کے لیے نہیں سو پائے ہیں بہتر ہوگا اب آپ آرام کریں۔ میں یہاں دو ہوں۔ ڈاکٹر رائے نے میری ذیولی صرف ات کرے تک محدود کر دی ہے۔"

"آپ کی کچھ بات ہوئی ڈاکٹر صاحب سے؟" میں نے اضطرابی آواز میں پوچھا۔ "کیسے تھے؟"

"انہوں سے مسلسل مریض پر نگاہ رکھنے کی ہدایت کی ہے۔" آپ کیا کہتی ہیں؟ "میں صرف ایک رکت ہوں۔" وہ اٹھار سے پو۔

"ہاں" میں نے یوں سے کہا "مگر آپ کا تجربہ بھی ہوگا"

"میرا کیا تجربہ؟" وہ شرمیلی اور کہے گی۔ "ڈاکٹر رائے مریض کے معالج ہیں۔ وہ ایک تجربہ کار اور پاکمال ڈاکٹر ہیں۔ دور دور سے بیمار انکی دکھانے آتے ہیں۔"

"مگر یہاں۔" میں نے ابھی زہاں سے کہا۔ "آپ کو انہوں سے مستحق یہاں نہیں کیا ہے تو کوئی کوئی بات تو ضرور۔" میری آواز لگے میں رنجہ تھی۔

"نہیں سیں، ایسا مت سوچئے۔" اس نے پ شدت تردید کی۔ "ایں کمروں میں مستقل طور پر زمیں مقرر کر دی جاتی ہیں اگر مریض اور اس کے چ مان حال درخواست کریں۔ کیا آپ نے ڈاکٹر رائے سے خصوصی نگہ داری کی درخواست کی تھی؟" "جی، جی ہاں۔" مجھے اس کی صراحت سے حمانیت ہوئی۔ "میں نے کئی بار ان سے یہ التجا کی ہے۔"

سیورین کے چہرے سے بھی ٹھکر دور ہوا۔ "آپ کہاں سے آئے ہیں۔" اس نے سادگی سے پوچھا۔

"کلیش آباد سے۔" میں نے مختصر اسے اکبر پور کے انیش کے حادثے کے بارے میں بتایا۔

"یہ آپ کے کون ہیں؟" مجھے اس سوال کی توقع تھی۔ میں نے کسی توقف کے بغیر کہا۔ "یہ میرے بھائی ہیں۔" اس کے چہرے پر چمک سی پیدا ہوئی۔ "اوں اور آپ اس سے بہت قریب ہیں۔" وہ پیش بچکا کے ہوئی۔

میری آنکھیں جھلے لگیں۔ "میں نے بہ مشکل اپنے سوچیدہ کیے۔"

بھائیوں میں بس بیگانگت دیکھ کے خوشی ہوت ہے۔ میری دعا ہے، خدا آپ کے بھائی کو جلد صحت شہ کرے۔" اس کے لہجے میں کون مناوت نہیں تھی۔

رکس کی سچ کہہ رہی تھی۔ سیورین ایک شہید، شہید اور غم گسار لڑکی گی۔ وہ رکت تو معلوم ہی نہیں ہوتی تھی۔ خوش صورتوں پر خوشی میری متزاو حوہ ہے۔ اس کی انگریزی کوئی میں غلاست، سلاست اور روانی تھی۔ دیکھ کر تو میں کھام کرنے کے باوجود ڈانر لگتی تھی، کہنے لگی۔ "آپ کو تنہائی کی ضرورت ہے تو میں کمرے کے دہرے ہاں میں بیٹھ جاتی ہوں۔ آپ یہاں آرام کیجئے۔"

جسٹس فیصلہ کن سلسلہ

صدیوں کا ایسا

مصنف: ایم۔ اے۔ راحت

35 سال

اس کتاب کی پہلی جلدیں فروخت ہو چکی ہیں

اور علی ایضاً آج بھی کتب خانوں میں موجود ہے

تجارتی سیٹ 330 روپے

مشق فیروز خان لکھنؤ کے محاسن لکھے

مستطیبات پہلی جلد

فون: 021-8304300

پتہ: 33

کلی: 74300

© 2000

کے سوٹ کیس کے حیدر خانے میں چھپا ہوا اسپتال میں چاقو سے زخمی رہا میر سردار کی لگائی گئی تھی۔
 سے سوٹ کیس میں رکھتے رکھتے وہ گیا اور کسی نامعلوم آدمی نے اسے مرنے کی جیب میں ڈال دیا۔
 گھنٹی بجنے پر خدمت گار پھر حاضر ہو گیا۔ میرے کپڑے اس کے نوٹے کر کے تیر قدموں سے میں سے کاؤنٹر کا رخ کیا۔ کاسٹر کے وہ میں صوب گھڑی میں سہارے گیارہ بج رہے تھے۔ گویا کچھ ہوئی میں آئے قریب آدھ گھنٹہ گزرا تھا۔
 کاؤنٹر پر قیامت نوجوان نے فزور چیشاں سے میرا استقبال کیا۔ ہوئی سے نکلتے تھے مجھے خوب یاد کیوں نہ لگوں کی گڈیاں منبر کے پاس جمع کر دوں۔ وہ دسے درمیں معلوم ہوتا ہے۔ کوئی ایک دسک دست ہوئی تو بعد میں دیکھ لیں گے۔ والہیں کاؤنٹر پر آکے میں سے نوجوان سے مشورہ کیا۔ وہ مجھے دوا دینے منبر کے پاس لے گیا۔ میں ہزار روپے کی رقم دیکھ کے منبر کے پاس پہنچا۔ میرے اسرار پر ایک دیکھ کے بعد آمادہ ہوا اور غراہی کو بک کر کے رقم ماننے معلوم کرنے کا حکم دیا۔ وہ تارہ نوٹوں کی گڈیاں نکلیں۔ غراہی سے وہ باروٹ گئے۔ مجھے انداز لگ گیا تھا کہ اس کام میں چند روپے میں صرف ہو جائیں گے۔ خرابی بہت محتاط تھا۔ رسید لکھتے وقت بھی اس نے بڑی دیر اور بڑی کی۔ فیصل آباد کا پور پنا گئے اور میرا وقت گزرا۔
 باہر تانگے اور میرا منتظر تھا۔ بیوروں سے کمرے میں ڈاکٹری آدھ کا وقت یک بجے بتایا تھا۔ بھی سو گھنٹہ پاتی تھا۔ تانگے سے میرے مجھے پچھ فاصعے پر واقع ڈاک خانے پہنچا دیا۔ یہاں سے تار بھی دے جاسکتے تھے۔ ڈاک خانے میں ابھی خاصی بھیڑ تھی۔ تار فارم حاصل کر کے پہلے میں نے باجیاں جو موادر زریں کو شخص کی چوڑی کا حال لکھا۔ اب جان کو تار لکھتے ہوئے مجھے کیا لاش پڑا۔ وہ بھی تو ڈاکٹر ہے بلکہ اس ن سبب رہا بھی ڈاکٹر

ہے گویا ڈاکٹر کی لگائی گئی تھی۔ مگر کیا لاش ہو۔ قاعدہ اسپتال میں سے۔ میں اسے کیوں نہ یہاں بلانوں میرا تار پڑے ہی چل پڑے گا۔ میں بہت اور سے لیں وہ پڑے تو ڈیڑھ دن میں یہاں پہنچ سکتا ہے۔ اس کے آجانے سے مجھے بڑی آسانی ہو جائے گی۔ پھر میں نے تیوں کا فارم لکھ کر دیا۔
 چوڑی کی اطلاع سن کے بھی پریشان ہو جائیں گے۔ جب تک ڈاکٹر اسے کسی جتنے تک پہنچے۔ مجھے مل کرنا چاہیے۔ جاسو کو تار نکلتے سے نکل کر آگیا اور جاے اس کے ساتھ اسے کانون کون آدمی آجائے۔ تار نکلتے کے بعد بات نہیں کہیں رہے گی۔ کوئی لگائی نہیں رہے۔ نکلتے میں شعل کے بہت دور ہیں، وہ نہیں دیکھیں گے۔ اسپتال میں ان دن آدھ سے بڑے دنک پہنچ گئی ہے۔ دھریس آباد میں روپے کا بھی ایک جال ہوگا۔ وہ بھی وہاں نہیں ہے۔ ن اور اب جان تھے ہی پنے آسودگی کے معاملات میں گھرے ہوئے، شعل کان کے زرا بھی درمیں لگائیں گے۔
 بھی حمل سے پانچے بغیر کسی کو بھی اس کی عزت کے بارے میں کچھ نہیں لگنا چاہیے۔ مگر جاسو کو پنے میں اپنی موجودگی کا ردیا ضروری تھا۔ پنے میں آپد میں پولیس امرور، تو نہیں کرے آیا تھا کہ وہ جہاں بھی ہوگا پولیس کی طلبی پر ایک دوا میں فیصل آباد پہنچ جائے گا اور یہ اس صورت میں ممکن تھا کہ جاسو کو سسر میں دھارے لگائوں سے بھی ہوتی رہے۔ پولیس سے ہمیں فیصل آباد سے لگ دیا تھا اور کوئی شرط بھی عاید نہیں کی تھی کیوں اس کے اطوار سے جاہر تھا کہ ان کے دل ہماری طرف سے صاف نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ فیصل آباد سے ۱۲۷ سے چلے چلے کے بعد وہ دیکھا چلتے ہوئے کہ ہمارے رابطہ کیوں کہیں ہیں۔ لکھن آباد اسٹیشن کے دینگ روہم میں ایک شخص ہماری کمرانی پر، موویا گیا تھا۔ معلوم نہیں

۱۲۷۲ سے اسے تھ گڈی میں بھی سوار ہوا تھا یا نہیں۔ انہوں نے بھی اور شخص کو ہمارے عاقب کی ہے۔ داری واپسی لکھن آباد اسٹیشن پر نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ ہمیں نگاہ میں رکھنے والا بھی بہت متاثر ہونے والوں میں شامل ہو سکتا ہے۔ میں نے پھر صرف دو مختصر فارم لکھے۔ ایک جاسو کے نام اور سارا دریں کے۔ دلوں کا مضمون ایک تھا کہ ہم پنے کے گراڈر ہوئی میں مقیم ہیں اور تار اطلاع دانی سبب ہیں گے۔
 تار کی کھڑی پر قہار لگی ہوئی تھی۔ تار کا مطلب ہے۔ جلد سے جلد اطلاع کی ترسیل۔ ہر ایک کو ملنے لگی اور مجھے ان سب سے زیادہ کھڑکی کے پار کوئی ست درمیں پہنچا ہوا تھا۔ وہ ایک ایک لفظ بار بار اس کے منہ سے نکلتا تھا۔ پھر پنے وصول کرتا تھا۔ اسپتال واپسی کا وقت تک ہو، چارہ تھا۔ میں تار دے بغیر واپسی کا قصد کر لیا تھا کہ سوچا، پست ماسٹر سے بات کر کے دیکھوں۔ شاید کوئی بجلا آدمی ہو۔ اس کے کمرے میں داخل ہو کے میں نے اپنی غلطی اور اس کی وجہ سے مرزا بیاں کی۔ میں نے کہا کہ میں تارہ روہم اور ملوہ روہم اس کے پاس پہنچا دے جاتا ہوں۔ وہ ایک اچھا۔ اتنی میری کرے کہ میرے یہ تار وہاں نہ کر دے۔ میں نے اس روپے کا نوٹ ایک کے سامنے رکھ دیا۔ اس کے ماتھے پر شکلیں پڑیں لکھن آباد اس دوران اس سے تار کا مضمون پڑھ لیا تھا۔ ہوئی کا نام دیکھ کے اس کی آنکھیں چوڑی ہوئیں۔ اس سے سر اٹھا کے مجھے گھور کے دیکھا اور ہوا۔ "مگر یہ پنے تو زیادہ ہیں۔" میں نے کہا کہ دو دن تار ار حث کر دینے چاہیں۔ میں کل برسوں آکے رسید اور پانی پیسے لے جاؤں گا۔ وہ کچھ کہتا جاتا تھا۔ اس کا شکر یہ ادا کرتا ہوا کمرے سے نکلتا تھا۔
 ابھی میں ڈاک خانے کی عزت میں تھا کہ میرے رنگ کے کرتے اور سید پڑے میں

میں ایک نوجوان نے پیچھے سے باوجود صوب۔ "ہم کے آدھ دی۔ میں نے کچھ کے در پینٹ کے دیکھا۔ وہ ایک کے میرے سامنے آگیا اور اس نے ایک تار فارم میری طرف بڑھا دیا، وہ جڑی سے ہوا۔ "اب بھی ایک تار بھرو جو باوجود صوب، میری مانتا ہے۔" کہتے کہتے اس کی دوا بھرا گئی۔ میں اپنی مندری کا کٹھن کرنا پڑتا تھا کہ پہلو سے ایک روبرو اسی تلاش کا ایک اور نوجوان تار فارم ہاتھ میں ہراتے ہوئے آمو جو ہو۔ اس کا بھہرے دے نوجوان سے یجست آمیز تھا۔ وہ تو تقریباً مجھ سے چٹ گیا تھا اور پنے دالے نوجوان سے سہقت لے جانے پر مل ہوا تھا۔ یہ دیکھ کے پنے دالے نے میرا بازو پکڑ لیا۔ دلوں اس طرح نہیں کرنے لگے جیسے جیک مانگ رہے ہوں۔ وہ مجھے کوئی عذر پیش کرے، یہاں تک کہ فارم میرے کی سہت بھی نہیں دے رہے تھے۔ میں بھی کچھ لکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ فارم بھروانے کے لیے اتنی مست مانت کی کیا ضرورت ہے، ڈاک خانے میں اور بہت سے پڑے تھے لکھے لوگ موجود ہوں گے۔ پکا یک مجھے پنے دائیں طرف، ٹانگ میں پہن محسوس ہوئی۔ دوسرے کمرے میں پھل پڑے۔ دوسرے نوجوان چابک دستی سے میری جیب سے کچھ نکالنے میں کام یاب ہو گیا تھا۔ وہ تو جیب میں اس کے ہاتھ ڈالنے پر تھ میں پڑے ہوئے چاقو کی حرکت کی وجہ سے مجھے احساس ہو گیا ورنہ خبر بھی نہ ہوتی۔ میرا ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ جاتا کہ ادھر پہنچے اے نوجوان کی عاجزی میں شدت آگئی۔ ہاتھ اس کی د فریاد اور بازو جکڑنے کے سبب سے میری توجہ منتشر ہوئی۔ کچھ میری حواس پاشی۔ اس دشمن دوسرے نوجوان نے عزت کے درد نے کی طرف تقریباً جست لگائی۔ میں نے دیکھا یا تھا کہ اس کے ہاتھ میں کوئی چیز نہ ہوں ہے۔ اب سب ہاتھ دین میں صاف ہو گیا تھا۔ پنے دالے نوجوان کو دھکا دے

کے میں نے خود سے دور کیا اور دو واڑے کی جانب دوڑ لگا لی۔ دوسرا عمارت سے نکل کے دائیں طرف مڑ گیا تھا۔ میں نے پوری قوت سے اس کا پیچھا کیا۔ کاش میں اس پر جھٹ بچ کے قاتل مجبور دیتا وہ بے تحاشا ہوتا تو ہتھیار لگی میں مڑ گیا اور اس سے پہلے کہ میں اس کے سر پر پہنچوں، اسے جیب سے چاقو نکالنے اور بائیں زون میں کھولنے کا موقع مل گیا۔ میرا مانع اسٹ گیا تھا میں اندھا ہو گیا تھا۔ مجھے فی الفور روک دیا۔ وہ اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس کی ہتھیار سے خوف کھانے لگا۔ میں نے اس کی ہتھیار سے روک دیا اور پھر گیا۔ وہ چاقو کھانا رہا۔ آہستہ قدموں سے میں نے اس کے قریب ہونا شروع کیا۔ مجھے نہتا اپنی جانب بڑھتا دیکھ کے اسے ہراساں نہیں تو متوش ہو جاتا ہے تھا۔ وہ اپکا تھا، ایک طرف میں اس کا تھپہ ہو گیا تھا کہ چاقو اس کی بہت کس قدر ہے اور وہ کتنی بڑھتا ہے۔ ہلکا ہوا اپنی جانب میری پیش قدمی سے میری رانی طور پر وہ پیچھے ہٹا۔ کئی میں اتنی کوشش نہیں تھی۔ پہنچا پہنچا پاس چاقو کی موجودی سے ہتھری کا کوئی احساس اس پر غالب ہوا۔ وہ ہچکچاہٹ دیتا ہوا میری طرف بڑھا۔ مجھے معلوم تھا وہ چاقو مارنے کے بجائے مجھے خوف زدہ کرے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے ایک قدم بڑھ کے فاصلہ دور کر لیا۔ چاقو والا ہاتھ بڑھانے میں اس کا نال ورتو لازم تھا۔ میں اس کے خاص قریب ہو چکا تھا اور سے میرے دماغی قوان پر شبہ ہونا چاہیے تھا۔ اسکی صورت میں تھپاؤ کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔ اس سے سمجھنے ہوئے ہمارے چاقو بڑھایا۔ میں تیزی سے دائیں پیہو ہوا پھر دائیں میں چار بار اس عمل کی تکرار سے سے متذہب کرنا مقصود تھا۔ وہ بھی اس طرف ہاتھ بڑھتا ہی اس طرف۔ میں سے سے مزید آزمائش سے دوچار نہیں کیا، ایک بار مجھے دائیں طرف ہونا دیکھ کے اس سے کی جانب ہاتھ بڑھا۔

تھ کہ میں ایک دم چپ ہو گیا اور اسی لمحے اٹھ کر اس سے پتو والے ہاتھ کی کلائی میرے پتے میں تھی۔ یہ حرکت میں سے پتے میں کی حد اختیار کیا تھا اور نتیجہ چھپائی کا تھا ساتھ ہی میں سے دوسرے ہاتھ سے اس کے پیچ پر سے لگائی۔ وہ بہت زور سے چیخا اور ہٹا۔ لگا۔ چاقو اس کی انگلیوں کی گرفت میں قائم رہا۔ اسے پھر میں نے پھیلنے کی حرکت نہیں دی اس کی گردوں اور سینوں پر بے در پے صدمہ میں لگا میں۔ وہ براہو کیا اور دھمکامو کے پیٹ پکڑے وہیں ڈھیر ہو گیا۔ وہ اب حراحت کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ میں نے اس کی سے اس کے کرتے کی جیب سے ہاتھ نکال لیا۔ میری جیب میں کھلے روپے بھی تھے وہ بھی میرے ہاتھ میں آ گئے۔ میرا زون چاقو جیب کی تھپ میں پڑا ہوا تھا اس سے انگلیاں چاقو سمیت ہتھیار لگیں اور اسے میری جیب میں چاقو ہونے کا شہس بھی ہوگا۔ اس سے ہنسنے میں نہ ہمت ہی لگے ہوں گے۔ ہمیں چاروں زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ۔ اس دوران ان کی میں کئی راہ گیر مچا ہو چکے تھے۔ جیب سے کی ہتھیاروں اور کراہوں سے آہستہ آہستہ کے مکانات کے دروازوں کی آڑ اور کھڑکیوں سے عورتیں اور بچے بھی نکلتے گئے تھے اور شور مچاتے لگے تھا۔ کوئی راہ گیر قریب نہیں آیا۔ انہوں نے درمیان میں پڑا چاقو پھینک دیا تھا۔ میں سے شکستہ حال ہو جاؤں گا چاقو میں سے سبکی اٹھایا۔ اس سے ہنسنے میں کو ساری وجہ مرکوز رہی گی سین میں اس کے دوسرے ساگی سے بھی غائل نہیں رہا تھا۔ ڈاک خنہ میں تار فاسم نے کمرے کے پتے مجھ سے اٹھا کر۔ اٹھا ہوا کھس پھینکا اس کا ساگی تھا۔ جیب کھترے مودا تھپ میں ہوتے ہی ہوا۔ میں جلد سے جلدگی سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ابھی میں مڑے مڑے ہوئے ہو جاؤں تو ٹھکر مار کے پلٹ ہی تھا کہ ایک حائے کی مڑک

سے دو آدمی دیوار اور کچی میں کودا ہوئے۔ دونوں ہنستے تھے کچی میں داخل ہوئے ہی انہوں نے مجھے آگے دھککا دھکک کے رے گئے راہ گیر اور قاتلانی میں کھتا شور اور چو فاصلے پر اپنے ساگی کے حال سے مارا مارا انہیں کچھ جانا چاہیے تھا۔ سامنے کھلا چاقو بھی پڑا ہوا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ایک ہاتھ جھون میں ہاتھ ڈال کے چاقو نکال لیے اور دیکھ گاتے ہوئے بھاگ کر فرار کر دیا۔ میں ایک کی وینج کر رہا تھا۔ وہ دو تھے۔ اس کی آمد میں اتنی دیر کی کوئی بھی وجہ ہو سکتی تھی۔ یا انہیں اپنے ساگی کے فرار کی سمت کا علم نہیں تھا۔ پھر تیسرے ساگی کو اٹھانے دیے در اسے ساتھ لانے میں کچھ وقت صرف ہوا۔ میرے لیے مقرر کی ایک بھی صورت تھی کہ سبک چ جانے کے بجائے میں کچی میں قاتل مت بھی مٹے ہوں مگر گئے گلی کے طول عرض کا بھی مجھے دن علم نہیں تھا۔ مجھے اب وحشت ہو رہی تھی۔ مجھے فوجی چال پہنچا ہے۔ وقت تیزی سے زور پا رہا ہے اور مجھے اس طرح جانے نہیں رہے گے۔ ایک فی صورت تھی کہ میں اس سے بات کرنے کی ایک کوشش کروں۔ وہاں جاؤں تو ٹھیک ہے۔ میں سزا اس کے حوالے کروں گا پھر ان سے نہ پھر۔ انہوں نے مجھے روکا ہو جاوے گا مودع نہیں دے گا چاقو برائے، چیخ پکار کرتے ہوئے میری طرف بڑھ چکے تھے۔ ان میں ایک تیس سال کے قریب تھا، دوسرے کی عمر میں بائیس سال ہوگی۔ یہ وہی نوجوان تھا جس نے ڈاک خانے میں مجھے پھیلے روکا تھا۔ میں اپنی حد پھر گیا اور میں نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے اور ماند آوار سے کہا "بھیرو دھیرو، میری بات سنو۔" میری صدا کا ان پر پورا اثر ہوا۔ وہ پھر کھلے تو میں سے مخاطب نہ کیجے میں کہ۔ "میری بات دھیاں سے سن لو۔ میں ہراؤں گا نہیں۔ میں تمہارے شہر میں ابھی ہوں میرا ایک عربی ہسپتال

میں ہے۔ مجھے جلد اس کے پاس پہنچنا ہے۔ تم لوگوں سے میری کوئی شکی نہیں ہے۔ تمہارے ساگی نے مجھ سے روٹی کی بھی اسی پتے مجھ سے کے پیچے ہو کر پڑا، اس سے چاقو نکال دیا۔ مجھے سے بتانا پڑا کہ کچی ایک جیسے ہیں ہوتے جھپڑ بے ای ساگی نہیں رکھ جاتا۔ کوئی وردقت ہوتا تو میں سمجھیں تھی۔ یہ بیہوش میں سے تم سے کہا ہے۔ میرے پاس اکت نہیں ہے۔ اپنی مجبوری کی وجہ سے وہ سزا میں تمہارے حوالے کر دوں گا جو تمہارے ساگی سے میری جیب سے نکلا تھا۔ تم لوگ میرے راجتے سے ہٹ جاؤ، کچھ عرصہ مت بھٹنا۔ تم ایک ساگی کو کچھ رہے ہو۔ چاقو کا کھس اچھا نہیں ہوتا۔ کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور یہ کوئی چھپ بات نہیں ہوں۔ تمہیں چپا چپا ہے۔ وہ میں نہیں دیکھتا ہوں۔ مجھے ہو۔ ابواب در۔

یہ وہ ای کا بڑھ کر ہے۔" جواب میں زیادہ عمر کے آدمی نے اپنے ساگی کو دیکھتے ہوئے قوت سے کہا۔ اس نے چاقو ہوا میں اچھلا اور مہارت سے اسے اچک لیا۔ ہوا نکالنے کے لیے میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تھا کہ وہ تیزی سے میری طرف چھٹا۔ میں ہوا نکال چکا تھا لیکن اس کے تیور دیکھ نہیں تھے۔ ہٹے ہی سے وہ ایک شور و پشت آدمی دکھائی دیتا تھا۔ ہرے کی جلد کھری، چھوٹی چھوٹی سبکیں مدر کو دھنسی ہوئی ٹنگ پیشانی، نکل میں چپکتے دھ ورتھ میں ڈنگ لگی ہوئی، داخوں پر پاؤں کی تھپ، ڈنگ، ہونٹ اور دائیں طرف کے گال پر چاقو کے نشانات اور ہوا قد کھنچ ہو حو، بکیر، الی سو کچھ۔ اپنا ہاتھ کھلے کے لیے مجھے ہوا دوبارہ جیب میں ڈالا پڑا۔ دونوں مجھ سے چندلٹ کے فاصلے پر آ کے رک گئے اور ہاتھ پھیلائے، جسم دکھاتے پھر کاتے ہوئے دار کرنے کا اشارہ دیتے رہے۔ "ہم کا، کا کچھ ہو ہوا" ہم، تم کا کھیک کھیک دکھائی پڑت ہے؟ زیادہ عمر

و لے لے دھکارے والے، عداوتیں کیا
میرے منہ پہ آیا، کہوں کے چوری سے اچھی
بھیک ہوں سے میں خاموش رہا۔ بھت میں وقت
اور صبح ہوتا۔ بڑے کی چاقو پر دست رس معلوم
ہوئی تھی چھوٹا موٹو نظر رہا تھا۔ میں سے بڑی
"وڑھیلی" رہی۔ "پھر تم کیا چاہتے ہو؟"
تم ہر منی (آدھی) پکے کا سے ہاتھ اٹھائے؟
اس کو دہل ہو پلا "وڑھیل" سے ہوا۔
"اور اس سے ہاتھ نہیں کیا؟" اس کی ڈھانچہ پر
میرا سر جھٹکے گا۔

"میں ٹھوکر ہے مید استاد راج کرت ہیں۔
دوسرا کوئی حکم نامہ ہے۔ ہم تم کا تائے دے کہ
جولس سر مید استاد کا آدمی پہ ہاتھ اٹھائے تو سمجھو
وہ اس دھڑی پٹائی رہے۔"
"دیکھو استاد" میں۔ جھڑی ہوں آوار میں
کہا۔ ایسا ہے تو میں بھر جاؤں گا۔ تم سے وہرہ
ہے۔ مجھے اس وقت چاہے دو۔ میں تمہارے
مید استاد کے پاس بھی جاؤں گا۔ مجھ سے اس
وقت مت الجھو مجھے کہیں نہیں۔"

"ہم سارا سمجھت ہیں۔ تم کا اوکا پتہ رکھوں
بڑت ہیں ہم اتم کا یہ نہیں چھوڑ دیں۔ ابھی
سبک پڑھائے دیت ہیں۔" میری خاموشی پر وہ
زہریلی اور میں ہوا۔ "تم کا چپ کا ہے کچھ ہے؟"
"تم مجھے دلی نہیں لگتے۔" میں نے غصے سے
کہا۔ اس کے چہرے پر کئی نقش تھے۔ جی میں آتا
تھا رمدی بھر پارہ چا سوا۔ کوئی نقش میں بھی شبہ
گردوں۔ "تیرے کی طرف بھی منہ نہ کر پائے
"میں تم سول آنا ٹھیک سمجھت ہو۔ ہم اپنا مید

استاد کا سر یک پا لٹو ہے۔ سمجھا کہ نہیں۔ اس کا ٹانہ
پٹی گردن میں ہے۔ "وہ جو منہ میں ہے، بکتر دم۔
کوئی بات ہے کہ وہ رگڑ گھڑے ترش ہیں کی
طرف وہ دھاب نظروں سے دیکھتا جیسے انہیں کچھ
جنا نا چاہتا ہو۔ لوگوں کو تعدا داتی رہا دیکھ بھی نہیں

اس پر سنا چھو ہوا تھا مجھے احساس ہوا تھا
کہ میری ہر استدعا ہے اثر رہے گی۔ اس سے اپنے
چھکار نہیں لے گا میں مجھے پھیل کر نے صبر رہا۔
نہیں تھی۔ میری خاموشی سے بڑی مردانے کا
اضطراب اور گھبراہٹ کیا۔ اس سے اپنے کم عمر ساجھی کو
کون اٹھا لکھا اور پچھلی آوار میں بولا۔ "ابھی تم کا
گھا پڑائے کے استاد کا دربار میں بے جلت
ہیں۔ اس کے آگے ہاتھ رگڑنا اور دیکھنا بھی دینا۔"
دووں سے ہاتھ پھیلائے دو قدم بڑھ کے
فاصلہ اور کم کیا۔

میں نے اپنی جگہ سے جھٹک نہیں کی۔ وہ مجھ سے
اور قریب ہو گئے۔ بڑی مردانہ چاقو بھی اس ہاتھ
سے لپٹا بھی اس ہاتھ میں۔ مخالف پر اپنی ہنرمندی
کی دھاک اٹھائے کے لیے یہ ایک عام اور موٹو
شیو کا اظہار ہے۔ اصل میں ایسا ہاتھ سے دوسرے
ہاتھ تک چاقو جھٹکنے میں ہاتھوں کے درمیان وصل
اور پھرتی پر بہت کچھ منحصر ہے۔ سناٹا صلہ اور کسی
پھرتی۔ پھرن سے مراد کھار کی تیزی و تیز رفتاری
ہے۔ بعض مشتاق کا ایک ہاتھ چاقو پھٹکے ہے تو دوسرا
ہاتھ بے اختیار اس سمت اٹھتا ہے اور نگاہ کا عمل
میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ ہاتھ شیش بن جاتا
ہیں مگر صرف ایک ہنرمندی ہیں۔ یہ کوئی داؤ نہیں۔
ایک طرف کی باری تری ہے۔ چاقو پر گرفت ایک
خون سے دوسری خوبی چاقو اور نگاہ، چاقو اور مات،
چاقو اور بل کا ٹال میل یا تو اس ہے۔ موقع میں کے
مستار سے مہارت آزمائی جاتی ہے۔ ضرورت پر
محطہ دو محطہ پہلے ہی سر ملے پڑے جو ہر حیاں
کسی کر دے جاتے۔ عمل نہایت کی بھی مات رہا
ہے۔ اس کا مینا ہے نہایت کا بھی بڑا دل ہوتا ہے۔
کہتا ہے، چاقو بھی اٹھنا چاہیے جب دیکھ صاف،
آلودہ ہو، کوئی مقصد ہو، بے مقصدی نہ ہو اور نہ
جب کوئی چارہ نہ ہو

میری جانب سے کوئی مزاحمت نہ دیکھ کے بڑی

عمر والے کا بڑا سوا چہرہ اور گڑبھا اپنے آئینہ
القام کے پار۔ میں اسے شش میں سے دو چار
ہو جانا پہنچے تھا میں اسے بہت ہی طرح دیکھتا رہا۔
اس کا ساگی اس سے زیادہ گڑی دوری پر تر چھ کھڑا
تھا، پرتو لے ہوئے، رادہ مگر کا آدمی ایک قدم اور
بڑھ آیا میرا خیال تھا، وہ میری جیبوں میں ہاتھ
ڈال سکتا ہے لیکن وہ یہ؟ دلی تھا اس سے ایسا
کچھ نہیں کیا۔ اس کے بجائے اس سے کی قدر
چھپاتے ہوئے اپنے جانی ہاتھ میری طرف بڑھایا۔
ہمارے درمیان اب گڑبھ کی دوری رہ گئی تھی۔ اس
نے میری ٹھوڑی پکڑی، پستے، تہتہ، پھر پچھوڑی
پرکس دیا اور نہ کن تڑو دے اور چاقو بردار ہاتھ اٹھائے
چاقو کی دھار میری ناک پر پھیری، پھر کان پر اور
گالوں پر۔ میں۔ اپنا کسم کسم کیے رہا۔ مجھ پر کچھ
لحہ پڑی طرف گراں تھا۔ اس سے چاقو والا ہاتھ
دور کر کے میرے منہ پر تڑو سے مٹا مارا۔ دوسرا،
پھر تیسرا

میں۔ سوچا، اس میں کہیں بھی نہیں ہوتی غیرت
وحیثیت اور گرنے کی ایک کوشش کیوں نہ کروں۔
اس سے کہوں کہ وہ وہ ہیں۔ "وہوں کے ہاتھ میں
چاقو ہیں۔ ویسے میں میں یہ اپنا دفاع کر سکتا ہوں۔
بہت ممکن ہے، لوگ ارگرموجود ہیں، وہ کسی ہمارے
غزے میں آجائے اور ہو سکتا ہے، اپنے ساتھی کو
بچے بنا کے اس کا چاقو بھی میرے حوالے کر دے۔
یہ تدبیر طواست اخیر ہو سکتی تھی۔ اس دوں پر اعتماد
میں نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ان کا قصق اڑے سے واضحی
معلوم ہوتا تھا۔ چاقو تو ہر کوئی جلا تا سیکھ جاتا ہے مگر
چاقو داروں کے اپنے کچھ طور طریقے ہوتے ہیں۔ کم
معلوم چوٹ سے تو کچھ عید نہیں تھا کسی جلد ہار کے
سرکشی کسی وقت کیا سنا جائے اور میرے اس مطالبے
میں دعوے کا پہلو اٹھتا تھا۔ میرے بارے میں اس کا
لاطم رہتا ہی بھر تھا حالانکہ اس کا ایک ساتھی ابھی
نکل اپنے بیروں پر کھڑا نہیں ہو سکا تھا اس کی دست

جان میری شد بد کی شہادت تھی۔
کسی شہدہ کاری ہی سے جہد نہایت ممکن تھی۔
بہر حال میں بہ فیصلہ کر گیا تھا فیصلہ کر کے کے
بعد عاقب و ساق پر توجہ نہیں دینی چاہیے۔ بڑی عمر
والے کے کئے کی پوچھی سرسب بھی میں سے
بردشت گردی میں بہ جس و حرکت رہا۔ پھر جیسے
میں سے نہ پانچویں نے کے لیے ہاتھ اٹھا۔ اس کی
ضرب سے چپے کے لیے میں مخالف سمت کی قدر
جھٹک ہوا مڑ گیا۔ چار مہرہ کے کچھ بے کے بعد سے
بیش ہوگا کہ میں کی طرح سارکت کھڑا ہوں گا۔
جھک کے مڑتے ہوئے میں نے اپنے جھکی صمد بند
کی اور جھل پڑا۔ یہ میرا متوقع فتح اسے عریض منتشر
کر کے لیے تھی۔ وہ ہاتھ اٹھ چکا تھا اور اس کی
ساری توجہ پانچویں سرسب لگائے پر مگر کوئی۔ آنا نا نا
بیک وقت میرے ٹھٹکے، مڑے، پھیسے اور فتح
دار نہ پر۔ رہا پٹا تھا ہو ہاتھ پھیلے بنائے نہ بنائے
میں سے تدبیر اتار دیتا چاہیے تھا۔ مجھے سرسب
کی پراہیش تھی۔ یہ میرے کے لیے کسم کے کسی
مھے پرتی ہے۔ اس کا چاقو تو ادا تھا بھی شعوری، میر
شعوری طور پر متحرک ہوا۔ میں نے بھی کچھ طے
کر کے اپنی جگہ سے حرکت کی تھی۔

مڑ جانے سے اس کا چاقو ادا تھا چہری طرح
میری نظروں اور میرے وجود کی نظروں میں
تھا۔ اس کے ہاتھ میں کھلا چاقو تھا اور میری درازی
چوک سے کہیں بھی جھست ہو سکتا تھا۔ دھر سے
اصطراب کے عالم میں اس کا چاقو تو ہاتھ مجھے
نشا۔ بے کے لیے قریب ہوا، ادھر میرے دونوں
ہاتھ سے روکنے کے لیے اٹھے ہوئے تھے۔ اس
صورت میں اسے خود کو سب سے یا سانس ستوار
کر کے کچھ کھینچے کے لیے چاقو واں ہاتھ، فطرتی
طور پر پھینک بھی کرنا چاہیے تھا۔ اس پر یہ بھال طاری
نہ ہوتا تو بھی میں تو اپنے ہاتھ بڑھا چکا تھا۔ پلک
پھینچے نہ مدت میں میرے دونوں بچوں کی گرفت

میں اس کی طرف تھی۔ مجھے اب نور اور بارہا چھل کے اور درمیانی میں اس نے ہاتھ کو جھکا دیا تھا۔ میں نے کوئی بھی صانع نہیں کیا میرے اچھے اور بڑے کاوے کے جسم کا مادہ اور ن۔ سارا اور ڈالنے سے ہوا اور کھڑا چاہتا تھا۔

یہی ہوا اس کی قربانگہ بیچ و رنگ کو بھی ہوئی۔ پھر اس کے ہاتھ میں ہر طرف سے رو سکے تھے۔ وہ بچہ ہٹے لگا۔ میں اسے مزید بے قابو کرنے کے لیے کسی تاجر کے بغیر صریح لگا چاہتا تھا کہ میں نے دیکھا اس کا کم عمر سر بھی چاقو سیدھ کیے میری طرف بڑھ چکا ہے۔ وہ حوم نے میری پشت پر دار کرنا چاہتا تھا۔ میرے پاس اپنی راست تھا۔ جیسے نیچے میں اس کے ہاتھ کا سامنے سے دست بردار ہو کے اس سے بچنے کی راہ کو ہموار کیا۔

اس پر ٹوٹ پڑا۔ کا تو کون وہاں ہی بیٹھ تھا۔ میرے پاس جیسے کانت میں رہا تھا۔ نوجوان اپنی بھونیک میں تیزی سے بڑھ چکا تھا۔ تو مجھے اس کے سامنے کو چند ایک آراء و صورتوں سے نئے حال کر کے اس کی طرف ہی پلٹنا۔ اس کی دیر بھی بنا تھا۔

خدا ہے وہ ہاتھ ہی ہمارے قہار تو نہیں دیکھ رہا تھا۔ اسے سامنے کو محفوظ کرنے کے لیے کوئی طور تو ہے۔ تھپ رہا تھا اور جواب میں مجھے یہی کرنا تھا کہ اس کے سامنے کو احوال بنائے رہوں اور اس کی پس پائی تک مسلسل صریح لگا جاؤں۔ نوجوان سے بڑی جلدی کی اسے ابھی تھپا ہاتھ میں نہیں ہٹا پایا تھا۔ فصل کے قول بھونکے کی طرف متوجہ رہتا رہتا رہتا ہے۔ میں نے خود کو اور اپنے جسم میں ڈالنے اس کے سامنے کو سامنے سے ہٹانے کی پوری کوشش کی تھی۔ نوجوان چاقو بردار تھا کو تمام۔ سکا دھوا دھند پاگوں کی طرح اپنی جگہ سے اٹھتا تھا اس کا چاقو اپنے سامنے کی پہلی میں پھوسٹ ہوا۔ پہلی ن رعایت تھی اس سب سے ملے ہوئی کہ میں سے شائے سے ہٹانے میں کس حد تک

کام مات رہا تھا۔ یہ چاہے اس کے ہیٹ میں کھب

راویروں اور دروازوں کھلیں کہیں پر کھڑے
مورتیں اور بچوں کی سسکایاں مل گئیں۔ تو حور
اس ناکہائی کا پانی سے بگاڑا ہوا گیا۔ میں اس
پتے کی اس ٹٹائی بیعت سے درچار چھوڑ کے
جھاب بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ اور دلوانہ ہو سکتا تھا۔ اس
کی نکمیں پچھنی ہوں تھیں۔ میں سے کسی حالت
میں اس کے بال پڑ کے سے کسی نہیں لگائی۔ وہ
خود بھی بے خبر ہوا ناچار ہو گیا۔ ایسے صدمے میں
آدمی کو اپنے حواس کھو رہے، خود سے بے خبر
ہو گیا۔ اپنے طالب ہوں ہے اس کے کون
معاذت نہیں کی جیسے سر پہ طار پر یہ ضرر نہیں کھا رہا
ہو۔ پھر وہ پھر اس میں برسرِ حال۔

میں نے اسے پڑا ہوا تھا۔ در ایک نظر
لوگوں کی طرف دیکھی۔ کوئی بھی میرے قریب نہیں
بٹکا تھا۔ نہیں نے نظریں نہ دکھائیں۔ بھگت جی
تھا۔ تیر قدموں سے میں نے خاک کی طرف بڑھنا
شروع کیا۔ دلت شور مچا۔ میں نے پیچھے مڑ کے نہیں
دیکھا۔ رو پیر مٹی و جوتے کو کسی حالت میں کیے
چھوڑے کھینے تھے۔ خون نے سے سرخ کر دی ہوگا۔
کسی نے میرا تعاقب نہیں کیا۔ تعاقب کرتا تو ہر
صردور ہوتی۔ مٹی سے نکل کے میں خاک خاے وں
پڑی خاک پر گیا۔ وچان تا کا ہے خاک
خاے کی عمارت کے پہلو میں جوتے کھڑے
تھا۔ مجھے پختہ ہی چوچھے گا کہ میری موت ہے۔
میں خاک خاے سے اس آدمی کے پیچھے کیوں جا
تا کہ کہتا کہ میں میری جگہ رکھ دوں گا۔ ۱۱
تا کا چھوڑے گئی میں جا بھی نہیں سکتا تھا۔ میں اسے
کیا کہہتا تھا۔ میرا تو سر گریز تھا۔ میں نے اس
سے جلد سے جلد اسپتال پہنچنے کی درخواست کی
جیسے ہی میں پائے پر سوار ہو گئی سے چند آدمی
بھاگتے ہوئے سڑک پر آتے دکھائی دیے۔ سڑک پر

کے ایہوں سے خود دو ڈاکا اور دو گئے ہوئے ہر
میں ادھر ادھر کیسے لگے کسی کو تانکا نظر کیا سی
فصل۔ مہری جاسب کو تانکا ہوا۔ بونوں۔
تا گا پھل پانچا۔ کون بھی تانگے کے پیچھے نہیں بھاگا۔
میں دیکھ رہا۔ وہ انگلیاں لٹکے کے ایک دوسرے کو
مہری طرف اشارہ کر رہے تھے۔ سگ چھوٹا سے
بزرگ کھوکھلی کی سی ہے وہ بارے سطوراں سے
دھمکے ہو گئے۔

سڑک پر پہنچ کر وہ جوتی تھی۔ دھوپ میں
بھی خاصی تیزی تھی۔ کچھ ایسا وقت نہیں گزر تھا۔
ربا دہ سے زیادہ چندہ میں مسٹ وپر ہوئے ہوں
کے گھڑی ہوں وقت کا مستند بن رہے ہیں کس پر
کب کیا وقت گزرتا ہے۔ کس کا شمار کون کرے۔
وقت سب پر یکساں نہیں گزرتا سہرے ایک کے لیے
پکا سے بھی جلد ہو جاتا ہے۔ پتھر اور تھوڑا
بھڑکیا اور تھوڑا تانگے کی رفتار متاثر ہو رہی تھی۔ کر
او قیاس و اقلی اے سے متعلق آدمی تھے ڈاکے
کے دیکھو آدمیوں کو کسی وقت بھی خبر ہو سکتی تھی۔ ہری
جہرے طرح پہنچتی ہے۔ لوگوں کو اس کی آواز بھی
بہت ہوتی ہے۔ میں سے اپناں کا ذکر کیا تھا۔ یہ
کا شمار ہے۔ میری تاش میں ڈے کے آدمی شہر کا
کوئی اپنا نہیں پھوڑیں گے۔ میں نے بے سر
سے تمام نہ بیٹھے تھکے چاہے۔ بعد کی بات بعد کی
ہے۔ اس وقت تو مجھے کسی طرح اپناں
پہنچنا چاہیے۔ مجھ سے غلطی ہوئی اس میں سیوری
کے لیے پرستہ کم رفت میں مجھے ہول کا راز ہی
نہیں کرنا پڑتا ہے۔ نہ جانے کھل کا کیا حال ہوگا؟
میرے سر سے میرے میں نہ آگیا ہو۔ مجھے وہاں نہ
چھوڑ کے کیا ہو چکا؟

میں بہتر نظر نہ تھا کہ تانگے سے اتر کر سڑک پر
بھاگ کر شہر کا دوں۔ اس طرح تانگے سے جلدی
اپنا پہنچ سکتا ہوں مگر لوگ ایک آدمی کو کھد متا کچھ
کے پانچل کی مچھلیں گے سڑک پر بہت سے

سنگل سوار تھے۔ کاش کوئی بیکل عیال حاتی
بھڑ میں سا بیکل گزرا لے کر جلد بدل جاتی ہے۔
کیوں نہ تانگے سے اتر کے کسی بیکل سوار سے اچھو
کروں کہ وہ مجھے کیڑے پھانکے اپنا پتلا بیچ دے۔
کسی مہتر والے کو روکوں۔ بچا پوں کرنی اکا دکا
موتیریں بھی گزرتی تھیں۔ شاید کوئی مہریاں
ہو جائے۔ میں اسے منہ مانگے معاوضے کی پیشکش
کروں گا۔ معاوضے کا سن کے وہ راجا تو ہو گا لیکن
اس طرح اسے میری منت گزاری کی اہمیت کا پتہ
اندازہ ہو جائے گا۔ کوچوان بھی میری پریشانی سمجھ
رہا تھا۔ وہ بھی کھوڑے کو چاٹک مارتا۔ بھی لگا
کھینچتا، طرح طرح آداریں نکالتا اور گایاں بناتا
تھا وہ بے چارہ اپنی حقیر کر رہا تھا۔ اس کا پتلا چلا
تو آگے چلنے والی گاڑیوں کے اوپر سے تانکا گزرا
کے آگے لے جاتا۔

اک خانے سے چلے چندہ منٹ کے قریب
ہوئے ہوں گے۔ تانگے نے ابھی بہت کم فاصلہ
ٹپکی تھا کہ مجھے اے کا لوں پیشہ ہوا مگر بیٹوں کیا
مکوج واضح تھی۔ پولیس کی بیٹی کی آواز الگ ہوتی
ہے۔ میں سے مصطر۔ اپنی شست سے اچھل کے
دیکھ اور میری آنکھیں احند لائے۔ دور
خانے فاصلے پر سانکوں پر سوار کی پولیس والے
مجھے اپنی طرف آتے نظر آئے۔ سادولت میں چند
لوگ بھی اس کے ساتھ تھے۔ انہیں بھی خبر رفتار
سے سانکوں دوزانہ کے لیے راستہ صاف کیوں نہ
رہا تھا۔ مسلسل بیٹوں ہی سے کا مستعد رکاوٹ بنے
انے راو میروں اور سواروں کو ایک طرف مٹ
جا۔ اور سادولت نے تاکہ کر ڈی ہوگا پولیس
کو دیم کے لوگ دے دیے بھی شمار سے ہو جاتے ہیں
وہ کی وقت بھی تھک بھی پہنچ جیتے تھے میں نے خوش
گولی کی کہ شاید انہیں میری تاش نہ ہو، مجھے خاطر
حق رہی چاہیے اور انہیں میری ہی تاش ہے تو
مجھے اپنے اوسان پر کھٹے کی ضرورت ہے۔ میری

جک کوئی بھی ہوتا تو بھی کچھ کرتا۔ مجھے ساری صورت
حال ان کے گوش گزار کر دینی چاہیے کہ میں نے تو
صرف اپنا دفاع کیا ہے۔ میں نے ان سرکشوں کو
سمجھا۔ کی بہت پیشکش کی تھی۔ انہوں نے میری
کوئی بات نہیں سنی اور چاقو نکال ہے۔ میرے ہاتھ
میں تو چاقو بھی نہیں تھا۔ اس سے دیکھ سے کہ بڑی
عمر کا بوجواں اپنے ساتھی کی نادانی کی وجہ سے رنج
ہوا ہے۔ میرے پاس کہنے کے لیے بہت کچھ ہے
لیکن کوئی سے بھی تو ادھر پولیس کے آدمی
ہیں اور پولیس پیسے پولیس ہوتی ہے، بعد آدمی۔ میں
تو بے چارہ شہر میں آگیا ہوں۔ وہ مجھے روک لیں
گے۔ میں کیا ہی دہایاں دوں، وہ فحش حاس کے
بغیر مجھے چاہے میں دیں گے انہیں عاتہ پری کی
عادت ہوئی ہے۔ اس کی راز کی کہتے ہیں۔ پھر وہ
تھکا سوال و جواب، غزالات۔ میرا دل ڈوبنے
لگا۔ میرے گواہ بہت سے ہیں لیکن حذایاں اور
گواہیاں پیش کرے۔ میں ایک وقت چاہیے۔
سارے گواہ اسی شہر سے ہیں اور یہ استاد میدان کے
زور دار کا علاقہ ہے۔ اس کے آدمیوں کے خلاف
گواہی دینے کی جرأت کوئی کس طرح کرے گا۔ کچھ
میں بھی وہ سارے کہتے ہوئے خڑے تھے اور انہی
نے پولیس کو تانگے اور اس کی سمت کی نشان دہی کی
ہوئی۔

طرح طرح کے سودے میرے سر میں منڈ
لا رہے تھے۔ سڑک کے دووں اطراف گھروں کھنٹی
تھیں۔ میں نے کچھ میں آتا تھا کہ تانگے سے کسی
میں داخل ہو جاؤں۔ ممکن ہے، ابھی ان کی نظر
تانگے پر نہ پڑی ہو۔ دوسروں میں سواروں کی شہ
و حرکت سے کئی بار وہ بھی میری نظروں سے گزرے
تھے۔ شش و شش کا وقت نہیں تھا۔ مجھے جلد ہی کچھ
سے کرنا تھا۔ میں نے جیب سے پتھر روئے نکال
کے اوگی نشست پر بیٹھے کوچوان کی طرف پھینکے۔
اس سے کچھ کہنے سننے میں وقت اور صانع ہوتا

بھی پولیس دو تھی اور سڑک کے مختصر گھاٹے تانکا
پولیس سے دھمکے ہو چکا ہے۔ یہ ایک مناسب
موقع تھا۔ ایک سینکڑوں کے میں تانگے سے کوڑ چڑ
اور چند گز دور واقع گلی میں داخل ہو گیا۔
دس بارہ قدم تک میری رفتار تھوڑی تھی مجھے جلد
سے جلد حاس سڑک سے دور ہو چکا ہے یہ تانکے
اس میں سے کھل کے رہ گیا میری اس جھڑکی سے
شعبے میں پڑ سکتے ہیں، میں سے رفتار کم کی۔ کچھ دور
تک سیدھ بھاگتا رہی۔ ایک ایک چھوٹے سے
چور سے سے ایک ایک گلیوں کی تھیں۔ دیکھ
طرف کی گلی سے اپناں کا فاصلہ کم ہونے کا مکان
تھا۔ احتیاطاً میں سے مخالف گلی کا رخ کیا۔ ایک دور
گلی میں مڑ جانے سے اس میں پولیس کو خاص
سڑک سے لگنے والی سیدھی گلی میں نظر نہیں آ سکتا
تھا۔

یہ مسلمانوں کا کوئی قدیم محلہ تھا۔ دونوں
اطراف مسلمانوں کی خاص طرز تعمیر کے حامل
اوپر نیچے، پھولنے بڑے مکانات بنے ہوئے تھے
دائیں ترپہ سے۔ جہاں گلی موزا آتے ہیں کسی گلی میں
مڑ جاتا۔ اندر چلے اور پتھریاں تھیں، کہیں لنگ، کہیں
کشتہ لگتا تھا، ایک دوسرے سے باہاں صاف کی
گلی ہیں۔ نایوں سے لکالی ہوئی یہ پتھر اور کوڑے
کے ڈھیر جھد بڑے ہوئے تھے۔ دور طرف کوئی
پکی کی ہوں تھی، کھانا پکھنے و کوڑے کرکٹ سے
انگلی ملی جی ہو۔ سروس کے بل کی جواں میں غائب
تھی۔ اتنی علاقوں کی گلیوں میں عموماً ایک
دوسرے سے وقت لوگوں کی آمد رفت رہتی ہے۔
تغیر و رجحان دے بھی شام ہوتے ہیں۔
گلیوں میں سمیٹے ہوئے بچے اور بچوں و دروڑوں
سے بھری گلیوں میں اور۔ میرے مجھے نفس نظروں
سے دیکھتے تھے۔ ہوں منہ لٹکے گلی کی کھوسے کا
چر بیٹا کرے کے ہے مجھے کسی جلد بھڑکے کسی کا
ناوراست کرنا چاہیے تھا۔ ٹکر سے کا نام لیتا۔

میرے ہوش اور سب کی سب سے پہلے تھے ایک حد
 آگے جاتے تھے۔ لڑکھائی تھی۔ تھوڑی سی۔ وہاں سے
 سنا تھا۔ مجھے سر جھٹکا۔ وہاں سے تپاڑ کی
 مجھے ٹوکا نہیں تھا۔ مجھے پتہ نہ تھا کہ بہت مفت
 ہوں اور میں حاصل کر رہا ہوں۔ صحت اور
 تھا لیکن سب بھی محسوس نہیں تھا۔ متعدد راہ گیاروں نے
 مجھے دیکھا تھا۔ چوبیس اس کی میں آگے جہاں سے
 داخل ہوا، کی، میرا چہرہ پتا ہے میری سست کے
 بارے میں معلومات کر سکتی تھی۔ مگر مجھے پتہ نہیں
 کوشش کرتے رہنا چاہیے تھا۔ میں ایک گلی سے
 دوسری گلی میں چکر لگا رہا تھا۔

گیلیوں میں لڑکائی کی باتوں، بڑے بڑے بھٹوں
 کے جہاز، پاروں، فریوڈوں اور دیگر کھیلوں پر بات
 کی بھولی بھولی دکانیں قائم تھیں۔ مجھے دیکھنے سے
 دکا نہ رہا۔ وہاں پر کچھ کہتے تھے تو پوچھتے سرور تھے
 اور اس کی ہنس مچا رہے تھے۔ بچے کھم پر کاٹوں
 طرح چلتے تھے۔ دوسروں میں۔ ایک خفیہ دکان پر
 سے مجھے آواز آ رہی تھی۔ میں اس کی
 کر کے نکل جانا چاہتا تھا۔ میں وہ اور ملاؤں
 ہو جاتا۔ وہ پوچھے گا کہ مجھے کسی کا تاش ہے اور میں
 کوں ہوں۔ مجھے نام بتانے میں جھجک ہوئی پھر
 میری زبان پر ہے اختیار مولوی صاحب کا نام آیا۔
 اس سے جبران کا نظارہ کیا اور کہنے لگا کہ وہاں ملے
 کے ہر تیک سے واقف ہے۔ کسی مولوی محمد شفیق کا
 نام اس سے آئی تک نہیں سنا۔ وہ پوچھے گا کہ آخر
 کس سے مجھے اس ملے میں مولوی صاحب کے تاش
 کے بارے میں رمان کی ہے۔ میں نے کہا کہ کسی
 سے ملتی نہیں۔ مجھے تو پتا نہیں کہ وہ سے میں کسی سے
 بتا رہا تھا۔ مجھے ٹھیک پتا نہیں معلوم سو میں مسلمانوں
 کے محلوں میں جا ہی نہیں تاش کر رہا ہوں۔ میرے
 جواب سے اس کی ہرکی نہیں ہوں۔ وہ کوئی
 جریات نہیں، دوسروں کے معاملات میں ناگہ
 نہ سے وہ شخص تھا۔ سوں پر سوال کرنے لگا۔ میری

بہ رٹھی ہوں اس سے مجھے خطا لگواں سمجھا۔ پھر اور
 مجھے سمجھا کہ لگا کہ بہت سے وقت صبح کرنے کے
 سے میں کی اور ملے کا رخ کروں۔ گلی میں آگے
 چلے کے غاب۔ میں اس کی جہازت پر اس کا
 تاثر دیتا ہوں۔ لوٹ آئی۔
 میری باتیں جواب دینے لگی تھیں۔ خاصا وقت
 مگر رہا تھا۔ تکی پر میں پوچھتا ہوں چلی گئی ہوگی۔
 پھر بھی حقیقت سرور کی تھی۔ پولیس کے ہاتھ
 پڑ جائے۔ بے جہد پناہ است و پانی کا مجھے اچھی طرح
 احساس تھا۔ مجھے خیال آیا، بول میں ڈاک خانے
 سے قریب تھا۔ جس مقام سے میں گئی میں داخل ہوا
 تھا وہاں سے اور قریب ہوتا پتا ہے۔ بول میں سے پھر
 در کا طرح قیادت ہو رہی تھی۔ مجھ سے بڑی ہم
 در کی تھی۔ شہرہ کی اس وقت میری شہرہ
 کریں۔ پولیس بول میں طرف نہیں جاتے۔ کی
 کو نہیں معلوم کہ میں کرائے دہلی میں پھیرا ہوا ہوں۔
 چارنگ ہوت ہے کہ اس دنوں بدوں اچکوں سے
 بول سے نکلتے ہی میرا چہرہ شرمندہ کر دیا ہو اور
 ڈاک خانے میں جا ہی ہوں۔ پھر بول میں چلنے کا
 انداز تو مجھے مول بہا چاہیے۔ وہاں سے سرور کوئی
 رہ گئے۔ یہ سوچا کہ میں بے دہلی میں۔ پر
 جائے کا قصد کیا اور اپنی کار راستہ میں کچھ بتایا۔ میں
 انداز سے سے چل رہا اور جیتے جیتے ایک گلی پر۔ پر
 گلی۔ سو سے لوہے کے چنگے کی نصیحت کے اندر
 اونچے اونچے راتوں سے میرا ہوا ایک جالانچہ
 تھا۔ دانیچ کے چاروں طرف بڑے مکانات کا
 حصار تھا اور ایک جانب مسجد ہی بولی تھی۔ مودوں
 طہری اداں دے رہا تھا، ایک بجا رہا تھا۔ زاکر
 رہے کمرے میں چکا ہوگا۔ نرس بیروین نے بتا
 تھا کہ وہ وقت کا بڑا بوجھ ہے۔ مجھے۔ ہانکے جانے
 اس سے کیا سمجھا ہو۔ وہ نکل کے مارے میں مجھے
 پتا نہ تھا چاہتا ہو۔ میرے تو اب ہاتھ بچے نوٹے
 جاتے تھے۔ بس یہی جی کرتا تھا کہ وہیں ڈھیر

ہو جاؤں۔ اپنا سر پیٹوں پر سرور چوں میں اب کسی
 طرح جی وقت پر اپنا نہیں چکا تھا۔
 مودوں اداں ختم کر دیا تو میں سے قریب
 چائے۔ لیکن اس وقت وہاں کوئی نہ رہی تھی۔
 دروازے کے پاس۔ دروازے کی ہوسیدہ تھی
 اور اس میں کوئی طالب علم بھی اندر نظر نہیں آ رہا
 تھا مسجد سے کچھ مودوں اداں کا خبر بھی ہوتا
 چاہیے تھا۔ کیوں نہ میں اس کے پاس جا کے اپنا
 حال بیان کروں اور اس کے خبر سے میں پھر در پناہ
 لوں۔ اس طرح مجھے خود کو حل کر کے کا مجھے وقت
 مل جائے گا اور پولیس اگر اس طرف آگئی تو مسجد
 میں داخل ہو۔ سے اجتناب کرے گی۔ مودوں کو
 میرے بچے بچیں۔ کیا تو وہ بھی میری اجازت سے
 در پناہ میں کرے گا۔ ہوتے اندر کے میں نے مسجد
 کے حق میں قدم نہ تو مودوں چٹائیوں پھا رہا تھا۔
 وہ اڑی اڑی، بھری بھری ڈانگی کا ایک پتہ تھا۔
 اوسلا جھکھا تھا۔ کرتا اور چھپتے ہوئے۔ پھر سے
 در پناہ میں اور خود۔ سے اندر طلوع ہوتا تھا۔ اس سے
 کسی کی اور میری پانی کی امید بہت کم تھی۔ میں سے
 پانی حب یہ تو وہ مودوں نے کمرے میں پانی
 لے آیا۔ ایک سانس میں کھڑا خال کر کے در
 پناہ سے کا پھر رہا۔ پھر ایک کے میں جلد سے جلد
 بر آئینا۔

مسجد سے وابستہ ایجنسی کی شکل بیوی تھی اور
 اس کے گھر کے ساتھ کسی قدر چوڑی اینٹوں کی
 سڑک چلتی رہتی تھی۔ سڑک اور دانیچ کے چنگ میں
 جانگ شنگ کی مسابک جو۔ جگہ سے لکڑی یا گلی ہوئی
 تھیں۔ کہ داغنے کے یہ باقاعدہ دروازے موجود
 تھے۔ دوسری طرف جانے کے لیے کچھ پتھر کانے
 کے بجائے میں سے مسجد کے نزدیک سٹاخوں کے
 درمیان سے ہوئے راستے سے دانیچ میں قدم
 رکھا۔ میرا ہوا تھا۔ بچے شاید یہاں چھپتے
 ہوں گے اس لیے میں پر کچھ سڑک کے چنگ

میں مٹی نمایاں ہو گئی تھی اور وہ بچے پڑے ہوئے لگتے
 تھے۔ اظرف میں کھارے کھارے لکڑی کی ٹوٹی
 بیوں بیٹھیں نصب تھیں۔ اندر خاصا سناٹا تھا۔ اب
 ایک قدم بھی چلنا نہ ہو رہا تھا کچھ در خود کو ستور
 کر کے لیے میں ایک تکی پر بیٹھ گیا اور چند لمحوں
 بعد میں کچھ گلی کے میں کسی ہو۔ اس غفلت کا محسوس نہیں
 ہو سکتا تھا۔ دانیچ کی دوسری جانب نکلتے ہوئے میں
 نے خود کو سرزنش کی کہ میں کب تک یوں بے سر دپا
 پھر رہا ہوں گا۔ مجھے کوئی پروا تھی بغیر یا تو کسی سے
 رستہ پوچھ کے سپر کا رخ کرنا چاہیے یا پھر
 پولیس کے سامنے خود کو پیش کر دینا چاہیے۔ وہ اس
 سے بہتر ہے کہ مجھے نکلتے میں جاؤں کو ایک اور تار دینا
 چاہیے کہ وہ جلد راجد یہاں پہنچ جائے۔ مجھے مجھے
 قریب تر جس جگہ گرڈ ہوئی لپٹنے کی کوشش کرنی
 چاہیے۔ مجھے تار سے کا سوچا۔ مل سکا تو بول
 دے یہ کام کر سکتے ہیں۔ کیا ایک میرے اداں میں
 شہرہ کا کونہ۔ کیوں نہ میں کسی راہ میرے ستار
 صید کے اڈے کا پناہ چوں۔ پہلی میں اس طرح کی
 آئے میرے بچے میں گئے تھے۔ میں براہ راست
 ستاد میدان کے پاس جا کے اڈے کی چوں کا رخ کرتا
 ہوں۔ اداں کی راہت یہی ہے کہ پناہ اور راز
 آرمیوں سے دعوے کا فیصلہ ہوتا ہے۔ مجھے پتہ نہیں
 ہے۔ فیصلہ میرے حق میں ہوگا۔ اتنا تو مجھے خود پر
 اعتماد ہے۔ کھل بھی مجھ پر یہ اعتماد کرتا ہے۔ ستاد
 میدان کو اس کے اڈے سے میں سے بے دخل کر رہا تو
 سب کچھ خود۔ خود خود ہو جائے گا۔ اڈے سے وابستہ
 ہر آدمی نے ستاد کے رہنے کی ہوگا۔ وہ تپوں بھی جو
 ڈاک خانے اور اس سے حق گلی میں میرے آڈے
 آگئے تھے۔ اس وقت اس سے بہتر کون نہ ہو نہیں
 سکتی۔ ستاد میدان کا ڈاک نہیں کہیں اس پاس ہوگا۔
 میری رفتار میرا رکھنے کی طور پر تیز ہوئی اور پھر
 بہت سے دھندلے اندیشوں سے مجھ پر پوش کی۔
 اگر نتیجہ مختلف ہوا اس کی چیز میں سو فی ہوں تو بھی

پرستی اور ان ہونی کا ایک فی صدا مکالمہ
موجود رہتا ہے اور محوطہ رکھنا چاہیے یہاں کے
لوگوں کے طور طریقے الگ بھی ہو سکتے ہیں۔ اتنا
میدان کو بہت کبیرہ اور سٹھ شخص بھی ہو سکتا ہے۔
اور محل پہاڑ میں پڑا ہے مجھے پہلے داس کی
فکر کرنی ہے۔ اس کے لیے خود کو محفوظ کرنا ہے۔
چاقو سے ساتھ کسی کے مقابل ہوے میں ایک ہونی
شرط ہے۔ اور ناکامی کی صورت میں کچھ بھی ممکن
ہے، درہی چوک ہونی تو سنی کی گنجائش میں
ہوں۔

مجھے کچھ دوسرے، کسی اور طرف غور کرنے کی
مہلت ہی نہیں ملی۔ ہائیچے کے اس جانب سامنے
پڑے دن چمک گئی کے پار کوں بڑی سڑک تھی۔
وہاں رادھیروں دو سو روپ کی کثرت سے
تندرست رکھائی دیتی تھی۔ پتے تو مجھے گمان وہ یہ
وہ سب تو نہیں جہاں سے میں چلا تھا مگر وہ بہت
دور پڑی نظر آ رہا تھا۔ یہ گنگا ندی ہی دھکتی تھی۔
ہائیچے کے محلے میں سب سے بڑی گلی کی طرف بڑھ
رہا تھا کہ عتاب سے محسوس ہوا تھا۔ چلیے
بچے بھر میں بیک چاہ ہو گیا پھر بیک اور صحت کی
کڑے میں سے بیک کر دوسری جانب ہائیچے کے
پار مسجد سے بڑے بیک گلی کے وہاں پر کئی سائیکل
سواریوں کی سائیکس روک کے دھر دھر نظر میں
تھم رہے ہیں۔ اس کے ساتھ در لوگ بھی تھے۔ وہ
گلیوں کے لوگ ہی جوں گئے۔ تماشا ہونا چاہیے،
تماشا ہونے کی نہیں۔ مجھے بھی حد تھی، گلیوں میں
متحدہ لوگوں سے مجھے کھستے دیکھا تھا۔

میرے اور چائیس کے درمیان ہائیچے کا قصد
اور ہائیچے کے درمیان اور بنگلے پر چڑھی بیروں کا
چھدر پر وہ حاصل تھا۔ یہی ایک راستہ رہ گیا تھا کہ
اچھے آپ کو پہنچا ہوا سامنے اور گلی تک پہنچ
جائیں اس گلی میں بھی مکانات کا سلسلہ تھا
روپوش ہونے کی اس کوئی بہتر جگہ مل سکتی تھی۔

مجھے گنگا کی طور میں سب نہیں تھا۔ ہائیچے کے ساتھ
کھوٹی ہونی سہا پوزی سڑک پار کر۔ میں ج
قد میں سے گلی میں آئی اور مجھے سبوں کی گلی
سائی دی انہوں نے مجھے دیکھا یا نہیں، مڑ کے
دیکھنے کا مجھے یار نہیں تھا گلی کے کٹوری پر کی چھوٹی
ہونی کی طرف کا ایک دوسرے پر انہوں بنا ہوا تھا۔
گلی میں سیدھے چلتے رہنے سے نظر آ جانے کا
مکان تھا۔ کھڑا لے مکان کی پوزی کا دروازہ کھلا
ہو تھا میں اسی میں داخل ہو گیا۔ اندر روشنی کم تھی۔
کسی کمرے کے یہ قدر اس ڈیڑھ می میں تھی
دروازے تھے ایک سامنے اور دو دائیں اور
پائیں۔ دائیں کا تھکا کا دروازہ در دیکھا تھا۔ میں سے
آہستہ سے دستک دی۔ کوئی جواب نہیں ملتا تو
میں سے بیک کے بائیں طرف کا دروازہ کھٹ کھٹا
اور اٹھنا چاہیے سے چاقو نکال لیا۔ کسی مردانہ آواز
سے اندر سے پوچھا: "کون ہے؟"

میں نے پہلے اپنی آواز پڑھنے پڑھنے کی کوشش کی
اور پی رہاں سے کہا: "دروازہ کھولیں۔"
"کون کون ہو میاں؟" اندر سے وہی
بھاری عمر کم واز آئی۔

میری بات چوری سننے سے پہلے ہی اس شخص
سے دروازہ کھول دیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ چونک
پڑا اور مضطرب نظروں سے دیکھ گیا۔ کمرہ اونچلی
پر تھا۔ ایک قدم کی میری پیرا اس دھڑکن اور پر چا
محسوس تھا۔ مجھے اسے کوئی وقت نہیں دینا تھا صورت
حال مجھے اور کوئی نتیجہ اٹھ کر رہے گا۔ یوں ہی آتے
وے لے اس کے تصور سے بید ہوں گے منظر کی
اس اپنی تک تبدیلی سے متاثر آدمی بھی ہے تو اس
ہو جاتا ہے آٹھ تھیں جلد کچھ لگتی ہے، اس آئی
جدو توں میں کرتا میں سے ایک جہیز میں پر رکھا،

دوسرے لے اسے مجھے دھککا ہوا میں کمرے کے
اندر تھا۔ میں سے چاقو نکال لیا۔

وہ ترقی ہوئی اندھی سرخ و پید رنگت، طویل
قامت، بھاری جگر مہنہ۔ دیکھنے خال وقفہ میں کے
مکلف کرتے اور چاہے میں ملبوس لباس سے
مجھوں کی عمر کا ایک دیکھہ محسوس تھا بشرے سے کوئی
نواب نہ تھا۔ کمرے میں خاصی روشنی تھی۔ میں نے
خاڑا نظر سے کمرے کا جائزہ لیا۔ فرش کے وسط
میں قالیچ بچھا ہوا تھا۔ ارد گرد گریوں رنگی اور
دیواروں سے پوستہ شخصے کی امارا میں کتا ہیں
تھی ہونی تھی۔ کڑکیوں کی ہونی میں اور ان پہ
پردے لٹکے ہوئے تھے۔ پوکی پر موجود افراد میں
ایک کمرہ کا تھا۔ چمکتی سوس کا۔ روتو جواس لڑکیاں
تھیں اور ایک کمرہ سیدہ عورت تھی۔ مجھے دیکھتے ہی
ان کی چٹیں نکل میں پھر چھوٹا سی عورتوں نے
دو چٹوں سے چہرے پہن لیے اور پوکی کے پاس کمر
کے اندر وئی میں سے کھلے والے دروازے سے
بھاگتا چلا۔ میری دھکتی آواز نے انہیں سست
کر دیا۔ "کوئی ہیں، کوئی بھی اپنی جگہ سے حرکت
نہیں کرے گا۔ سب اسی کمرے میں رہیں گے۔"
میں نے کہا: "کوئی بھی کسی کوشش نہ کرے۔"

دروازہ کھولنے والا شخص میرے چاقو کی رد پر
تھا اور بڑی طرح بولھلا گیا تھا۔ "کون ہو تم؟"
کیا کیا چاہتے ہو؟" وہ بھائی آواز میں بولا۔
میرا پوچھنا اس کی گروں کے نزدیک تھا اور میں
نے اس کا دل باز دوا دیا ہے باروں میں جہیز بنا تھا۔
سامنے چوکی پر بیٹھے ہر کے افراد کے سامنے
دستر خواں بچھا ہوا تھا، رکھا رکھا تھا۔ میرا دوجواں
کے لیے کی بھیا تک خواب کے نند ہوگا کو میری
حالت بھی ان سے کچھ مختلف نہیں تھی۔ میں اندر ہی
اندھ بانپ سارا تھا۔ انکی میری کیفیت کا کوئی
اندازہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے خود کو گھٹ رکھنے
کی ہر محسوس کی اور بہ ظاہر دھکتی آواز میں

پوچھا: "میرے اندر در کوں کوں ہے؟"
"کوئی نہیں کوں بھی نہیں، صرف ایک بار رہ
سے۔" میرے شکل کہا: "اور" اور
در کوں؟" میں نے اپنے سٹھ میں سٹھ کی
قامت رکھنے کی اٹھائی کی
"اور میری بار دہدہ۔" اس سے ہر گھٹ
جواب دیا: "وہ وہاں پھر نہیں سکتیں۔"
"بار دہدہ کو بار دہدہ؟" میں نے سرد میری سے
کہا۔

اس نے چٹیں ہونی "دوڑ میں چوکی پر بیٹھے
ہوئے لو خیز بڑے کو کھٹا کھٹ کیا۔" "زیلی اور بی اجاڑ،
چا کے راجہ سے کہو، وہ تو راجہاں آجائے۔" ایک
لے کے توقف کے بعد اس سے تیز در شستہ
تکیر بڑی میں لڑی گواہاں نہ آئے۔ در پڑا بیروں کو
مطلع کرے کی بد ہمتی۔

رہتی کے دیہے ہر گھٹے ہوئے تھے اور بکتے
کا سا عام ماری تھا۔ اس کے پہلو سے ٹپکی ہونی
ارشتہ دروازہ عورت کے کٹنی مارنے پر وہ ہڑ بڑ
گیا۔ وہ پوکی سے اٹھ پڑا تھا کہ میری آواز پر اس کا
سر اٹھ گیا۔ "اروہا ہیں زحیر ہو گیا۔"

"تم نہیں میں چائے، اپنی جگہ سیدھے بیٹھے
رو گئے۔" میں سے چٹ کر کہا: "ملازمہ کو نہیں سے
دروازہ۔" میں بھی سے گھر بڑی میں کھم سے سکتا
تھا کیس میں سے راستہ جناب کیا۔

رہتی کے لیے دروازہ عورت سے بھٹائی نڈار
میں زحیر بھائی کی گردن شراخ کر دی۔
"میں سے کہا باقم سے میری بار دہدہ بار
ہیں۔" عورت نے سرائیکی سے کہا: "ملازمہ انکی کے
پاس ہوگی۔ وہاں تک شاید آواز"

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میرے کیا کروں، کون سا
عزم اس میں نے ایک بار پھر کمرے کا پڑا ہوا۔
کھلی کھڑکیوں پر پردے لٹکے ہوئے تھے۔ چوکی
کے برابر گھر میں داخلے کے لیے ایک ہی دروازہ تھا

اور کھجور تھا۔ دلوں و جوں و تریوں، دھیر
 عورت غائب اپنی ماں سے گئی ہوئی تھیں انہوں
 سے دو بیٹوں سے پہلے ڈھاپے لیے تھے اور ان
 کے برس کا پ رے تھے۔ چلے اور وارے سے
 مارے کی بھی وقت آمد آ سنی تھی اور کوئی اور
 بھی یہ حال نہ تھی کسی اور اثر کی موجودی کا
 نشان نہیں تھا اور نہ کھانے کے وقت بھی اس گھر سے
 میں جمع ہوتے۔ میں نے خود کو سنی دی۔ کوئی اور
 پہنچ جانے تو نہیں ہے۔ اسے بھی روکا جاسکتا ہے۔
 جب تک میری گرفت میں گھر کا کوئی ایک فرد ہے،
 مجھے کسی طرح جمع رکھنی چاہیے۔ یہ پرانی حال تھا، اور وہ
 حال گھرانا معصوم ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ اور خود
 عامل سمجھ ہوش مند ہوتے ہیں۔ طرح طرح کے
 مذہب سے ان کے دلوں میں سوچاوت ہے۔ بہت
 ہیں۔ ان لوگوں پر میری حیرت رہے تو، یہ کسی
 نادانی کے مرتکب نہیں ہوں گے۔ اور میرے مقصد کی
 کو رک پہنچنا بھی نہیں ہے۔ مجھ سے خواہش کی یہ
 حالت بھی دیکھی نہیں جاتی۔ میرے لیے اپنی وصیت
 کا یہ پہلا واقعہ ہے تو انہیں بھی ایسی تاہدانی سے
 کہیں اور پڑا ہوگا۔ تاہم مجھے اپنی شکایت کا تاثر
 انہیں اپنے رہنا چاہیے۔

چند منٹ کا وقفہ قبرستان کی سی خاموشی کا گزر
 گیا۔ میری نظریں گھر سے میں چاروں طرف معلق
 رہیں۔ مجھے احساس تھا کہ سکوت کے یہ لمحے اس پر
 خطاب کے مانند گزر رہے ہوں گے۔ اس طرح ہر
 منٹ داخل ہونے و شاید ایک لمحہ بھی مائل کرتا
 ہو میری آمد کا مقصد اور میرے اگلے اقدام کے
 بارے میں جاننے کے لیے یہ بہت حوش ہوں
 گے سکوت کا یہ حصہ میرے لیے بھی نقصان دہ
 ہو سکتا ہے۔ ان میں حرات خود کو کھتی ہے۔ یہ مجھے
 کوئی پائل نہیں پڑا۔ کچھ رہے ہوں یوں مجھے
 مذہب و متروکہ بچہ کے یہ میرے بارے میں اپنی
 رہنے نہ بدلے۔ مجھے کوئی نہ کوئی حرکت کرتے

رہنا چاہیے نہیں اور کیا میں اور کیا کر سکتا ہوں۔
 مناسب نہیں ہے کہ مجھے سب باتوں کا حساب
 انہیں بتا دینا چاہیے۔ سب پر ایک عام نیکار
 اور صواب طاری ہے۔ مدد کی گھر کے لیے اس وقت
 کی اذیت ان پر نہیں ہوسکتی ہے۔ یہ وہ بولی کسی
 انسانی و بچوں کا شکار بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بات ہو تو
 کیا میں خود کو معاف کر سوں گا۔ بیٹوں کا حال تو
 سب سے جواب ہے ان کے بیٹوں پر بہت
 ساری شاہدینی اور مصیبت ہے۔ یہ کسی نہ کسی
 جرم کی سزا دہ بھگت رہی ہیں۔ کون بھی وہاں
 کھوٹا ہے۔ اس کی استقامت سے سو مجھے ان کا
 اٹھان نہیں لینا چاہیے۔ کسی اور طرح بھی میں ان
 سے پیش آ سکتا ہوں۔ پھر تو بہرحال میرے ہاتھ
 میں سے اور میں سب کچھ ہے۔ میری ساری توانائی
 یہ اثاثہ بھرتیہ رہے۔ ایک ہتھیار بدست کے
 آگے سوڑی گئی کون اثاثت نہیں رہتے۔ وہ مجھ پر
 یقین نہیں رہے۔ کریں۔ مجھے جتنا وقت مطلوب ہے،
 وہ مل ہی جائے گا۔

میں نے عواقب پر غور کرنے کے بعد مرد کا حکم
 دیا اور آواز کر دی۔ وہ انہیں بھوکے لگا اور اس
 نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ آپ کرسی پر بیٹھ
 جائیں۔ میں نے طاری رجعت سے کہا۔ اور
 خیال رہے، میرا ہاتھ جاں نہیں ہے اور شاہد بھی بر
 نہیں۔ آپ کچھ دار آؤ کی ہیں۔ بہتر ہے، جیسا میں
 کہتا ہوں اور دست اس پر عمل کیجیے۔

کرسی پر بیٹھ جائے ان رجعت پر اسے طرح
 حجت ہوئی۔ اس نے جیسی ہوئی آنکھوں سے میری
 طرف دیکھا۔ ان میں غصہ بھی تھا کسی درجہ
 بھی۔ وہ فوراً ہی کرسی پر بیٹھ گیا اور ٹھٹھکتے ہوئے
 کرتے کی آہیں سے پیشانی کا پیسہ پڑچھا۔ میں
 اس کے قریب ہی رہا۔
 ”آپ، آپ کیا چاہتے ہیں میاں؟“ اس نے
 نکلتے حورہ و آوار میں۔ وقت مہکشوں۔

میرا نام ہے 'میرا' اور کوئی نام نہیں ہے جس کے لیے میں نے
 کوئی نام رکھا ہے۔ یہ نام ہے 'میرا'۔

ناگس کا شور مچا ہوا دیکھا لی، میرے اور اس
 کے رمیوں پہ چنے کا دھلا اور چنے کے درختوں
 اور گھنے پتہ شجر بیوں کا پھدراپہ، وحاش تھا اس
 کی نظروں سے چٹا پاتا، پیتے سے پیوستہ پڑی
 سڑک عبور کر۔ میں آپ کے سر والی گلی میں
 گیا۔ گلی سیدھ میں ہے، آگے جاے میں لہانی
 آپ جاے کا اسی شہر تھا، ناچار میں گلی کے کنارے
 اس پہلے مٹاں، آپ کے مٹاں پر دستک دے
 دی۔

میرا لگا ہری طرح مشک بور با تھا۔ میں نے اس سے ہاتھ نہیں پھینچا تھا۔ اب باقی اس تھا کہ وہ کیا افدہ کریں۔ شاید یہی چاہے کہ میں شعور کی حسرت میں اسے صبر کے پانی پہنچا دوں اور اس کے رہتی تو ایک نگاہ دیکھ۔ وہ سب میری طرف متوجہ تھے۔ مجھ سے نگاہ میں تو وہ اپنی اپنی جگہوں پر لگے لگے تھے۔ مصلحتاً ہر حکایہ اور روئے سروں پر اور کھانچے۔ اب وہ ہم ایک سٹری کی ہوئی تھیں۔ زمینی آنکھیں بھی چیرتی انداز میں ملتی ہوئی تھیں اور اس کا جسم بھی تپتا ہوا تھا۔ میرے غائب کر کے پہلے کمر کے کمر اس سرو کے چم سے ہر چھان رادی کے بجائے سر کی آہٹ آئی تھی۔ چند لمحوں کی جھوٹی کے بعد میں نے جھڑی ہوئی آوار میں کہا۔ "یہ سرنہ ہوتا تو کوئی اور گھر ہوتا اور کچھ اور لوگ ہوتے۔ میرے پاس انتخاب کا وقت نہیں تھا۔ میرے لیے ہر جگہ ایک جیسی تھی مجھے تو ایک بنا دو چاہیے گی۔ دوسرا کوئی کمر ہوتا تو وہاں بھی مجھے کچھ اسی ناروا تار یا سبوت کا سر تکب ہوتا پڑتا میں آپ کو بتاؤں، یہ میرے بے انتہائی جبر سے جتنا آپ کے لیے"

میں نے دو بار وہاں چائی "میری وجہ سے پردہ نشین حوا میں کیے پر پڑی ہوئی آپ لوگ کھاب میں مصروف تھے اور کھانے کے بعد جانے آپ کے کیا مصورات ہوں، میں نے آگے سب دوڑ کر ہم

کر دیا اطمینان رکھے۔ پنجویں میں، مجھے بیان سے چپے جانا سے امکان ہی کی ہے، پولیس کی علامتوں کا کام دو کے کی اور طرف نکال گئی ہوگی۔ مجھے بہر حال پولیس کے ہاتھ میں آنا، اسپتال پہنچنا ہے۔ ڈاکٹر کے پارے میں مرے بتایا تھا، وہ وقت کا پابند ہے۔ وہ آئے کب کا پتا لگایا ہوگا کہ مرے میں میری ناموجودی پر اس سے جانے کیا سمجھا ہو۔ مختصر مدت میں سے اس سے بڑی محنت نہ لگی، سارا اسپتال سر پہ اٹھا یا تھا۔ وہی شخص جو وہ رات اور آج رات آپے مرخص کے لیے اتنا بے قرار تھا، وہی شخص میری "دار بزرگ" ہوگئی۔ "ڈاکٹر کیا کہتا ہوگا اور معلوم نہیں" ان کا، اصل بعد کی کا کیا حال ہو۔ ساری فطرت میری ہے۔ میں نرس کے کہنے میں آئے اسپتال سے نکلتے نہ یہ سب جو عیشا آتا۔

”اب تو وقت گزاری چکا ہے۔“ بہت دیر بعد مری ہوئی ہے۔ مرے ذہن کھوئی۔“ مناسب“ تعین تو آپ بھی بیٹھ جائیں۔“

گئے اپنے کاؤں پر شہ ہوا مگر یہ اسی کی آواز
 تھی۔ مرم اور مشتاق۔۔۔ مجھے ٹھنڈی ہوا کے کسی
 جھونکے کا احساس ہوا۔ پانی پری سے اتنی رانگاہ
 نہیں تھیں۔ جسم و دہنوم کی مگر مجھے توقع تھی، اس کا
 جواب ملے ہوتا ہے۔ اپنا ایوان مٹ کے میری
 گراں دہری کی قدر کم ہوتی تھی، اب مجھے اپنی
 مگر میں کچھ دور چلتی محسوس ہوئی۔ تاہم اسی لمحے
 کوئی حدود و تحدید لہر میرے وجود میں دوڑ گئی کہ یہ تو
 میں جانتا ہوں، میرا جی، کسی جگہ کے طور پر کارگر ہونا
 چاہیے مگر یہ تو اس پر منحصر ہے کہ اپنے گھر میں میری
 ماحبات آمد اور میرے شرواع کے مفاکاتہ روئے
 سے ہے کہتنا منقض اور تھلہر ہو چکا ہے۔ جگہ کے پودے
 کی عمر دہری کے لیے بھی نرم و نغمہ دین چاہیے، اور
 شاید کچھ ایسا ہے کہ آدمی جگہ پر اتنا قادر نہیں جتنا
 مجھوت پر ہے۔ جگہ بہت نایاب ہے، اس لیے اس

فی رست یابی پر مشکل سے تھیں۔ تاہم یہ دعوت خود بخود سوچ ابھی اٹھنا ہے تاہم رہن در نامہ تیر نصیر ہے۔ اس کے کسی اور تاثر میری بات کسی منفی تاثر میں وہ سب کچھ سنا ہے جو میں نے کہا ہے اور ہر کی طرح اس کے کاہل میں سر اہت ہونا چاہیے۔ مجھے صاف دینے کا پرچار کی ہے تاکہ ہے

کی نوا کرتی ہوتا ہے۔ اس کے بچے میں بھتی
 تیزی سے آگ بھڑکتی ہے، اتنی تیزی سے جتنی
 نہیں۔ مجھے اس کی افادہ طبع اور خاص پیچیدگیوں کا
 پتہ علم نہیں تھا۔ دلی چہرے مہرے، اقامت و رنگ
 میں کئے ہی مشابہ ہوں۔ اس کے باطنی دھماکے بہت
 جدا جدا ہوتے ہیں۔ سو مجھے بھرتی بدگمانی سے مجھے
 منتشر کے رکھا کہ اس کی خوشحالی میں بدحواسی کا کوئی
 پسو تو نظر نہیں۔ میں نے ایک اچھی نظر سے یہ
 چہرہ دیکھا اس کا چہرہ اپنے کی کوشش کی۔ اس کی
 حالت بہت پیچیدگی میں تھی وہ اب ہر صبر و حیا
 لگ رہا تھا۔ اس کا نام سب بھی میں تھا۔ کرسی پر
 بیٹھ جاتا اس کی خواہش کی قیاس میں مجھے ایک
 زبردستی ہو تھا۔ درمیان سے خود کو سر پریش کی کہ میر
 کا دیا سا متزلزل ہے۔ یوں بھی مجھے کئی ایسے بہار
 ٹھیکرنا ہے۔ درخت پر تو اب بھی میری توہل میں
 ہے۔ میں اس کے پھوکی کرسی پر بیٹھ گیا اور مجھے
 چلو کھلا رکھنا بھی ناگوار لگتا۔ میں نے اسے ہند
 کر کے جیب میں ڈال لیا۔

اس نے پھر بھرتی ہی کی اور مگر ہی سلسلہ بھر
کے کری کے سرخانے سے سرکا دیا۔ یقیناً اتنی
کشت کش کے بعد وہ ادب کا کیک جان کے یہ
سے کچھ مسرت دکھا رہی۔ چند ٹاپے اس کی ہنسی
کیست ہی پھر بونگ کے ہونا۔ آپ نے شروع
میں یہ سارے کچھ بتا دیا ہوتا تو شاید وہ کہتے
کہتے، کھیا بہر حال اس سے پھر آجائیں

دکاش کر بھی ہوتا مگر یہ کیسے ممکن تھا۔ میں
 آپ کے بے باکل اٹھتی تھی۔ کئی حدی۔ میں اپنا
 مدعا پیش کر سکتی تھی۔ آپ تو نہیں سکتے تھے۔ پولیس
 بہت قریب تھی۔ اس میں ایک صورت تھی بھائی
 رکی۔

غالباً پولیس اس طرف نہیں تھی اور ہنگامہ کا
 شور یہاں ضرور مٹا دیتا۔ یا تو وہ موت گنتی پا کی اور
 طرف جا گئی۔ اس سے مجھے ہوئے جگہ میں قیاس
 کر لی۔

میں خاموش رہا۔
 سے جیسے کچھ یاد آیا۔ مجھے کمر علی حسرت کہتے
 ہیں۔ اس سے متاثر ہو کر۔ میں ایک دلیل
 ہوں لیکن سب دلائل نہیں کرتا۔ لاہور میں پڑھتا
 ہوں۔

میر نام باہر رواں ہے۔ میں نے بہت سی
 سہ کہا۔
 آپ مجھے قیام یافتہ لوہوں معلوم ہوتے
 ہیں۔

”تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا آتا ہے۔“
 اس کے ہوش پر پھینکی میسٹر ہٹ پھیل گئی۔
 پیشانی پر فلکیں نمودار ہوئیں اور وہ کھوئے کھوئے
 دھڑلے میں سر ہلانے لگا۔ اس کے چہرے سے عیاں تھا
 کہ سے کوئی بات کہنے میں دشواری پیش آ رہی ہے
 ور شاید اسے لفظوں گنے یا سرائی، ادھر ادھر
 نظر پر گھمستے اور بچکتے ہوئے ہوں۔ ”یہ یہ خود کو
 آ رہی ہے۔“ اس نے چوکی پر موجود، پتے پ
 میں ہمدی عکزی خوشی کی طرف اشارہ کیا۔ ”میرا
 مطلب ہے۔“ اس نے پے غلط وضاحت
 کی۔ ”اجازت ہو تو انہیں اندر جانے دیا جائے۔“
 میں بیٹھے بیٹھے چھل پڑ۔ میں نے اس مرحلے
 کے بارے میں غور ہی نہیں کیا تھا۔ گھر کے اندر کے
 اندر سے چاہے میرا ہے آجہ والے گھوں میں
 کوئی بھی ان ہولی صورت پڑ رہی ہو سکتی ہے اور ادھر

میرے انکار سے بھی بہشت اور مافیہ صورت حال
 قائم نہ رہے گی۔ مجھ میں اب انکار کی جرات نہیں
 تھی۔ میں نے اسے خود سوار کیا تھا۔ میرے پاس
 اس کے سوا شاید کوئی اور جواب ہی نہ تھا۔ ”جی جی
 ہاں۔“ میں نے بھئی ہولی آواز میں کہا۔ ”اجازت
 لے کے آپ مجھے اور شرمسار کر رہے ہیں۔“
 ”نہیں نہیں، بھئی انہیں۔“ وہ ہاتھ بلند کر کے
 بے تابی سے بولا۔ ”میرا مقصد یہ ہے کہ اب اس کی
 جہاں گیا ضرورت ہے۔ یہ گھر کے اپنے کام کا ج
 دیکھیں۔“

”میرا خیال ہے، مجھے اب چٹائی چاہیے۔“
 میں نے اسے کارادہ کیا
 ”اٹھیں اس رہے۔ میں انہیں کولی اور بہایت
 نہیں دے رہا۔“ اس نے میری وجہ دار کر سہلی
 کوشش کی۔ ”یہ خود بھی سمجھ بوجھ رہتی ہیں اور انہوں
 نے بھی میری طرح سب سمجھ دیکھا اور سنا ہے۔ میں
 سمجھتا ہوں آپ کو اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیے۔
 ڈانٹ کا وقت تو کل ہی نکلا ہے۔ سوچتے ہیں آپ
 اس طرح مخالفت اپنا کر بیٹھتے ہیں۔“

آپ بہت مہربان آدمی ہیں۔ میرے
 اہلکار محسوسیت میں نہیں آتیزش بھی گھر شاہد اسے
 محسوس ہوئی ہو۔
 ”یہ بتائیے، آپ کیا ہیں گے؟“ صبح سے آپ
 سے کہا۔ ”کچھ کچھ جانتا ہوں گا۔“
 ”مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔“

”ہاں، ایسی صورت میں بھوک پیاس کا کیا
 احساس ہو سکتا ہے۔“
 ”آپ، آپ لوگوں کے کھانے میں میری آمد
 سے رنج پڑ گیا تھا۔ اچھا بھی ہوگا کہ میں اب چلوں،
 آپ اپنے مواصلات جاری رکھیں۔“

”ہمارے مواصلات کو جانے دیجیے۔ اب نہیں
 تو کچھ دیر بعد جاری ہو جائیں گے۔“ صبح و شام کا یہ
 چکر تو چلتا رہے گا۔ اس وقت تو آپ کا مسئلہ اہم

ہے۔ اس سے لیکھ میں عمر معمولی عید کی بھی
 ”بھئی میں آپ کے کسی کار۔ آکا تو مجھے ہوش
 ہوگی، ہم سب کو خوش سوں۔“ اس نے حواشوں
 طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ارے بھئی ہم لوگ ادھر
 جا کے مہمانوں کو جو آسج و خیر دے گا بدست کر، اور
 ہاں۔ کوئی باہر چاہے۔ اس پر دوس سے واسطہ
 رکھے۔ اور میں اس کوئی کھڑے تو سے یہاں،
 جاری طرف آتا۔“

ادھر حکومت اور دوسروں نے یہاں سٹ پناہ ہولی
 چوکی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انہوں نے جیسے جیسے
 دوپٹوں سے اپنے بدن اور چہرے چھپا لیے اور ایک
 دوسرے کے پیچھے اندر جانے کے لیے دروازے
 طرف لپک پڑیں۔ رتی گئی تھی۔ اکبر علی خاں
 نے اسے دیکھ کر بے ادب چہرہ پر نہیں کیا۔ ”راہ پر
 جا کے دیکھو، ادھر میں اس پاس پولیس ہو نہیں
 ہے۔“ اور وہاں کسی۔ چھ پانچو گئے۔ باجری
 سے بات کر کے۔ اور جلدی داکس آتا ہے۔
 ”مجھے۔“

رتی تیزی سے باہر چلا گیا۔
 کمرے میں کمر دالوں دگے۔ میں خود کو
 جھکیاں دیتا رہا۔ اسکا تو نہیں سے میں خوش
 گمانوں میں حقیقہ میں ہوش ہے۔ دروازہ چند
 قدم کے فاصلے پر تھا اور چاقو حسیب میں تھوڑا تھا اور
 میرے اختیار میں ہاتھ نہیں رہا تھا۔ سب مجھ جیسے
 میرے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ میں تو دیکھتا اور ستارہ
 گیا۔

رتی کے جانتے ہی اکبر علی خاں سے خوش
 اطواری سے پوچھا۔ ”کچھ اپنے بارے میں
 بتائیے۔“ ہاں، کیا مشاغل ہیں آپ کے؟“
 ”کیا بتاؤں؟“ میں نے چمرانی آواز میں
 کہا۔

”کچھ بتائیے نا۔ ملازمت تو آپ نہیں کرتے
 اور تجارت۔“ وہ کئی سچے میں بولا۔ ”یقیناً وہ بھی

نہیں۔
 ”آپ کا انداز درست ہے۔“
 ”جہاں وقت سے رہتا ہے۔“
 ”یہ اس میں۔“

”میرا سر میں، پھر تو ضرور گھر کے لوہا ہوں
 گے اور میں جاگیر میں ہوں گی۔“ اس کی سکر ہٹ
 میں شاہد تھی۔

”تھوڑی بہت زمینیں ہیں۔“ میں نے اس سے
 بے موقع سوالوں سے بچنے کے لیے اقرار کیا۔
 ”دیکھیں، میں۔“

”جی ہاں، میں۔“ میں نے سر جھکا کے کہا۔
 ”میرا آپ کے لئے بھائی ہیں۔“

”جی، میرے سچے میں ترش آگئی۔“ وہ گئے
 ہیں۔ سوچتے کون توں رشتہ نہیں ہے میرا۔
 ”چھ، رشتے ب نام ہوتے ہیں اور گئی سارے
 رشتوں سے ملد ہوئے ہیں۔“

اس نے انہیں کڑی جھپٹت، جس اور ادھر ہوتا
 رہا۔ ”یہ شرمیلی ہے اس کا یا اتنا سے کون
 نام نہان تو تھا آپ نے۔“

”نہیں۔“ اس سے تعجب سے دہرایا صرف
 میں نام نہان۔

”سب انہیں ہی نام سے جانتے ہیں۔ اب تو
 شاید خود انہیں بھی اصل نام یاد نہ ہوں۔“

”جی جی۔“ اس نے منہ ہاتھ لکھ میں
 کہا۔ ”وہ ایک نہایت دین اور حس آدمی تھا، گے
 لگا۔ ہو سکتا ہے، آپ میرے اس سے اپنے
 سوالوں سے گھبر ہو رہے ہوں۔ اصل میں میرا
 مقصد یہی نہیں کہ مجھے آپ کے بارے میں کچھ
 جانے کی ضرورت ہے، ایک قسم کی اندری نیو۔ میری یہ
 بھی دانتیں تھی ور ہے کہ کچھ اس طرح آپ کی توجہ
 ہے لیکن مکتا ہے، آپ کے دماغ پر بہت بوجھ ہے یا
 آپ آپ اپنے عذاب کو اشتار کے قائل نہیں

تھیں۔
 "خیر نہیں یہ آپ کی کہہ رہے ہیں آپ
 میرے محسن ہیں۔" میں نے حاجت سے کہی۔
 "گو خاطر ہو، مگر مجھے صاف کر دیجیے۔
 "میں آپ سے بھرپور گوارہ رکھتی ہوں،
 دیکھیں جلد پوری میں خدمت خود اور رکاوٹیں نہ
 کھڑی ہو جائیں۔ آپ بے استامد کا نام یا تھا
 "میں سے چاہتا ہوں۔"
 "آپ چاہتے ہیں؟" میں نے بے گلی
 سے پوچھا۔

"دکات کے دور کی بار اسے پھیری میں
 دیکھا ہے۔ شہر میں تقریباً ابھی سے چلتے ہیں۔ وہ
 ایک شورہ پشت پرے دورے کا شیطان آدمی ہے،
 ایک سرکار کا مذہب کٹ کٹا اور حوصلہ پرے
 بڑے سرکاری افسر اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے
 کھڑے ہیں۔ اس کے گرد ایک سے ایک منہ
 مارا ہوا چھت شہر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لوگ کہتے
 ہیں، بس اس کے سر پر تاج نہیں ہے۔ من مانی،
 دھندل ہٹ دھری۔ شہر میں پیش تر جرائم کے
 پیچھے وہ ہوتا ہے پاس کے حاشیہ پر دار ہوتے ہیں۔
 یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کوئی اس کے آڑے نہیں آتا یا
 سے نہیں بھینٹتا تو وہ بھی اس شخص پر ہاتھ نہیں ڈالتا،
 گو یا تو اس سے کوئی مردکار نہ رکھے یا اس کے
 سامنے میں آجائے، پھر عاقبت ہے۔ شہر میں عورت
 آدھے رند کی طرح رہنے کی جگہ ایک بہتر تدبیر
 ہے۔ اور لوگ مونا مونا کر رہے ہیں اور لطف یہ کہ
 بعض قسم طریق اس سرکش کی تائید بھی خوب کرتے
 ہیں۔ کہتے ہیں، شہر میں ہوتے والے جرائم نہیں
 زیادہ ہوں اگر استامد موجود نہ ہو۔ مراد یہ ہے
 کہ شہر کا ایک طبقہ سے پناہ دلائی جکت ہے۔ طرح
 طرح کے قصے کہانیاں اس کے بارے میں مشہور
 ہیں۔ اور سنا ہے، اپنے دربار سے وابستہ لوگوں کا وہ
 بہت خیال رکھتا ہے۔ رکھتا بھی چاہیے کہ کبھی تو اس

کے دست و پا رہیں، انہی کی وجہ سے اس کی سرکار
 قائم ہے۔ ڈک خاں کی گلی میں رخصی ہو جانے والا
 ہوا اس میدان کا آدمی تھا۔ "اکبر علی خاں کے
 ماتھے پر ٹیکریں ابھر آئیں اور وہ کوئی شدید بات
 کہنے سے رک گیا۔
 "تو کی؟" میں نے بھی سے پوچھا۔
 "تو مجھے بھی ممکن ہے۔" وہ کوئی ہونی آواز میں
 بولا۔ "یہ بتائیے، جس آدمی کے پاتو بچست ہوا تھا،
 اس کی حالت کیسی تھی؟"
 "یقیناً سے بچھڑک رہا ہو سکتا۔ زخم گہرا ہے اور
 جلدی بھی سرخ مچنی نہ ہوئی اور خون زیادہ نکل گیا تو
 کچھ بھی ممکن ہے۔"

"یعنی وہ اپنی جان سے بھی بچ سکتا ہے؟" اکبر
 علی خاں نے بے تعلقی سے پوچھا۔
 "یہ بھی ممکن ہے۔" میں نے کسی جھجک کے بغیر
 کہا۔ "اس کا پتہ تو دربار ہاشمی کوئی اچھا جانو، انہیں
 تھا۔ اسی نوشہ کی وجہ سے اس کا دارکاری بھی ہو سکتا
 ہے۔ ایسے چاقو بار ہاتھ بچا کر رکھتے ہیں، چاقو کو
 لگام دے کے، اور وہ تو میں نے آپ کو بتایا،
 وہ تو مجھے پتا تو دارنا چاہتا تھا۔"

"میں کون گواہی دے گا؟"
 "میں جانتا ہوں، کوئی بھی نہیں دے گا لیکن
 استامد کو تو اصل بات سے آگاہی ہونی چاہیے۔
 گلی کے لوگ اسے جانتے کیوں نہیں بتائیں گے؟"
 "آپ کا یہ نکتہ اہمیت رکھتا ہے۔" اکبر علی خاں
 نے چلتی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور کہنے لگا۔
 "استامد کو اپنے طور پر بھی دانے کی قیمت جاسے
 کی کوشش کرنی چاہیے اور انہی گلی کے لوگ اس سے
 جانتے کیوں بچائیں گے؟"

"گلی سے لکھے ہوئے مجھے دیکھیں ہوئی تھی کہ
 پولیس نے میرا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ اتنی جلدی
 استامد میدان کو خیر نہیں ہوئی چاہئے۔ یقیناً گلی کے
 لوگوں سے پولیس کی توجہ میری جانب مبذول کرانی

ہوئی مگر اب وقت خاصا گر رہی ہے اتنی دیر میں
 استامد کو سب کچھ معلوم ہونا چاہیے۔"
 "اور معلوم ہو جائے کے بعد اس کا رد عمل کیا
 ہوا ہوگا، کیا ہونا چاہیے؟" اکبر علی خاں نے جیسے خود
 سے پوچھا۔
 "وہ اڑے گا کوئی مستند استاد ہے تو اسے
 آدمیوں کی نادانی اور اچکے چپ پر بہت برگشتہ ہوگا
 اور حیرانہ آپ بتاتے ہیں، وہ کوئی خود مر، پر خود غلط
 اور طعنا کیہ آدمی ہے تو اس سے کچھ بھی پتہ نہیں۔"
 میں نے دونوں انداز میں کہا۔

"اسے شہر میں اپنی دھمک، اپنے بھرم کی فکر
 ہو سکتی ہے۔ وہ خاموش ہو جاتا ہے تو اس شرارت
 میں اس کی سبکی کا پہلو نکلتا ہے۔ شہر میں کوئی انہی اس
 کے نہیں آسوتا چاہیے، یہ حقیقت اس کا
 ہمیں سکون غارت کر سکتی ہے۔ ایسے لوگ اپنے
 اصول پسند نہیں ہوتے۔ اسے آپ کی تلاش ہوئی
 چاہیے۔ پولیس بھی اسی کا ساتھ دے گی۔ ظاہر ہے،
 پولیس کے نئے لوگ، اوپر سے نیچے تک اس کے
 پروردہ ہوں گے۔" اکبر علی خاں نے دیکھوں کی
 طرح کٹھن طرازی کی اور مایوسی سے بولا۔ "استاد
 میدان جیسے آدمی سے کسی بہتری کی توقع نہیں۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" میری آواز کی
 تلاش اسے اپنے کانوں میں محسوس ہوئی ہوگی۔
 "میں امکانات کی بات کر رہا ہوں۔" پہلی بار
 اس کے لہجے میں برہمی شامل تھی۔
 "تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟" میں نے سلطنتی آواز
 میں پوچھا۔ "میرے پاس کوئی سارا سارا ہے۔ میں
 استامد کے دم و کمر پر دھوں اور ہاتھ پیر ہاں سے
 انتظار کرتا رہوں؟"

"مجھوری ہے۔ سامنے کوئی ایسا وہ آدمی
 نہیں، پیشہ ور بھرم ہے۔ یہی دیکھنا ہے کہ سر دست
 کون سا راستہ آپ کے لیے مناسب ہے اور اس
 سسکے لیے آپ کو صبر و ضبط کرنا پڑے گا۔ ذرا سی کوتاہی

تکلیفیں درخ اختیار کر سکتی ہے۔" اکبر علی خاں کے ننھے
 بھول گئے تھے اور ہونٹ پھڑک رہے تھے۔ "آپ
 ہمارے تھے گلی میں بعد کو اسے والے آدمیوں کو
 آپ سے بتایا تھا۔ آپ ان سے الجھنا نہیں چاہتے
 کیوں کہ آپ کا ایک عزیز ہسپتال میں ہے اور آپ
 کو جلدی ہے۔ آپ سے انہیں بڑا اداس کرے گی
 پیشہ شہر کی تھی۔ انہوں نے سنی ان کی کردی۔
 کیا آپ بے ہسپتال کا نام بھی پتہ تھا؟"
 "نہیں، بالکل نہیں۔"

"یہ اچھا ہوا لیکن وہ شہر کے ہر ہسپتال میں آپ
 کو تلاش کریں گے ورنہ کے لیے یہ کام مشکل نہیں
 ہے۔ میدان کے پاس بدعنوانی کی ایک فوج ہے۔"
 "انہی بدعنوانی کی وجہ سے مجھے یہاں آپ
 کے گھر میں پناہ دینی پڑی اور آپ سب کو۔"
 اس نے مجھے بات پوری کر لے نہیں دی۔
 "ہمارے بات چاہیے دیکھیں، جو وقت گزر گیا، گزر گیا۔
 اس پر انتہا کا موقع بعد کو بھی آ سکتا ہے۔ بعد میں اگر
 کریں گے اس کا۔" اس نے ایک آہی بھری اور
 دم گرا رہی ہوا۔ "اور خدشے تو اب بھی موجود
 ہیں جناب۔"

"مجھے بہر حال ہسپتال پہنچنا ہے اور جلد سے
 جلد۔" میرے منہ میں کچھ سرکش لہجہ تھا۔
 "میں ٹھہر رہی ہوں تو اس حالت میں ایسے نہیں چھوڑ
 سکتا۔"
 "مگر براہِ دم کس طرح؟"
 "کسی بھی صورت۔"

"وہی تو میں آپ سے پوچھ رہا ہوں۔"
 "میں ٹھہر کے دیکھ رہی ہوں۔"
 "اور سنے میں لوگوں سے مل بھیڑ ہوئی۔
 آپ سوچیں، یہ قطعی ممکن ہے، رستے میں آپ کو
 کسی سے بچوں یا یا آپ پولیس کے ہاتھ لگ
 گئے۔"
 میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ ٹھیک ہی

کہہ رہا تھا۔ مانتے میں کہیں بھی کوئی چتر نہیں سکتا ہے۔ وہ پچیس سو اسی سال کے آدمی دونوں صورتوں میں اسپتال پہنچنا مٹس۔ ہو کے گا۔ ہر سٹ ہوں تو بیک ہم۔ م۔ دو۔ کی طرحیں۔ دوا۔ سے د طرف ٹھیس۔ ۵۱۔ بی۔ تم۔ وہ۔ مہر۔ سے۔ د۔ یا۔ تم۔ کیا۔ مہر۔ ۱۱۔ ۱۱۔ مہر۔ کی۔ خاص۔ ہ۔ ہر۔ ک۔ ج۔ ج۔

لہذا صحت بھی مشکل ہو جائے گی اور دینی اعمال میں آپ کی بے نیامی ثابت کرے، ثبوت و ثواب جمع کرے اور آخر یہ کواڑوں بولنے کوں پتا ہو کرے میں ایک مدت صرف ہوتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کہیں۔ آپ اپنے بیمار بھائی کی دیکھ بھال سے بے اپنی کسی عزیز و حبیباں بلا لیں۔ بارگاہِ رنجیدہ یا اطلاع میں انہیں لے لے جائیں۔ فیصلہ ڈو یہ دوسرے دل کوئی بھی یہاں تقاضا جائے گا اور آپ کوئی وجوہ نہ کی۔ جب تک کوئی فیصلہ نہ آئے انہیں جاتا، میں اسپتال ج کے آپ کے عزیز کی نگہداشت کر سکتا ہوں۔ اسپتال والوں سے بھی آپ کی عمر صحت کا کوئی معقول اندازہ کر سکتا ہے۔ اس دوران آپ کی خدمت کا دو بے پیر میں، جس قدر میرے عزیز فائدہ میں ہر صبران کی طبیعت سے تعمیر ملتے ہیں۔ بخیر ولی بوجھ۔ ہونا جلد بخیر ٹوٹی ہوئی، دورانِ مراں مجھ سے اور شائستہ بننا ہے۔ اور یہی مراں بننا حادی رستی ہے۔ یہاں آپ کے قیام کے دوران میں کسی طریقہ چپ چپاتے آپ کی حمایت فیصلہ آج میں کی تدبیر کی جاسکتی ہے۔ آپ شہر میں نہیں رہیں گے تو یہ سب چھوڑ دیا جائے گا۔ میں قیام نہ کرتے کہ کسی بھی حالت میں آپ کافی الحاح اسپتال جانا ممکن نہیں ہے۔ بھوں کہ ابھی مدد کر رہے ہیں ہو سکتا ہے، جلد ہی غصہ نہ کرے۔ حد کرے، ایسا ہی ہو۔ اور امید امداد میں بوجہ امید سے زیادہ اس کے بخیر برسرِ صحت کا غلبہ نہ۔

ہسپتال سے سوار ہوا تھا اور دو درمیان میں کہاں گھبرا
 تھا۔ اس گفتگو میں ہوئی میں ہماری اقامت اور
 چنے کی معلومات ہو سکتی ہیں۔ تار کے قیام پر میں
 نے پناشہر میں اپنے چنے کے طور پر گراؤ ہوئی کا کام
 لکھا ہے۔ ہوئی کے رجسٹر میں اپنی مستقل سکونت
 کے خانے میں فیض آباد کا پتہ لکھوایا ہے۔ سارا پکارتے
 بکرتے وہ ٹھیل تک پہنچ سکتے ہیں۔ میں کچھ دیر بعد
 اپنے آپ کو چھپا ہوا ہسپتال پہنچنے میں کامیاب
 بھی ہو جاؤں تو بھی شام کو یہ رات تو بالکل کسی وقت
 وہ ہسپتال میں میرے سر پر آدھک سکتے ہیں۔ اس
 طرح ٹھیل کے میں یہ کام آسکتا ہوں۔ اکبر علی
 خاں کا یہ مشورہ ہی صاحب معصوم ہوتا ہے کہ کھانے تار
 دے کے جاسو کو لایا جائے۔ تار میں یہ تاکید بھی
 ہو کہ وہ اکیلا نہ آئے، جامو، استاد میڈا سے ٹھیلے کی
 علاجیت رکھتا ہے اور صرد۔ شہزادے پر وہ ٹھیلے سے
 کسی کو بھی طلب کر سکتا ہے۔ کھانے میں زوردار ہجرت
 بھی موجود ہیں۔ جامو کے ساتھ وہ بھی یہاں
 آجاتے ہیں اور اچھا ہو۔ مگر تار پہنچنے اور کسی کے آتے
 میں کچھ وقت تو گئے گا۔ تار کب پہنچے۔ ادھر ٹھیل
 کے لیے سوچ سوچ کے تو میرے اوسان خطا
 ہو رہے ہیں۔ مجھ پر ٹھیل، ڈانڈا رائے نے یہ شخص
 کی ہے، وہ کسی نیچے پر پہنچا ہے، ایکس ری میں کیا
 آتا ہے۔ یہ اکبر علی خاں، ایک شریف انیس، اچھی،
 ٹھیل کی جبر پیری کرے گی تار میں برآمدہ ہے تو
 قیمت سمجھتا چاہیے۔ ہسپتال میں ٹھیل کو تاج چھوڑ
 دینے سے بکرتے، کوئی اچھی ہی سہی، اس کی
 کشتی حال کے لیے کوئی تو سرخانے موجود ہے۔
 اکبر علی خاں ڈاکٹروں سے ٹھیل کے سے بات کر سکتا
 ہے۔ میں اپنے پاس ٹھیل کا ساری کے حوالے
 کر دوں گا کہ ہسپتال کے اخراجات میں اس کا تاج
 کھلا رہے لیکن یہ تبارل تجویز کسی حد تک قابل ٹھیل
 ہے، اکبر علی خاں نے اس طرف غور نہیں کیا۔ اگر
 میڈا کے آتی صوبہ لگاتے لگاتے ٹھیل تک پہنچ گئے

اور انہیں اسپتال کے کسی ذریعے سے معلوم ہو گیا کہ فصل کو اسپتال لانے اور اس سے برادرانہ رہت کا دعویٰ کرنے والا کوئی اور، یعنی میں تھا، اور میں ڈاک خانے سے ملنے لگی میں ہونے والے واقعے کے بعد اسپتال واپس نہیں آیا ہوں تو لازماً ان کی توجہ فصل کے حوالہ دار اکبر علی خاں پر مرکوز ہو جائے گی۔ اس کا گمراہ کا جذبہ بن جائے گا جہاں منہ پھرنے واقعے میں موجود ہوں گا۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ ایک نہایت خفیہ، اعلیٰ طرفہ شخص، اپنے دشمن کو کسی مصیبت سے دوچار کر دیا جائے۔ اکبر علی خاں کو تو اسی شہر میں رہنا ہے۔ اسے، متاومید کے آدمیوں کی نظر میں نہیں آنا چاہیے۔

”کیا سوچ رہے ہیں جناب“ مجھے چپ دیکھ کے کبر علی خاں سے ٹپکھٹکھٹے میں ٹوکا
”کچھ مجھ میں نہیں آتا۔“ میں نے بی بی آوار
میں کہا۔

”میں سمجھ سکتا ہوں، میری مایہ تو مجھے
بتا دیتی ہے۔ میں اداک خانے کے بارہ بیچ چکا
ہوں۔ جتنا مال و تذذیب لینے کا اتنی دیے ہوں
چاہے گی۔“ آج کل اسے تاروں کا بھی کوئی بھروسہ
نہیں ہے۔ جتنے خاں رحمت تاروں کا اور دقتے
و قفے سے دوسرے تاروں پر پتھر پتھر اچھا اچھا کر رہی ہیں
مومن لینے کا بھی موقع ملے گا۔ دیکھتا ہوں، شہر میں
اس واقعے کی کتنی گونج ہے اور زخمی ہو چاہے والا
توئی کس حال میں ہے۔ بہت کچھ اس کی حالت پر
بھی منحصر ہے۔ ہو سکتا ہے، تم کچھ زیادہ ہی قیاس
کر رہے ہوں اور باہر سب چمٹ چکے ہوں۔
کاش کہ

اور اے سے برتنوں کے کھڑکنے کی آواز چ
وہ رک گیا۔ سادہ ساری میں لباس۔ جوئے نقد
ساروں رنگت کی ایک آواز لایا۔ تھوڑی دیر میں
اٹھائے چلے آدھا گھونگھٹ کاڑھے ہوئے دروازے
نذر آئے۔ گھبراہٹ میں پلوں سے سرک گیا وہ اور
گھبراہٹ۔ دونوں ہاتھوں میں تشت تھا اور دو پلوں
درست نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اندر سے راند ہی ہو سکتی
تھی۔ بھی دو نذر داخل ہوئی تھی کہ ایک اور عورت
سے کمرے میں قدم رکھا۔ میں اسے فوراً نہ پہچان سکا
مگر وہ تو وہی دھیر عورت تھی جو کچھ دیر پہلے دو
ٹکیوں اور بڑے کے رہتی کے ساتھ چوکی پر بے حال
بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے اس تہہ میں کر لیا تھا اور لگتا
تھا جیسے اپنا سر اپنی تہہ میں کر لیا ہے۔ بادامی رنگت۔
متوازن قامت اور متوازن بدن، اطوار میں
تمکنت، رفتار میں وقار، ناک میں لوٹک، کانوں
میں چھوٹے بندھے، گلے میں چھپائی، کلاہیاں
سنہری چوڑیوں سے آراستہ تھیں۔ میں نرمی پر سیدھا

ہو گیا اس سے مجھے آداب کہ تو میرا جسم مل
کھا گیا۔ یہ جھگڑا، مذہب حاکم۔ اکبر علی
اشتیاف امیر کے میں کہا۔ یہ یہاں کا رہا
اکبر علی آداب پر چڑھتی ہیں اور میں ٹھہر کر
چلا۔

میں نے کمری سے اٹھ کے تعظیم دی۔ اس سے
دیکھ میں لانے کی جرات میں ہو رہی تھی میں مجھے کچھ
تو کہنا چاہیے تھا اور میں پہنچا۔ مشکل بہرہ سارا۔ میں بہت
بدم ہوئی، مجھے صاف کر دیجئے۔
”نہیں نہیں، اب نہ کہیے۔“ زہست خاں نے
ٹھٹکی آوار میں شہت منگی سے کہا۔ ”جو بیت گیا، اس
کا کیا حال اور اس کی کیا خوشی۔ وہ تو ماضی جو۔
اسے دہرا سے یہ حاصل، اور صومال جب کہ وہ
خوش گوار بھی ہو۔“ اس کے بچے میں بد کا غنا
تھا۔

”ہاں لیا، وہ تو کسی خواب کے مانند تھا۔“
اکبر علی خاں نے منگی سے بولا۔ ”لیکن اس کی توبہ
بیکل غصہ ہے۔“

زہست خاں کے پاس سے پھر سے پھر ہی بڑی اور
عاقبہ موضوع بدلنے کے لیے شہت کی طرف ہاتھ
اٹھاتے ہوئے وہ زیر لبی سے بولی۔ ”آپ کچھ نیچے
نہ۔“

”یہ آپ نے کیا تلف کر لیا۔“ میں نے پر جھل
آوار میں کہا۔

”کچھ نہیں ہے، سب ہلکا چلا ہے۔“

”یقینی کیجیے۔“ میں نے عاجزی سے
کہا، ”جو کہ ہی نہیں ہے۔“ میں نے اس سے حق کہا
تھا۔ میرا تو جی ہی لوٹ رہا تھا۔

”کوئی اصرار نہیں۔“ اکبر علی خاں نے میری
مشکل حل کی۔ ”مگر یہ شراب حاکم۔“ مجھ پر ہلکا
خاں شہت بتاتی ہیں۔ آسمان کے ہے سے کسی
کہہ لیجئے، پورے کی پورے کسی بیان یہ کسی ہرگز نہیں
ہے۔ یہ تو بہت سے اجرا کا مجموعہ ہے۔ شاید آپ

پہلے آئے۔ اس سے گھر اسٹھ کے میری چاہ
 نکا راب بدتمیزی کے رومے میں تھا۔ میں
 نے گلاس سے پیر۔ ٹمکس سے، پیسا کہ اکبر علی خاں
 دعوی کر رہا تھا مشروب واقعی خوش دانہ ہو
 دانے بھی طلب سے مشروط ہیں اور طلب جسم
 و جاں کی یک ہوئی ہے۔ ہاں ہے۔ میرا جسم جیسے کسی
 خانے میں کسا ہوا تھا، جیسے اندو سے کوئی لونا ہو۔ مجھ
 میں ذائقہ شناسی کی حس ہی نہیں رہی تھی۔ پہنا
 گھونٹ ہی خلق کا تھا ہو گزرا۔ مزید چند محوٹ روم
 یاد کر کے میں نے گلاس پیر پر رکھ دیا۔ "کیسا ہے؟"
 اکبر علی خاں نے حسرت بھرا ہوا چہرہ دیکھا۔
 مرعوبہ ہو؟
 بہت مرعوبہ ہے۔ شاید مجھے بھی کتنا چاہیے تھا
 اور وہ دونوں بھی سننا چاہتے تھے۔ دوستانہ کے
 طلب کا رکود دوستانہ کی تعلیم کرنی ہے۔
 "نہایت اس کی ہر چیز۔ دور وقت تو لگتا ہے
 لیکن یہ اسے تمام اجہام سے خالی ہیں۔ یہ ان کا اپنا
 وضع کیا ہوا علم مجموعی کا مشروب ہے شارب
 ہے۔" وہ اس کے پورا اور اسے حیل آئے۔ اس سے
 چلتے ہوئے نئی تنگی سے پوچھا۔ "یہ اپنی جوتی اور
 کیا کہیں رہیں۔ ٹھیک تو ہیں وہ؟"
 "رام کر رہی ہیں۔ انہیں ابھی اندر ہی رہنے
 دیجیے۔ نہایت خاتم سے دیکھ لکھ میں کہا۔
 "کیوں، کیوں کیا بات ہے؟"
 کچھ نہیں کوئی حاصر نہیں۔ بہت خاتم
 ایک نظر مجھے دیکھ کے جھپکنے ہوئے ہوں۔ "پچاس
 ہیں یہ جست منت کے لیے کچھ وقت تو چاہیے۔"
 "اوہ" اکبر علی خاں کی ٹانگیں ہلکے ہلکے
 تکیں۔ "اس لیے تو میں انہیں یہاں بلانا چاہتا
 تھا۔" وہ کہنے لگے۔ "نہایت خاتم نے
 یہ سیت سے کہا۔

یہی کے مجھے جھپکا سا لگا اور میرا سر جھک گیا۔
 بہت خاتم کے لہجے میں شکام۔ یہاں بھی واقعی
 اسی طرح کی عمری اتنی پختہ نہیں تھیں۔ میں اسی
 بات سے ڈر رہا تھا اب میرا یہاں سے چلنے جا
 ہی مناسب تھا اس گھر میں میرا جو انہیں مشرب
 کے رکھے گا کہتے ہیں، یہاں تاثری آخری تاثر ہوتا
 ہے۔ بعض داغ مٹائے نہیں مٹتے۔ بعض لمبے خوش
 ہو جاتے ہیں، پھر وہی پرندہ لکیروں کی طرح۔
 "یہ ہمارا گھر ہم دو سیاں بیوی، دو بیٹیوں اور
 ایک بچے پر مشتمل ہے۔" اکبر علی خاں نے ہلکی آواز
 میں کہا۔ "شاید یہ آپ کو عام گھروں سے الگ نظر
 آئے، اور ہے بھی بیکر بیکر۔ ہم اپنی خرچ سوچتے
 اور اپنے انداز کی زندگی گزارتے ہیں اور کسی
 دوسرے پر رو نہیں دیتے کہ ہماری روش ہی بہتر
 ہے۔ میں نے قانون کی تعلیم کے سلسلے میں تیس سال
 انگلستان میں گزارے ہیں۔ نہایت بھی دو سال
 وہاں رہ کے آئی ہیں۔ انگلستان کے علاوہ ہم سے
 یورپ کے دوسرے ملک بھی دیکھے ہیں اور قریب
 سے۔ جیسا یہاں سمجھا جاتا ہے، وہاں دیکھا گیا
 نہیں ہے۔ یہاں کے لوگوں کو وہاں کے تقار خانے
 سے خانے اور عشرت کد سے ہی نظر آتے ہیں
 وہاں علی ادارے، کتب خانے اور تحقیقی مراکز بھی
 کثرت سے ہیں۔ وہاں کے علم و فضل، نظم و ضبط
 سے یہ لوگ قطعی بے خبر ہیں۔ شہر نشینی اور اخلاق،
 کاروبار میں دیانت، معاملات میں صداقت اور
 گھر سے، وقت کے پاندہ، وہ اپنے کام سے کام
 رکھتے ہیں۔ ہم تو کہیں کم ہو گئے یا راستہ بھٹک گئے
 ہیں۔ انہوں نے خود کو دریافت کر لیا ہے اور ان سے
 عمل جاری ہے۔ ہم باقی میں رہ رہتے ہیں،
 انہیں مستشرق کی فکر رہتی ہے۔ وہ سمجھتے ہوئے نہیں
 رہتے، زندگی کو سمجھتے ہیں روایت پر اصرار
 کہل پسندی ہے۔ یہاں ہمارے آس پاس کی
 بود و باش جڑی روایتی ہے۔ سو یہ لوگ ہم سے قریب
 ہونے میں کتراتے ہیں حالانکہ ہمیں معلوم ہے،
 انہیں بھی ہمارے طور طریقے پسند ہیں۔ معلوم نہیں
 آپ کے لیا حیالات ہیں آپ ہمارے یہ روایت
 قطعی کسی طرح دیکھیں مگر ایک گناہ ہے۔ آپ بھی
 یہ قول آپ کے جگہ جگہ مڑتے رہتے ہیں۔ سفر
 کرنے والے روایتوں کے معاملے میں سخت شدید
 نہیں ہوتے۔ متعلق تو ہمارا بھی روایتی خاندانوں
 سے ہے لیکن ہم فی ہر دو، نئی چیزوں کو مشکوک
 نظروں سے دیکھ دیتے۔ جو اچھا ہے، اس کے لیے
 دل کشادہ، جو غیر ضروری ہے اسے ترک کر دینے کا
 حوصلہ بھی رکھتے ہیں۔"
 اکبر علی خاں اپنی دو میں مغرب کی اوصاف
 بیان میں مطلب انسان رہا۔ اسے کچھ خیال نہیں تھا
 کہ میں تیس رہا ہوں اور مجھ پر پابندی رہی ہے۔
 کسی۔ مگر کہہ کہہ کر دلیل ہونے لگی تھی تاثری
 کام سے۔ نہایت حاصر بھی۔ "ہماری سنی تھی۔ ہر
 چند اسے اپنے شوہر کی خوش کناری کا عادی ہونا
 چاہیے تھا۔ اس نے قطع کلائی کی اور اندر جانے کی
 خواہش کا اظہار کیا۔
 "ارے ماں" اکبر علی خاں کی جیسے کسی سے
 جگہ مڑی۔ "دو دو چوک پڑا اور اس سے مجھ سے
 معذرت کی۔" پھر اس کی ہی نہیں رہا کہ بے سوغ
 گفتگو، بعض فضول گوئی سے سین۔ لیکن شاید ایک
 جو رہی تھا۔ آپ یہاں قیام کریں تو آپ کو اس گھر
 اور گھر کے کینوں سے محو کی بہت شناسائی
 ہو جائے، باقی کوئی احتیاط نہ رہے۔" اس سے
 خضر نہایت خاتم سے کہا۔ "یہ سیاں آئے یہاں،
 ادارے گھر مہمان رہیں گے اور یہی سرپرست پر
 انتظام کر دیتے۔ اس حالات میں ان کا باہر نکلا کسی
 صورت ممکن نہیں ہے۔ مجھے مجھ دیر کے لیے باہر
 جانا ہے، جلد واپسی ہو جائے گی۔ رہتی سے کہیے کہ
 وہ مہمان کا خیال رکھیں۔"
 نہایت خاتم سے جس آکھوں سے یہ باتیں

نہیں اور یہی تکی سوار میں ہوں۔ "مناسب ہے
 کوشش یہی ہوگی کہ مہمان کو کوئی شکایت نہ ہو۔" پھر
 اس سے میری طرف نگاہ کی۔ "کسی چیز کی ضرورت
 ہو تو تلف سے کہتے گا۔" یہ کہتے ہی وہ انھیں کمری ہوئی
 اور تیر قدموں سے دروازے کی طرف لوٹ گئی۔
 "آپ یہاں جیسے رہتی ہوئی کو آپ کے پاس بھیجیں
 ہوں۔ میں بھی ذرا حلیہ ٹھیک کر کے کے لیے غور
 کرتا ہوں۔" عینک کے ادھار ہو جانے کی یہ ہوئی کہ
 اکبر علی خاں ایک گوشے میں رہی ہوئی میری گئی اور
 کاغذ فلم انڈی کے میرے پاس لے گیا۔ "مار کے لیے
 آپ پیغام کا متن اور پانچ لکھ دیجیے۔ میں تیار ہو کے
 بھی آتا ہوں۔" اس جستی و مستعدی سے وہ اپنی
 طوں کلائی کی تلائی کرنا چاہتا ہوگا۔
 "یہ یہ میدان سنا۔ کاغذ کا لکھا کہاں سے؟" میں
 سے ہلکی سے پوچھا۔ وہ دروازے کی طرف
 جاتے جاتے رک گیا۔ "کیوں، کیوں صاحب؟"
 "آپ جانتے ہیں؟"
 "نہیں ہاں، میں کیا سارا شہر جانتا ہے مگر
 آپ یہاں پر پورے جانتا ہیں؟"
 "یہاں سے ہی دور ہے؟"
 "یاد رہا یہ دور نہیں۔" وہ کھمبے ہوئے
 کچھ میں ہلا۔ "نہیں پچیس منٹ پیدل کا راستہ
 ہوگا۔"
 "میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔" میں نے پھیری
 ہوئی آواز میں کہا۔
 "کیا، کیا، کہاں جاتے ہیں؟" یہاں سے
 آپ کے دماغ میں؟" اس کی تو رطوبت میں پھنس
 گئی۔ "میدان استاد کے کھانا ہے؟"
 "یہاں۔"
 "میدان استاد کے سامنے آپ ہوش میں تو ہیں
 میں؟" میں نے آپ کو بتایا ہے وہ کیسا بھلی آدمی
 ہے، وہاں، مجروں کے پتے میں ہاتھ ڈالنا چاہتے
 ہیں آپ؟"

میں آپ سے بالکل مشغول ہوں، وہ بہت بڑے لوگ ہیں، مددیں لوگ۔ اب سے کسی بھائی کی توقع موصول ہے۔

”دیکھتے ہیں، وہ تو ویسے بھی۔“

”ویسے بھی کیا؟“ اس کا پہرا بڑے لگا ”یہ کھر آپ کے لیے بالکل محفوظ ہے۔ تیار رہتے ہی آپ کے بھائی کی دیکھ بھال کے لیے کوئی نہ کوئی ضرور آجائے گا۔ ایک رات اور دن بھر کی بات ہے۔ جو صدر رکھے میں اپنا میڈیکل کالج کا اسپتال علاج معالجے میں دور دور شہرت رکھتا ہے۔ وہ اپنی جانب سے کوئی کسر نہ چھوڑے گا۔ انشا اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”مگر وہ وقت یہ ایک رات در کل کا دن“ میری آواز دہکتی تھی اور میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”مجھے اس کے پاس جانا ہی ہوگا۔“

”معاف دیجئے، آپ ابھر کسی باتیں کر رہے ہیں۔ وہاں چلے گئے سبے داہ گردن کے سامنے سب داہ گردن دکر رہ گئے کیا؟“ ان لوگوں کے آگے جو رحم و کرم نہ کی کسی شے سے واقف نہیں۔

”مگر وہ بھی جی ہیں۔“

”مگر کیسے دی، کیسے دی۔“ وہ بھڑکتی آواز میں بولا۔ ”اے دی نے آپ کا بنو چڑھا۔ چاقو لگا کر دی آپ پر حملہ کر دے۔ انہی کے ایک آدمی کی گولی مارا دی کی وجہ سے اس کا دوسرا آدمی زخمی ہوا، اور شہم یہ کہ پولیس آپ ہی کی تلاش میں ہے۔ وہ یہ لوگ ہیں۔“

”نیک چاہے سے باور کرانا ہوگا۔“

”کسے؟ استاد میدا کو؟“ اکبر علی خاں کے بچے میں درشتی آگئی۔ ”اور آپ کے خیال میں وہ وہاں جائے گا؟ اچھا ٹھیک ہے۔ اگر وہ نہیں مانا؟ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔“

”مجھے سن رہا ہے۔“ میں کرسی سے اٹھ گیا۔

”کیا، کیا آپ، واقعی، نہیں نہیں میاں۔“

”مجھے جانے دیجیے آپ کا بہت اسباب ہے، آپ اور آپ کے سر دائوں نے جس اہلی ظفر کی سلوک کیا ہے، میں اسے بھی فراموشی نہ کر سکوں گا موقع ملا تو ایک بار ضرور آپ کے پاس آپ سب سے دست بستہ معافی، تلقین آؤں گا۔“

”اے تو ٹھیک ہے مگر میں آپ کو باہر جانے نہیں دوں گا۔“ اس نے عرض کر کہا۔

”ارادہ کرم مجھے اب مت روکیے۔“

”کیسے جانے دوں، میں آپ کو آگ کے حوالے کر دوں؟“

میں نے اپنا ایک اٹھایا اور باہر جانے والے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دھج کرنا اور میں کرتا رہا۔ انکار کی شرمندگی سے چپے کے لیے مجھے جلد از جلد باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ میں نے لپک کے دروازہ کھولا اور باہر آگیا۔ وہ بھی میرے پیچھے چلے تقریباً چھپتا ہوا آیا اور اچھڑی میں میرا بازو پکڑ لیا۔ یہ آپ کے سر میں کیا سودا لایا ہے؟ ایک تو وہاں تک آپ کا ہتھکانا مشکل ہے۔ راستے میں پولیس کی نظروں میں آگئے یا اس بد بخت کے آدمیوں کی

”وہ مجھے نہیں روکیں گے۔“ میں نے دھڑکتے سے کہا۔ ”میں انہیں بتاؤں گا کہ میں استاد کے پاس جا رہا ہوں تو وہ مجھے نہیں روکیں گے بلکہ میدا تک پہنچانے میں میری مدد کریں گے۔ اس کی نظروں میں، میں میدا کا مخرم ہوں۔ وہ تو اس عجوبے پر خوشی کا اظہار کریں گے کہ میں خود کو میدا کی عدالت میں پیش کر رہا ہوں۔ میدا کی خوش فہمی حاصل کرنے کے لیے مجھے اس کے روپہ رو کر دینے کی انہیں بے شکا ہوگی۔“

”گویا آپ بے شے کر رہا ہے۔“ اس کے شانے لٹک گئے، آواز بھی۔

”میرا اسپتال جانا ضروری ہے۔ میں اپنے

بھائی کو ایسے نہیں چھوڑ سک۔“

”یعنی آپ کا مطالب ہے، اس طرح آپ کو اسپتال میں داخلے کی اجازت مل جائے گی؟ میں نے آپ سے کہا ہے میں آپ کے بھائی کی پرستش کے لیے اسپتال چلا جاتا ہوں۔“

”کاش یہ ممکن ہوگا۔“

”یہ ممکن نہیں ہے۔“

”خیر، ہے، آپ کی ناکامی کی سزا پر کیوں نہیں جکی؟“ فعل بھائی کے پاس آپ کے چلے چاہے سے مراد ہے، اپنے فکر کی نشان دہی کرنا۔ وہ آسان سے پھر آپ کے سر پہنچا سکتے ہیں، جہاں میں روپوش ہوں گا۔“

”یہ کیسے؟“ مجھے پتہ نہیں تھا۔ ”وہ جڑ ہوئے لگا اور میری ہی طرف سے پہلے ہاتھ ملنے کر کے پچھائی ادا کر رہا ہوا۔“ آپ غیظ کہتے ہیں۔ یہ ممکن ہے، قطعی ممکن ہے۔ واقعی یہ پتہ میری نظر سے دور رہا مگر اگر اس کے باوجود میں آپ کو مشورہ نہیں دوں گا۔“ آپ استاد میدا کے ٹھکانے کا رخ کر رہے۔

”میں نے ارادہ کر لیا ہے۔“ اپنے بچے کی مطاعرت نے خود مجھے رر رہا۔

وہ میری شکل دیکھا کیا اور باپوسی سے بولا۔ ”ٹھیک ہے میاں۔ آپ پھر کوئی حکم تو نہیں چلا۔“

”ایسا مت کیجیے۔ میں نے آپ جیسے درد مند اور صاحب دل کہہ بیٹھے ہیں۔“

”پھر بھی آپ میری بات نہیں مان رہے۔“

”مجھ سے ا۔ چھ مت کیجیے۔ میری گزارش ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ وہ آڑی بولی آوار میں بولا۔ ”پھر تھیرے۔ میں بھی آپ کے ساتھ پہتا ہوں۔“

”آپ آپ میرے ساتھ چلیں گے۔“ میر

سار وجود سٹ پنا گیا۔ ”نہیں نہیں۔“ میں نے شدت سے انکار کر دیا۔

”یوں نہیں، میں آپ کو اکیلا کیسے چھوڑ دوں؟“

”اب آپ کا چاہنا مناسب نہیں ہے۔“

”یو میرے لیے مناسب نہیں ہے، آپ کے لیے بھی نہیں ہو سکتا لیکن آپ سے غصہ ہی کی ہے تو مجھے بھی ساتھ رکھیے۔“ آپ تھوڑی دیر کے لیے اندر چلے۔ میں جوتے چمک کر آتا ہوں۔

”میری خاطر آپ کیوں جو حکم میں پڑنے ہیں۔“ آپ کا تعلق کی شہر سے ہے۔ آپ کو س لوگوں کے سامنے نہیں آنا چاہیے۔“

”مجھے نہیں آنا چاہیے۔ میں جانا ہوں لیکن جب آپ ہمت کر سکتے ہیں تو میں بھی بڑھ جاتا ہوں۔“

”کرنی استقامت رکھتا ہوں۔“ چپے، مدد چپے، میں تیار ہو کے آتا ہوں۔

مزید بحث، اصرار، وضع امرات کے سامنے تھی۔ امرات بڑی زنجیر ہے۔ ہاں غور مت کیجئے، وہاں اندر آنا پڑا۔ وہ جب تلاش کے آئی تھے۔ ان کا اصرار میری سمجھ سے باہر تھا۔ آدمیوں کی بھی ہر ر انہیں ہوں ہیں۔ مجھے کرسی پر بٹھ کے وہ فوراً ہی اندر چلے گئے۔ میرے پاس وقت تھا کہ میں پیچھے سے نکل کھڑ ہوں۔ دروازہ کھد ہوا تھا لیکن میں طرح بھاگ جانا مجھے اچھا نہیں لگا اور وہ میری توقع سے کم وقت میں وہاں آگئے۔ ایسے طرح دار صاحب وضع، ایسے ہاتھ شخص کی قدر و منزلت سمجھ چکا تھا، کسی بھی وجہ ہو جاتی۔

ابوں نے سینیٹی رنگ کی شیرٹ پہن لی تھی۔ مستر اسٹیم شادی جون۔ سر پہ دوپٹہ ٹوپی تھی۔ اس وسیع قطع میں وہ بالکل مختلف نظر رہے تھے۔ جیسے کسی عریب میں شرکت کے لیے جا رہے ہوں۔ ممکن ہے باہر جاتے وقت ان کا بھی حلیہ ہوتا ہو۔ میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس اہتمام کے معنی بھی

کسی قدر کچھ میں آئے تھے بہرحال وہ ایک چارہ بیب کھس بنے درمیان میں تو سب کی شخصیت پر برا فاعر ہو گئی تھی۔ پتہ صاحب اس کی تو رہی مصلحتی تھی، یہی استوری جو ہر قسم کے بیمار پر آمد کی کہ بعد میں کس ہوتی ہے۔

میں ڈیوڑھی سے گزرتے ہوئے گلی میں گئے۔ ڈیوڑھی سے ہاتھ آگے دھیر گئے۔ اسوں سے مجھے مشورہ دیا کہ کیوں نہ میں پد بیٹھ گھر میں چھوڑ دوں اور مجھے کچھ بننے کی ضرورت نہیں پڑی۔ کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے میری کمر پہ ہاتھ رکھا اور "گئے جلدی پڑے۔" گئی سہیڈ چوڑی گئی۔ رات گھروں کی تعداد بھی کم گئی۔ جس سمت سے میں یہاں پہنچا تھا، اکبر علی خاں اس کی مخالفت مست جا رہے تھے۔ سب کی رفتار ٹیڑھی تھی۔ گلی میں سے دانے اکا دکار وہ گھیراں۔ نہیں سہا کر کیا۔ وہ خندو پیشاں سے جو اب اپنے ہو۔ بڑھتے رہے۔ اب کے پہلو پہ پہلو چلتے ہوئے مجھے اپنی کیفیت کسی مہول کی کی غسوس ہو۔ گلی تھی۔ یوں بھی شام ستوں میں راہ گیر کا تہوڑی کچھ در ہوتا ہے۔ میں گلی پار کر کے ہم ایک کشادہ سڑک پر آ گئے۔ سڑک کے کنارے قطار سے بندے تائے جان کھڑے تھے۔ کچھ کہے سے ہمیر وہ پہلے تائے پر بیٹھ گئے۔

ستاد میرا کا پتا جاننے پر خستہ حال و محروم سیدہ کو چوں کے ہاتھ پر ہل پڑ گئے تھے لیکن وہ بڑبڑا کے رہ گیا اور چاہک بندہ کر کے اٹھتا ہوا کھوڑا بیدار کیا۔ کچھ خامیوں پر سڑک کے دونوں اطراف مکاویں کا سلسلہ شروع ہو گیا اس طرف بھی بھڑکی رہا وہ گئی۔ اکبر علی خاں۔ درنیک مجھ سے گلام نہیں کیا۔ میں بھی چپ رہا۔ حصار بہتہ بہت سے گزرتی لیکن کچھ درگے جا رہے، میں صاحب مجھے ہی تاکا بیٹھ دوسری سڑک میں رعل نہا۔ کسی دفع پہلے چلے۔ ہی۔ تائے ان چارے لگا۔ کبر علی خاں کے متعصب پر اس سے تھا کہ وہ بید

سے واپس ہی مجرم کی گاڑی میں سرگرمی سے۔ کس سے دیکھا اسے چھ مہم میں تھا۔ ایسی خاص سے بھی کریدہ میں تھی۔ ہم دونوں چھیل نشہ پر بیٹھے تھے اس سے صرف کرنا تو راستہ ہی نظر آتا تھا۔ تائے نے کچھ دفعہ صاف طے پاتا تھا کہ اسے رک جانا پڑا۔ میں سے چپ کے دیکھا اور ایک لمحے میں سارا منظر عیاں ہو گیا۔ "گئے کھٹھ سوار یوں کے پار چلے گئے۔ وہ بر سوار ی اور پیدل راہ گیر کا چارو لے کے آگے جا رہے کی اجازت دے رہی تھی۔ اکبر علی خاں کی مٹنی حیر نظریں مجھ پر مڑ لانے لگیں اور میرے نکوت و سکون سے وہ مطمئن ہو گئے۔ ہم تائے سے اتارے پیدل وہاں جو بیٹھے تھے میں راہوں سے ایسا جلی اور دو غار یہ نہ میں سے۔ آ۔ والے وقت سے سوار ہالی۔ لیے میری طرح انہوں نے بھی خود کو جڑے رکھا ہوگا۔ تاکہ آخر یہ کھسکا وہ اپنی س کے قریب پہنچ گیا۔

دعویٰ میں۔ بہرہ روزی شکی ہو چکی تھی۔ پولیس کے گلی افسر کا وہاں موجود تھے انہوں نے معاندانہ ادا میں ہم اوروں و گاہوں میں توا اور کوئی سوال جواب پتے بغیر ہمیں آگے جانے کی اجازت دے دی۔ میں سے پد بیٹھ نشست کے کچھ جیسے میں ڈال رہا تھا۔ تائے کا یہ حصہ مختصر ہونے سے اٹھکا ہوا تھا۔ بیٹھ بھی میری ایک نشانی تھا۔ اکبر علی خاں کے گھر میں پناہ حاصل کرنے سے پہلے راہ گردن گلیوں میں کھوتے ہوئے بہت سے راہ گیروں نے مجھے بیٹھ کے ساتھ دیکھا تھا۔ پدیس اہل کار کھٹک گئے تھے یا ان کی تو انہر علی خاں کی کھرا کھیر شخصیت ہی پر کور رہی یا انہیں یہی شکل اور ہونے والے تھے میں کوئی نسبت وصول نہیں کی۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے تاکہ اس مصلے سے۔

میرا جوی ٹرڈ تھا۔ کچھ اور بعد تاکا ایک خاں بدلتے میں داخل ہو گئے قریب ہی پار لایا تھا وہاں چاروں طرف وہ

تعمیر میں رہی رہی تھی خرابی میں خرابی عام کی تمام چھوٹی بڑی دکانوں چائے خانوں اشیائے خورد و پیش، سلاطین اور پان چیز کی دکانوں پر مشتمل تھیں۔ وہاں کسی سے مجھے پتہ نہ تھا وہ ڈاک خانے کی گاڑی جلی شادی ہو سکتی تھا

اسی سے دوسرے دوسرے سے تیرے کو اشارہ کیا۔ دیکھتے دیکھتے اس کی وحشت نماں ہوئی تھی اور شور مچنے لگا۔ اس کے اشاروں سے اچانک اور عل غبار سے اسے اکبر علی خاں کو بھی اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ میں بیجان لی گیا ہوں اور بات کئی آگے جا چکی ہے۔ حیرت انگیز طور پر ان کا سراپا کھنچا اور تہا ہوا رہا۔ تائے والا نہ سراپا ہو چکا تھا۔ بار بار بیٹھ مڑ کے دیکھتا، بھی انہیں، کبھی نہیں۔ چور سے۔ نہ تقدیم کی دوری پر تائے کے چپے پیدل اور مائل سواروں کی تعداد میں اور اضافہ ہو گیا۔ وہ ہمیں دکانوں میں رکھے تائے کے ساتھ ساتھ بڑھتے اور شور مچاتے رہے۔ اس میں سے کوئی بھی نہیں بڑھتا سے آ۔ اور ہم سے پار ہوں کرنے کی جرات نہیں کر پا رہا تھا۔ ہمارے سکون نے شاید انہیں مدد دے دکھا تھا۔ میں نے اپنے ہوش و حواس متوازن رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ایک اور موڑ پر آئے تاکہ رک گیا۔ پندہ نہ رہی رگھت اور نیم پندہ عمر کے ایک بہت قدر اس ڈیل شخص سے اب تک سامنے آئے دامن چاہتے تائے کا کام پڑا۔ وہ ہم سے غریب حصول کی تھا سوز گانے کی وجہ سے تائے کو رفتار بہ حد ست گئی۔ تائے نے گلی بھٹنے کھائے، کھوڑا اٹھایا۔ کو وہاں پہنچے گا کدھر جتی ہو۔" تائے کو روکے والے میں نے ہانکتے ہوئے پوچھا۔

کو چاروں اور میرے بچائے اکبر علی خاں سے جلدی سے جواب دیا۔ استاد میرا کے پاس۔ ہمیں ان سے ملنا ہے۔ "ان کی آواز سہری تھی۔" "ایں میں اوہی اچھا" تائے کے بچھے

جڑھتے ہوئے ہجوم میں سے کسی نے ہانک لگائی۔ "ہم بھی کچھ بیت ہیں۔" گینڈے جیسے جسم اے یہ رانامی شخص۔ نکوت سے کہا۔ چھو ہو چوہو رہی ادھر آگیا۔

یہ سنتے ہی تائے سے پھر ایک لگا کے میں سڑک پر گیا۔

"ہم یہ میں ہی ہوں۔" میں نے بلند آواز سے کہا تو جمع پر سہا چھ گیا اور مجھے گھر میں صحن بہن بہن میں بدل دیا گیا۔ اس دم کبر علی خاں سے تائے سے اتر کے دروازے پر ہاتھ تھام رہا۔

"یہ میں ہی ہوں، بھی طرح دیکھو۔" میں نے اپنی آواز کا بلا میں کی اور سر دیکھے میں کہا۔ میں تمہارے استاد چنا شہر کے راجا استاد میرا کو دیکھنے آیا ہوں۔"

"ستاد میرا کو دو۔" میرا خاص پورلی کچھ میں کو کو کھانے کے در پھر کے ہوا۔

"ہاں اسی کو۔" اسے میری حاضری سے نا۔ تو میں خود اس کے پاس آ گیا ہوں۔ اسی سے کھوڑی بات کرنی ہے۔ مجھے کس کے پاس سے چھو یا سے ادھر لے آؤ۔ فیصلہ نہیں بھی ہو سکتا ہے۔

کبر علی خاں سے مجھے "بھجوز۔" میں۔ میں۔ "وہ ہدیہ انعام میں ہوئے۔" یہ آپ کیا پھل بنا کر رہے ہیں۔ ذرا پنے آپ کو سبباں کے دیکھتے ہیں۔ ہم کہاں ہیں۔

میں نے انہیں کھانے کے انہیں خاموش رہنے کی تاکید۔ یہ رانامی شخص کی نکلیں اہل پڑی نہیں، پیرے پر آگ سی بڑھ گئی تھی۔ کوئی بغیر نہیں تھا کہ وہ کچھ پر بہت پڑتا میں وہ پھر وہاں پھنکارتی اور میں ہوا۔ فیصلہ کرنا ہے؟ پہلے تو ہم شہر سے گئے کھڑے میں۔

ہم سے کیا بات کریں۔ تم سے پنا کوئی پیر میں سے در تم ایسا چاہے ہو تو کسی دھور تمہاری سہت بھی نکال دیں گے دھر ڈاک خانے کی گلی

میں استاد کے تین دینی دیکھے ہیں، ہم کو بھی دیکھ لیں گے۔ پہلے بچے استاد سے پوچھ کے آؤ۔ بعد کو اسے کوئی شکایت نہ ہو۔" میں نے کہا۔

میں نے بھی طرح پر رن کمر کا تجویز کر دیا تھا۔ وہ اڑے ہی سے متعلق دلی تھا جسے ہم لوگوں کی آڑے سے دیکھی اسے تو انوش، استاد کی خدمت، محنتی کے کام وغیرہ سے بھی گہری ہوتی ہے۔ میرا اسی لوگوں میں سے کوئی ایک تھا۔ چاقو باری میں، ہوسکا ہے، کبھی کون درگ رکھا ہو لیکن اس کا پوری جٹ پ چاقو باری کے ہے۔ دم مستعدی کا نہیں نہیں ہوسکا تھا۔ اتنی دیر میں میں در آدی سامنے گلی کے غدروں میں سے بچتے بلکہ بھاگتے ہوئے نظر آئے۔ وہ صاف ڈرے کے آدی تھے۔ انہوں نے قریب آ کے ہمارا ٹانگا دنگے کے چپے، رحام، اور اپنے سامنے ہر کا غضب آلودہ پہرہ دیکھ کر تو حیران و پریشان ہو گئے۔ ہر دہری طرح ہٹایا ہو تھا۔ اس کے منہ سے گایاں نہ پڑیں اور گایوں کے دوران اس نے اس چیزوں کو میرے ہارے میں بنایا۔ تینوں کو ایسے یقین ہی ہیں آئے۔ پھر اس کی آنکھیں لگا کر ہوئے تھیں میں نہیں سے ہرہ کے شے تھپ تھپ کے اسے پر سکون رہے کا درس دیا۔ ہر دہری جھٹکے لگا۔ میں نے ایک پر دہری کے آدی سے ہر دہری کا وہ نظر ہمارا کر کے خدمت سے مجھے غائب کیا تو تم ہو دہری

میں نے سر ہٹانے پر انکشاف کی۔

"کاتم ہے متو دے پیو؟"

ہاں میں نے تندی سے کہا: "سی ہے"

دوہریا ہوا۔

کا ہے کو؟" اس نے حاکمہ بکھے میں

پوچھا۔

"اس سے بات کرنی ہے۔"

"ہم کو تا پو پو؟"

"تم ڈرے کے مالک ہو کی؟"

"اورا تارائی دس تو؟"

"ہاں میں کے۔" میں نے یہیں ظاہر کیا۔ ہاں میں کے۔ وہ آڑے کی چوٹی پر بیٹھے ہیں اور میں ہاں میں تو نہیں آ کے جواب دہ۔ پھر ہم دیکھیں گے۔"

"کا کا دیکھو؟" وہ بھی سے بولا۔

اور نہیں کیا تا میں اچھا ہے ہم جا کے استاد کو بتاؤ اور وقت پر، صحت کرو۔" میں نے بے اعتنائی سے کہا۔

مجھے اندازہ تھا کہ ڈرے سے استاد کے نیچے آئے والے کسی بھی شخص کو صورت حال سمجھے، اسے ساتھیوں اور شور مچانے والے لوگوں پر اپنا کرم قائم رکھے، مجھے پریشان اور خرد اپنی ہی کے ہے ہمارے قومیت کی محنت کرنی پڑے، وہ آڑے کا کوئی معتد معتد آدمی معلوم ہوتا تھا اسے بھی بہ حال اپنے استاد کی خدمت میں مجھے چل کر۔ لی بے تزلزل ہوئی اور مجھ سے بات پر وہ بڑھ جائے لی صورت میں استاد کی ناراضی کا خدشہ انگ ہوگا میں یوں مجھے چانک ساٹنے دیکھنے اور میرے مطالبہ اس کے اسے لورا باہی بھی نہیں بھرتو چاہیے گی۔ اس کے ساتھ آئے والے دونوں سامنے دلی انداز سے لیے بیز کر رہے تھے۔ ہر دہری بچ دناپ کھا رہا تھا۔ کسی وجہ سے وہ خود پر جبر کیے ہوئے تھے اور وہ ایک ہی ہوسکتی تھی کہ اپنے ہنسنے سحر سامنے کا پاس خاطر، مع تھا۔ سحر سامنے، استاد میدان کا کوئی مغرب خاص ہوگا یا کوئی مٹاتی، زور آور اور صلیب امرائے آدی۔ اس میں کسی حد تک تنجیدیں تھیں۔ تنجیدیں اور ہر دہری کی بھی اپنی ایک مصلحت ہے۔ میں نے استاد میدان کے سوا کسی اور سے بات کرنا ہے صاف انکار کر دیا تھا۔ میرا غم میرے بچوں کی شکل سے عیاں تھا۔ اس سے مزید گھرا سے اجتناب کیا، بنگاری بھر کے چل ہوئی آوار میں ہلا ٹھیک ہے جو کے مالک کو دولت ہیں گئے

ہے ہمارے کو سامنے دیکھ کر کو خوشی ہو دے گی۔"

میں نے اپنی زبان بند کر لی۔ اکبر علی خاں کے چہرے پر رنگ آ رہا ہے، رنگ چاہے تھے۔ میرے اشارے پر وہ بد سوا سے تانگے پر سوار ہو گئے، پھر میں بھی انکی نشست پر ان میں سے دو آدمی کو چوان کے برابر بیٹھ گئے۔ جیسے ہی تانگے نے حرکت کی، پیچھے ہجوم کا شور بڑھ گیا۔ وہ جو کہتے ہیں، کان چڑی آوار سانی نہیں دیتی تھی۔ کبھی میں بچہ دور جا کے مکانوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور میں بھی کم ہوتی گلی کا یہ حصہ بچہ چڑا تھا۔ دونوں اطراف اونچے بچے اپنے بچے کے مکانات سے ہوئے تھے اور ان کے دروازوں، چشموں اور کھڑکیوں پر لوگ جمع ہو چکے تھے۔ ہمیں بہت آگے جانا نہیں پڑا۔ ادھر ادھر پھیل ہوئی چھوٹی، دل انہوں سے بھی ہولی دیوار کے رخ میں بے تیزی کے ایک بلند اور وسیع چانک کے سامنے تانگا ٹھیک کیا۔ چانک کے دونوں طرف کی دیواروں میں درمیانے سائز کی کھڑکیاں بنی ہوئی تھیں۔ دیوار سے مٹی کھروں کی کھڑکیاں بنی ہوئی تھیں۔ کھڑکیوں کے اوپر روشن دان تھے۔ انہوں کی بڑبڑاہٹ اور بچی، دیوار، قد میری کھڑکیوں اور صحت کی منڈیوں کے نیچے روش دانوں سے کسی جیل کا گماں ہوتا تھا۔ چانک کے دائیں بائیں دیوار کے ساتھ کوئی سات آٹھ گز لمبے، گز، سوا گز چوڑے چوتروں پر آڑے کے آدی منظر پر ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ ہمارے تانگے کی آمد پر وہ چوتروں سے کود پڑے اور انہوں نے تانگا گھیر لیا۔ زیادہ عمر کا آدی تیزی سے تانگے سے اتر کے کسی سے کچھ کام کیے بغیر سیدھا چانک کے کھلے مٹی میدان سے میں داخل ہو گیا۔ ہجوم چھوٹا سا جیل پر آ کے ٹھیک گیا تھا اور اس کا شور بھی کم ہو گیا تھا۔ چانک کے باہر موجود آڑے کے آدی اصل معاملہ جاننے کے لیے وحشت زدہ ہوں گے۔ تانگے میں میں دھرا آدی بھی اتر گیا اور اس نے سر کوٹیا۔ انداز

میں انہیں کچھ بتایا تو سب کی نگاہیں ہی پر مرکوز ہو گئیں۔

اکبر علی خاں اور میں تانگے میں بیٹھے رہے۔ یہ وقت مجھ پر تو حیران گر رہا تھا، مگر رہی رہا تھا۔ کمر علی خاں شاید پچھتا رہے ہوں کہ انہوں نے میری ہم رکاب پر کیوں اصرار کیا تھا۔ ہر طرف لوگ ہی کو گھور رہے تھے۔ یہ لگا ہوں کا کھینچنا یا آنکھوں کا حصار بہت اذیت ناک ہوتا ہے۔ آڑے سے آدمیوں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہم پر لوٹ پڑیں۔

یہ شب ب محض شب نہیں رہا تھا کہ رخی ہوجانے دے آدی کی حالت یا تو زیادہ حرب ہے یا وہ ختم ہو گیا ہے۔ کوئی معمولی قسم کا زخم ہونا تو ہجوم کی کیفیت کی خاطر داری نہ ہوتی۔ سحر آدی کو وہی میں درگ تھی۔ چوتھیں میرے لیے تشویش کا باعث ہوں پانچے گی۔ اکبر علی خاں بھی ب دم سے بیٹھے تھے۔ پھر میں تھا کہ سحر آدی کے ساتھ میں بھی تانگے سے اتر کے اس کے پیچھے چل پڑا۔ اس نے مجھ سے انتظار کرے کہ کبھی بھی نہیں تھا، نہ ہے ساتھ دھڑچے کا کوئی منہ پر رہا تھا۔ میں خود ہی ٹھیک کیا تھا۔ اندر یا تو میدان سے اس کی طاقت فوراً نہ ہوگی یا وہ میرے ہارے میں اپنا رویہ معین کرے اور کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے باہم شورت میں مصروف ہوں گے۔ انتظار کرانے کی یہ عسکت دست بھی ہو سکتی تھی، پر شونتہ قائم کرنے کی ایک کوشش، منظر محض کے عصاب اور نوس کی آرمائش اور یوں سے نفسی طور پر نہیں پا کرنے کی تدبیر۔ تانگے سے اتر کے چانک کے مٹی دروازے سے سیدھے عمار چلے جا۔ کی حسرت اب قریب مٹل نہیں تھی۔ جلد یا بدیر کسی کو سہر حار اندر سے آنا تھا در مجھے نظر کرتے رہتا تھا۔

پھر وہ صحت گز رہے ہوں گے یا نہیں۔ میرے لیے تو یہ وقت بہت طویل تھا۔ اندر سے وہی شخص

مردار ہو اور اس نے قریب آئے کے بجائے
پچانک کا دروازے پر کھڑے کھڑے جھڑپ کئے انداز
میں ہاتھ ہانکے کھینچے اندر آئے کی دعوت
دی۔ دعوت کیا نکھر دیا۔ میں نے اکبر علی خاں کو
سوں صاب نظروں سے دیکھا کہ وہ میرے ساتھ
بندر چلنے کے لیے تیار ہیں یا تاکنے میں ٹھہرے
رہنا چاہتے ہیں۔ مجھے حیرت ہوئی وہ میرے ساتھ
ہی تاکنے سے انہیں ہے۔ میرے اندر چلے جائے
کے بعد کلاں حریف سے رہنا مناسب بھی نہیں تھا۔
تو لوگوں کی موجودگی میں تنہائی اور شش کشی اس پر
بڑی گراں گزرتی۔ ہم دونوں ایک ساتھ
پچانک کے اندر قدم رکھا

پچانک کا اندرونی حصہ کسی ڈیوڑھی کے
تھا۔ اندر بیڑی ڈیوڑھی پچانک کے طول و عرض سے
کھینچ کر پھیلا رکھا تھا۔ دائیں بائیں دو کمروں کے
میں ایک چوت سے اٹھکی ہوئی چھٹی اس میں شامل
ہوئی تھی۔ یہاں چار بیڈیاں تھیں بڑی بولی تھیں۔
ایک کوٹے میں گھڑا دھوپ کھڑے رکھے ہوئے تھے
اور پانی پیسے کے لیے کھڑا پانی کے آب خود۔
دیواروں میں جامانی خاتون میں طرح طرح کا
سایاں بھرا ہوا تھا۔ فرش صاف تھا۔ پچانک
کے سامنے کا حصہ کھلا ہوا تھا اور جامی اور تک بھی
زمین لکھائی دیتی تھی اور کہیں کہیں جہزہ بھی لگا ہوا
تھا۔ تین قدموں سے ہم سے صحرآدی کی بے رومی
میں پچانک کا اندرونی حصہ عبور کیا اور ایٹوں سے
تو گرگہاہ پر گئے۔ گرگہاہ میں طرف مڑ جانی
تھی ورنہ جیسے گز کے فیصلے پر قدم طمرانی ایک
پتھر کو رست پر تمام ہو جاتی تھی

جیسا کہ میرا تیس تھا، اندر بھی کے ساتھ اٹھی
ہوں دیوار سے پوست کٹھنوں جیسے کمرے تھے
گئے تھے عمارت اور ان کمروں کے سامنے کھلی جہزہ
دائرہ جی اسے چھوٹا میدان بھی کہا جاسکتا ہے
میدان کے ایک گوشے میں روایتی اکھاڑ نظر آ رہا

تھا اس کے ارد گرد کھدرا مینو اور ساٹھ سے اٹھ
کرتے، اٹھ لٹکے اور دھڑکتے کے سارے اٹھ
پچانک زمین میں صاف پچانک اور پچانک
کی دیوار کے سوا چار دیواری کی باقی تھیں
اطراف کی دیواروں سے آگے قریب قریب ہندو
میتھوں اور دست انداز تھے۔ پیر رخت بھی کسی لہجہ
کی طرح تھے۔ پچانک کے دائیں جانب ایک
عمارت، چار دیواری کے رقبے کے اعتبار سے چھوٹی
لیکن یوں بہت بڑی تھی۔ رنگ روٹی پر ناچا
تھا۔ مچھت کے کنگورے آدمی سام آدھے ٹوٹ
چھوٹ چکے تھے۔ ساری ہی رست اونچے درمیان
موتے ستوں پر کی ہوئی تھی اور کسی قدر بڑی
تھی۔ اندر تین صحرآدی ہوگا۔ ٹھکانے ہے، ابھی کسی
صاحب خدمت آٹھ کی کوئی رہی ہو اور اس
سے آگے کے کسی استاد کے گارنٹے پر خوش آدمی
داں گروہی ہو اور اسے کے آری بعد میں
صحرآت کے مطابق اکھاڑ پھیر کر رہے
ہوں۔ مچھت کے آگے کی کوں ایک عمارت بھی نہیں
ہی تھی۔

گرگہاہ خستہ ہونے پر چند قدم کا زبرد
کر کے عمارت کا نقش، سب خوردہ پتلی دروازہ
تھا۔ دروازے پر سے کے کڑے نصب تھے
دھلی ہوئی توکیں۔ شہر حرم سے بند تھیں
تھا۔ کھڑکی خاک دھوں میں ملی فرش میں
ہوئی تھی۔ دروازہ ایک چوڑی دروازہ
میں تھا تھا۔ ایک نظر میں سارے نقشہ کچھ میں
آئے سامنے اور ایک میں چلتی ہوئی رہا
چار حصوں میں عمارت تقسیم کر دیتی تھی
طرف بھی اسی طرح کے دروازے ہوں گے، یہ
کے دوسرے سرے پر سامنے کا دروازہ تو نظر آ رہا
تھا۔ وہ بھی چھوٹا کھدرا تھا۔ پچانک
دارائی ایک بڑے صحن میں سترہ کے صحن سے
اسی سیدھے میں دوبارہ شروع ہو جاتی تھی اور

دروار۔ تک جان تھی۔ جس میں بیوی و صاحب کی روشنی فرما سے تھی۔ اس کے طرف مخراب دار دروازوں کا سلسلہ تھا۔ اس کے پیچھے کمرے تھے۔ سو سو در و دروں سے بنیں بنگ ہوں تھیں انہیں تراشا نہیں جاتا تھا اس سے خود پر بار لگتی تھیں اور چھت پر چڑھ گئی تھیں۔ عورت اندر سے نہی شکستہ نہیں تھی بلکہ باہر سے دکھائی دیتی تھی۔ اندر و در کی رہاں دواں تھیں۔ اسے کئی آدمیوں سے پہلے تو گزر گاہ اسی میں رہاں ہو تھا۔ پھر راہ و در کی میں بہت سے بے تابانہ ہارے منظر تھے۔ بیس اندر کی جانب بڑھتا دیکھ کے سینے لگے۔ گلی سے بھی کچھ لوگ ہمارے ساتھ ہی تک میں داخل ہوئے تھے۔ میں نے اور کسریلی جاں سے پیچھے مڑ کے اس کی تعداد جاننے کی کوشش نہیں کی۔ یہ کی چاروں در و در کیوں سے یکے بعد دیگرے کیا جا سکتا تھا۔ راہ و در کی۔ نہ مڑے ہوئے گھبراہٹ جیسے ہم اس کے منہ کے سامنے نہیں کسی سر پر کے دربار میں چارہ ہے ہوں۔ راہ و در کی سے سن اور اس کے بار سیدھے ہاتھ کی جانب دالاب کے پاس آگے گھر آدمی پٹ گیا اور اس نے ہاتھ لٹکے کے عقب میں سے ڈالے آدمیوں کو روکا اور قریب سے گزری چوڑے رات سے گزر کے پہلے جانے والے کمرے میں داخل ہوئے۔

میرے تھی اسی مختلف ہونے پر جلد کسی اڑے کی ہینک تھی تھی۔ کسی وسیع باغ کے اندر وسیع درختوں کمرے طرف رنگ برنگے شیشوں کی کھڑکیاں۔ در و در کی ہوں سے صرح۔ نقاشی و بنا کاری روں۔ مادہ ہوں تو دیوار کا جسم بیٹھے لگے ہے۔ دیواروں پر کندہ گل و نوں۔ کبھی ایک باب دیوار چاہیے۔ کسی وقت یہ کمر شیش محل جیسا کوئی دیوار خانہ ہوگا۔ تاروں کی طرح چھت اور دیواروں پر ڈرے پیش تر آئیے پارے اپنی جگہیں ترک کر چکے تھے۔ درمیان کی کشادہ جگہ کے بعد دروازے کے

مقابلہ دیوار کے وسط میں ایک کمر قامت مگر بڑی چوکی پر چند آدمیوں کے ساتھ گاڑے گئے تھے۔ کمرے جو کچھ سب سے نمایاں نظر آ رہا تھا۔ وہی استاد میدا ہو سکتا تھا۔ اس کے دائیں بائیں دو اطراف بھی دیواروں سے چھت، چوڑائی میں مختصر چوکیوں اور درمیان فرش کے کھلے حصے پر پہلے سے بہت سے آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ بہت سے ہمارے ساتھ آئے تھے سب کی نگاہیں ہم آدمیوں پر مرکوز تھیں۔ ان کے چہروں پر جھلا اضطراب دروں خانہ کی بات کا غماز تھا۔ سر کوئیوں کی ایک گور کمرے میں مزہ دار تھی تھی۔ نہیں بڑھتا دیکھ کے فرش پر بیٹھے لوگ ادھر ادھر سینے تھے۔ سامنے بڑی چوکی سے کوئی دوڑے جا ملے پر ہم تھے۔ درمیان میں بیٹھے ہوئے آدمی سے ہمارے اتنے قریب تھا۔ اور نصیر جانے پر پلو۔ مل۔ ملنے کی نہ منہ سے رگل۔ ایک اصطلاحی نظر آ رہا پاس موجود لوگوں پر ڈالی اور خاموش رہا۔ اس کا تہ متوار، جسم لٹکا اور کھنچا ہوا تھا۔ تانبے کی رنگت گول چہرہ، فرش، انگریز سے ہوئے، سر کے سیاہوں میں نہیں نہیں سیدی کی آبی تھی۔ کچھ ہر منتظر بنے، رد میں تلو اور سلیف سے پیچھے کی طرف گڑھے ہوئے، تنگ چیشائی، اتنی تنگ تھی نہیں۔ غیور رشتہ سے رپیک سنی کرتے اور جیوں مہری کے سفید چارے میں لمبوں۔ رپیک کرتے سے اندر بھی سفید ہنڈی جھٹک۔ کبھی کبھی کچھ کچھ کے داؤں سے مٹ۔ نیسے چہروں کی مالامالی کلائی میں جاننے کی مختصر دروا، چہرے پر سب سے مہیاں اس کی آنکھیں نہیں، گہری، کی قدر۔ در و در کی ہوں اور یہ حد تک دار۔ ایسے متحرک تھے۔ خوب چاق چوند، چائیس پینٹائیس عمر ہوئی۔ اپنی ظاہری وسیع طبع سے وہ اڑے کے دادا کے بجائے کوئی مستعد اپنے گاہک دور سے بھانپ جانے والا دکان دار معلوم ہوتا تھا۔

میں سے پہلے کہ وہ یا اس کا کوئی حاشیہ بردار کسی سرنگ کی ابتدا کرے، میں نے ہاتھ اٹھا کے اس کی طرف انگلی اٹھا کے کہا۔ "تمہی استاد میدا ہو؟ ادھر کے دادا؟"

اس کے جسم میں حیرت سا مودار ہوا اور چٹکیں آنکھوں سے مجھے سر تا پا دیکھ گیا اور چپ رہا۔ اس کے پہلو میں ایک پختہ کار آدمی نے زبان کھولی۔

"تم استاد میدا ہو؟" میں نے ناگواری سے پوچھا

مجھ سے مخاطب آدمی کسم گیا، پیشانی پر ٹکٹوں کا حال پڑ گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ بے اختیار اس کی نظر میری رخ میں بیٹھے جس پر اندر۔ "میں صرف استاد میدا۔ بات کرتا ہے۔" میں نے اپنی آواز تنہا سے دہرائی اور کئی الفاظ میں کہا۔

"اس کی بات ہے" ہم کو بولا بھیا۔ "مر رسیدہ آدمی مصوی عورت سے بولا۔

"تم کو یاد آتا ہے؟" میں نے صرف استاد میدا بات کرتا ہے۔" میں نے غما سے کہا۔ میرا اندازہ درست تھا۔ چوکی پر سب سے نمایاں شخص ہی استاد میدا تھا۔ اکبر علی خاں، استاد میدا کو پیچھے تھے۔ وہ بھی مجھے اشارہ کر سکتے تھے، اچھا ہی ہوا، امیوں نے دل نہیں دیا۔ ان کے لیے یہ جگہ بڑی اچھی ہوئی۔ اپنے نواس کی بھائی کے لیے دارا نہیں کچھ وقت چاہیے تھا امیوں نے مصروف خاموشی شعار کیا۔

استاد میدا کے ترمودہ کار سچی کے چہرے پر براہی ہو رہا ہو چکا تھی۔ وہ اشتعال میں چہرہ کھینچا تھا کہ استاد میدا اسے اسے روک دیا اور جی ہوں مسکراہٹ سے بولا۔ "ہم میدا ہیں۔"

"میں ادھر کے استاد ہو" میرے بچے میں تجس شامل تھا، مگر بھی "پینا شہر کے راجا؟"

"کام کی بات بولو۔" میدا اکبر علی ہوئی آواز

میں ہو، اور گاؤں کے پر کمر سیدھی کر لی۔

"کام کی بات ہی ہوتے ہیں درختیں رکھو ہم زیادہ بات بھی نہیں کرنا۔" میں نے اونچی آواز میں کہا۔ "میدا استاد ادھر اڑے پر بیٹھے تو نہیں نکلتے۔ تھوڑا بہت تم کو اڑے کا رہی رواج بھی معلوم ہوگا۔"

اس کا منہ بند ہو گیا، اور بے چینی سے بولا۔ "گھمائی بھرائی کے کاٹل بات کرت ہو؟ صاف صاف بولو۔"

"ہم ادھر پینا شہر میں آگئے ہیں۔ تمہارا وقت اب ختم ہو چکا ہے۔ اڑے کی ریت ہے، اڑ اس کے پاس رہتا ہے جو اس کا بل رکھتا ہو۔ تم یہ ریت بھول گئے ہو تو ادھر بہت سے تھہرے پانوں کو یاد دلادیں گے۔ دارا چاہت میں ہونا، راہ مرے تو راج تھارت پر چلے جائے۔"

میدا کی دھکی ہوئی آنکھیں، ہر لکل نہیں۔ در و در کیوں لوگوں کے چہرے بھڑکنے لگے۔ مگر سامنے کچھ زیادہ ہی تنگ خوار، دفا شعار تھا کہ اس کا جسم بل کھڑے لگا۔ اور اس کا بھی ایک جاں ہونا چاہیے تھا۔ اسی لیے اکبر علی خاں نے آہستہ سے مجھے ایک ماری اور ایک آپ کے لیے سنی زیر در کردی۔ یہ موقع انہیں سر ریش کر کے کاٹکس تھا۔ میں تو نہیں ساتھ سے سے منع کر رہا تھا۔ اب یہاں سے اس کے د جس پنے جانے، مجھے میرے جاں پر جوڑ دینے دو جو پچھ ہے، مجھے سنے پٹنے اور کھٹکے کی درخواست کرنے کا وقت بھی گزر چکا تھا۔

یہ حدش ہر سو ہو رہا تھا کہ نہیں وہ کوئی اپنی سیدی بات، مست گزری ویدہ نہ کر۔ ٹیکس بھی سے لکھل ہوئی۔ ٹیکس ساتھ رکھنے کی کوئی تک نہ تھی۔ وہ کتنا ہی مصر ہوتا، مجھے صاف انکار کرنا چاہیے تھا

چند لمبے وقف کے بعد میدا کی ٹھہری ہوئی آواز آئی۔ "جانت ہیں، اپنے کو سب پتا ہے ہا

اس پر مسلسل ٹرند رہی، ایک دیوں کی پورش جو
 سراسر ایک رن نہ ہوں اور حاصل یہ کہ کسی تاجر
 کے بغیر اپنے مفید کا حصول نہیں کیا تھا کہ ایک
 کی کاٹ پالو سے تیار ہوتی ہے اور نہ ہی بہت
 دیر ہو سکتی ہے کام بھی نہیں کر پاتی۔ وہ کہتا تھا وہ ایک
 کو دہائی نہیں ہوتا چاہیے۔ یہ اب کا دار میا شدہ
 ہو کہ مخاطب بدحواس ہو جائے یا ہو جائیں، عقل
 و ہوش سے عاری۔

میدانہ خیراتنا مضطرب نہیں لگ رہا تھا جتنا
 اس صورت حال میں درہمیری ماف زلی سے ہوتا
 چاہیے تھا۔ اس کا حال کچھ عجیب تھا۔ ابھی چہرہ
 گھٹنہ چاہتا تھا کہیں سرخ ہو جائیں اور کبھی یہ لگتا
 جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہیں اور سنا ہے تو خوار کے
 حق نہیں سمجھتا۔ بیش تر وہ مکتس اور مستعد نظر نہ آتا
 تھا۔ بقیہ بارور کے علاوہ اب دوسرے اوصاف کی
 وجہ سے وہ کچھ بہت سے لوگوں اور چنانچہ خاصے
 بڑے شہر میں ممتاز ہو گا۔ کسی قدر وقت کے بعد
 وہ تھیلے بچے میں پڑا۔ پوری طرح سمجھ میں آت
 ہے سب اساتذہ تہرمان بھی دیکھتے ہیں۔

”نہیں ہوتا تو اس طرح منہ اٹھائے، سینہ
 پھلے سائے نہیں آجاتے۔“

”چھوٹی ہو، تم سب ادھر چلے آئے۔ ہم بھی
 تہر کو دیکھیں چاہتے تھے، پر تم اتنی دیر کیوں لگا دو
 ہمیں سب کدھر چھپ گئے تھے۔“ میدان چھپنے میں سے
 پڑا۔

”سمجھو مثنیٰ دیر تم کو دھر گدی پر راج کرنا تھا۔
 اتنی دیر تم کو بھی نہیں ملتی تھی۔ اب تم کو بڑا نام ملے گا
 ایک رشتہ کھلا چھوڑ دینا چاہتے دوسرے بھی تھے نہیں
 اپنے پاس وقت نہیں ہے۔“

”میں بھی کا بھدی، تم تو دھر چوکی پر راجا
 ش واسطے کو ہو۔“

”اپنی کوئی ارادہ نہیں تھا ادھر آئے کا تہہاری
 چوکی، راج گدی سے اپنا کیا بیڑا اور راستے اسی

طرح تمہیں گئے۔“ میں نے ایک پیسے سانس کی
 اور تھکے میں کہا۔ ”اور پیسے بھی ٹھیک ہی ہوا۔ تم
 جیسے استاد کو شہر کے اڑنے کی چوکی پر نہیں ہونا
 چاہیے۔ اڈوں کے لوگ چوراہے، اٹھائی کیرے
 نہیں ہوتے۔ مگر کے کٹوں کی طرح ابھی بھر گئے
 کانٹے کے لیے چھوڑ نہیں دیا جاتا، مگوں میں پنا ڈالا
 جاتا ہے۔ اپنا بھی تھوڑا بہت اڈا کیروں سے ساتھ
 رہا ہے۔“

”دوسری جگہ یہ کا ہو رہے ہے؟“ میدانے
 کہیں پھاڑ کے پوچھا۔ میری رخ کھائی کا اس پر
 کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔

”دوسری جگہوں پر ایسا اندر نہیں ہوتا۔“

”زور نہ کھلا رکھتے پھر تیرے لیے۔“ ماں بھیا
 جدم ترما میں کر۔ کل پنج۔ تم ادھر اں کے
 اچالے میں اپنے تین آدمی پر اچھا اٹھالو، دو تو اٹھا
 کر دو، تیسرے کو لٹکانے لگائے دو۔ ہاں۔“

”ادراپ چہرے کی باری ہے۔“ میں نے دیکھی
 آواز میں کہا۔

میدان کا خیر اذ معنوی تھا۔ اس کے قسم میں
 نہیں آتھیں۔ قریب بیٹھے ساتھی بھی اپنی جگہوں پر
 بنے اور بدھے منہ نہ کرے۔

”میں میں مجھے بھولنے کی احازت
 ہے۔“ کا ایک اکبر علی خاں نے ایک قدم آگے
 آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ابھی چونک چڑھے۔ اکبر علی
 خاں کا لہجہ متعاندہ اور ہاتھ احتیاجی اور کسی قدر
 فریدی انداز میں اٹھتا تھا۔

اکبر علی خاں نے میدان کو مخاطب کیا تھا میدان کی
 آنکھوں میں چٹک ہو رہی تھی۔ اس کے چہرہ تپتے
 سے پہلے میں نے حق سے اکبر علی خاں کو متنبہ
 کیا۔ ”آپ مجھ نہیں بولیں گے۔“

”بولو وکیل سب۔“ میدان اٹھا۔ تھوڑے
 پورا۔ ”کا کا پتہ ہے۔“

”نہیں جناب، آپ اس بدقدش سے کوئی نکاح

نہ کریں۔ یہ اس اتنی ہی میں۔“ میں نے اکبر علی
 خاں کو دوبارہ صبح کی۔

”بولو وکیل سب بولو۔“ میدان نے چٹکی سے
 پولا۔

اکبر علی خاں کی حالت اضطراری ہو گئی۔ اس نے
 چادر کی سے میری طرف دیکھا کیے، ابھی میدان کی
 طرف۔

”یہ عدالت نہیں ہے جناب، اں لوگوں کو آپ
 کی زبانیں نہیں آتی۔ آپ اپنا کھانا خالص کریں گے۔“

”میں نے کچھ میں کہا۔“

”میں صرف، صرف حق بتانا چاہتا ہوں۔“

اکبر علی خاں معنی میں آواز میں بولے۔

”مگر کس سے؟“ یہ شخص ادھا بھرا ہے کیا؟ مگر
 میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ انہوں نے اسے
 آنکھوں دیکھا نہیں بتایا ہو گا۔

اکبر علی خاں کا قسم مل لگانے لگا۔

میدان فور سے سن رہا تھا۔ ”آپ کا اس اونچا سر
 والے برا سب سے کوئی رشتہ نہ ہوگا۔“

”وکیل سب۔“

”نہیں میدان بھائی، ایسا مجھ نہیں ہے۔“ اکبر علی
 خاں نے پتا لاجواب دیا۔

”ابھی تو ہم بھی سوچیں ہیں، آپ ان کے
 بات کیسے چڑھ گئے۔ اسی اک سر کی چاکو بٹا، ایل بھر
 میں جنیں آسوں کل پتہ کر دیوں۔ آپ پچھری
 عدالت کے بندھو لکھا دہائی بھٹے، ماس، سہر میں آپ
 کے نام کا ذکر کرتے ہیں۔“ میدان کا طنز مستعد مزید تھا
 اور کچھ ایسا کاری نہیں تھا۔ اس سے بدظاہر جراتی
 سے پوچھا۔ ”پھر کا ہے۔“

اکبر علی خاں چمک رہا تھا جیسے کہ میں۔ میدان
 سے کہا۔ ”سراور شینہ مانتا ابھی صاف کر دیں گے۔“

پچھلے چاقو کا لٹا ہوا تھا۔

میدانے میری پر بھی پرتو نہیں دی اور اکبر علی
 خاں سے پولا۔ ”ہاں وکیل سب، اب آپ سے چھ

پوچھتے ہیں۔ کب سے جوت ہو پاپ اپنے میر ہر
 کو؟

”ریارہ دیر سے میں۔“ اکبر علی خاں سے
 مخالفت سے جواب دیا۔ ”مگر دوپہر سے۔“

”ابھی اسی دوپہر سے ہے؟“ میدان
 چٹکیں میرا لگا۔ ”ادھر کی میں آپ بھی تھے؟“

”نہیں صاحب، میں ادھر نہیں تھا۔“ اکبر علی
 خاں نے مضطربانہ سر ہٹایا۔

”پھر آپ؟“ میدان کے چہرے پر کش
 کش نمودار ہوئی اور چٹا کرتی آواز میں پولا۔ ”بولو نا
 وکیل سب، ابھی کا سب سب کھل پتا دو۔“

”بہتر ہے سب یہاں سے بھٹے جائیں۔“ میں
 سے برکتی سے کہا۔ ”میں اٹھتا رہیں، میں اس منہ
 ردار اس بن ماس کو دھو دوں گا۔ بیٹیں نیچے اس کا
 دقت آ گیا ہے۔ اس کے سب سے کسی وضاحت اور
 دلیل اجبت سے پچھو کھل نہیں۔ یہ دوسری طرح کا
 آدمی ہے۔“

”خدا کے لیے مجھے مجھوت کر دیتے۔“

اکبر علی خاں نے شکستہ کے میں مجھ سے مت کی۔ ان
 کی عاجزی اور رجحان پر بار اسی غائب کی۔ مجھے
 میری بدھائی اور سچائی سے ہار رکھنے کے لیے
 اس کا ہاتھ جوڑنا ہی رہ گیا تھا۔ کسی خر کو شش
 کے طور پر انہوں نے حتی انداز میں سر کوئی کی بعد کو
 ”سب کو اختیار ہے۔ آپ کہتے ہیں تو چھوڑ گئی جاؤں گا
 میں۔“

”کا کا ہے؟“ ہم سے بول وکیل سب ہے
 بھر ہوئی کے قسم کا ہو۔ ”میدان اب قریب سے
 پڑا۔

میرے لیے اب خاموش ہو جائی مناسب
 تھا۔

”میرا ان صاحب، اس لوجوان سے کوئی تعلق
 نہیں ہے میدان بھائی۔“ اکبر علی خاں نے میری
 خاموشی پر گہرے سانس بھری درد و لوگ کچھ میں

مقبول ترین مصنف **محی الدین** جن کی کہانیاں آنکھوں سے نہیں دیکھی جاتی ہیں

8 بہترین کہانیوں کا مجموعہ

کچرا گھر

کانیا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے

خوبصورت

گیٹ پ

کتاب کی قیمت

کمپوزرز

کتابت

محی الدین کی کہانیاں کا مجموعہ "ایمان کا سفر" بھی دستیاب ہے

کتاب کی قیمت: ہمدرد ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر پیشی سوان کریس

کتابیات پبلی کیشنز

ہدست میں 23 کراچی 74200

021 5804300 ای میل: info@kubvat1970@yahoo.com

63-C (تذکرہ نویسین) (کراچی 74500)

کہہ نہیں آپ کو بتاتا ہوں میں اور بھئی بچہ کمر میں منہ کھاتا رہے تھے۔ انہوں نے درد سے پرستک کی در تپا کر یہ س شہر میں جھکی ہیں اور بہت پریشانی میں ہیں چپچپے پولیس سے ساری بات بتائی کے پنا شہر میں سے گاں کا گون اردہ نہیں تھا یہ آگے جا رہے تھے کہ سفر میں کل رات س کے بڑے بھائی کی طبیعت خراب ہوئی۔ جلد علاج کے لیے ہمیں آگے کا سفر متوی کر کے پنا شہر رکنا پڑا۔ اور انہوں نے پنا شہر پہلے کل کا رخ پناہ کا رخ کیا۔ رات بھر بھائی کے سر ہمارے پناہ میں رہے۔ آج صبح بڑا کٹر مریض دیکھ کے چا چکا تھا۔ انہوں نے سس سے چارت فی اور دھتے دراز کو بھائی کی حالت کے بارے میں تار سینے کے لیے پوچھے ڈاک خانے گئے تھے کہ اب کا بڑا کسی نے نہیں ہوا۔ انہوں نے اس کا پتہ کیا۔ وہ آدمی ہوتا ہوا ڈاک خانے کی بازوئی قفل میں داخل ہو گیا اور اس نے ایک جگہ س کے بالکل سر پہ آہا۔ یہ پوچھ تو تاں ہوا۔ انہوں نے سے قارو میں گریا اور بنا ہوا حاصل کر پتا تھا کہ ایک دوسرے آدمی سے س کا راتہ روک پیا دوسرے پھر تیسرے۔

دونوں کے ہاتھوں میں کھلے چاقو تھے۔ وہ بے پیسے ساگی کی ناک کی کاہلو پیسے کے لیے ان پر در کرنا چاہتے تھے انہوں سے اپنا چاقو نہیں نکالا تھا۔ س کا کہنا ہے انہوں سے بہت کچھ کہا، کہا کہ انہیں کہیں جلد ہی پکچنا ہے۔ شاید پناہ کے بارے میں بھی بتایا تھا۔ یہ اپنا منہ دے پر بھی تیار ہو گئے تھے۔ اور دونوں بہت غصے میں تھے۔ انہیں ہر حال میں اپنا پناہ کرنا تھا۔ ایک آدمی کو انہوں نے جس میں گریا تھا کہ اس سے پناہ نہ دیکھا۔ اس کی راسی بوس سے س کی بڑائی گئے س کے ساگی کو بھی اتنا غصہ ہو گیا کہ وہ کسی یو رو چکا تھا چاقو اس کے ہاتھ میں تھا۔ یہ کہتے ہیں، میں نے اس کے رے خود تجھے در

کہ مجھے بے گھر کا پتا جائے، میں اس کے رشتے داروں کو بلاتا آئے کے ہے تارے دیتا ہوں وہ کل پانچ سو تک آئیں گے۔ اس وقت تک یہ میرے گھر پیچھے رہیں پھر کسی رات کی مراد وقت، اندھیر ہو جائے کے بعد رات کو کسی وقت چپکے سے یہ پڑنا شروع ہو جائے گی۔ انہوں نے میرا ہر مشورہ مسترد کر دیا۔

یہ لو جوان آدمی ہیں۔ ایک انہوں نے فیصلہ کیا انہیں خود استاد میہ کے پاس جانا چاہیے۔ میں انہیں منع کر رہا تھا۔ نہیں، نے۔ مجھے نہیں معلوم یہاں آئے گا ان کا فیصلہ سنا کر حجابی ہے یا استاد میہ کو اس کی پرانی جگہ سے بے دخل کر دینے کا بھروسہ کس حد تک درست ہے۔ میں نے اتفاقاً اس کے ساتھ رہنا مراد سب سمجھا شاید میرے ساتھ ہو۔ سب بات تھی نہ بڑھ پائے۔ جو ہم ہمیں علم میں ہے، میں نے آپ کو بتا دیا ہے میہ بھائی۔ میں انہیں بالکل نہیں چاہتا آج بھی مناسبت ہو ہے لیکن میں نے دیکھا ہے، اپنے بھائی کے پاس جانے کے لیے یہ بہت بے نظار تھے۔ بھائی کے لیے یہ بھی گزر سکتے ہیں۔

گھر علی خاں کو مولوی کی رزکت کا شدت سے حساس تھا۔ انہوں نے خوش قسمتی سے جیسے ایک لفظ جس جس کے آواز کے کسی روبرو کے بغیر بڑی حد تک غیر صاحب داری سے ساری دودھ گش گز رہی۔ دعائی ترکیل کے لیے رخت و رکوبی کا تو رہا لازم ہے۔ انہوں نے اپنے بیان میں مخاطب کی سماعت کی استطاعت کا حیل رکھا اور عدالتی طرز بیان سے محتاط کیا۔ عدالتی بیان میں دلیلیں مسدود کر کے گوشہ نشین کی جاتی ہے۔ گھر علی خاں نے ساری شہادت کی گئی، سادگی اور انحصار، جزیات و صراحتوں سے پڑھے اور سننے والے کا تحس و انتہائی متاثر ہوتا ہے۔ سطور کم، مین سطور زیدہ، یہی بدعت کا قریب ہے۔ نہ کہنے ہو بھی

انہوں نے سچی کچھ بد دیا تھا۔ دیکھو، وہ کہتے ہی پڑے ہوں، ان کا بیان ان کی طبیعت، بات کی آمیز داری کر رہا تھا۔ ہر فیصلہ کی جی ٹی شرط بدعت ہے انہوں نے ہر غیر ضروری کر سے پرہیز کیا تھا۔ بول میں ہمارے قیام، پورا قیام اتے ہوئے ان کے گھر میں میری آمدنی ناگہانی، پروردگار حوا میں کی چاہی ہوگی اور انہیں ہیبت میں رہنے کے تمام ہی گھٹی ناگھٹی سے انہوں نے پورا پورا کچھ

سارے بال میں خاموشی چھا گئی۔ میہائی آنکھیں پھٹکی ہوں تھیں۔ اس سے میں نے اندیشہ کیا۔ گھر علی خاں کے چپ ہو جانے پر سب نے گزر گئے، میہا بے حرکت میہا رہا پھر اس نے ہسودل کے ہتھ کا لہا لٹس کیا، اسے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور ایک بل کے لیے انہیں بھیج دیں۔ اس نے پیشانی پر ٹھٹھکیں کھینچی ہوئی تھیں۔

میری خاموشی کا بکونی جواب تھا۔ میہا کے منہ میں مثبت تاثر کا انکار نہ تھا اب بے عمل اور مصمت تھا۔ میں نے اپنی آواز میں استغاثہ کیا۔ دیکھ صاحب کو بد ہوتا تھا، بول چکے میہا استاد سمجھو، دیکھ صاحب سے تم سے چمچا اور تم سے ہاتھ بٹا۔ اس نے جھوٹے جی پر دھیں مت دو اور پھر میرا وقت و رزاد مت کرو۔ میں نے پھرئی سے پتا تو کھوں لی۔ اپنا فیصلہ اسی پر جوڑا ہے تم کو بھی رہا ہے۔

گھر علی خاں نے، بڑی سے میری طرف دیکھا اور سر اٹھا کیا۔ میہا نے میرا کہہ کر رگڑا اور ہاتھ اٹھا کا کہ میں صاف سے پڑھا۔ اود سب خفک ہے۔ جو آپ بولے، ہم پورے اسیاں سے کس لیے، پر آپ کا حکمت ہیں، ہم اس طلب ہے، آپ تہ چاہت ہیں، اسی سارا سیدھا ہی بدعت ہیں کا۔ میں نے جو دیکھا اور سنا ہے، اسی آپ کو بتا رہا ہے۔ گھر علی خاں ابھی ہوئی تار میں بولے

ایک بات صاف کر دوں میہا بھائی، میں ان کا وکیل بن کے یہاں نہیں آیا، میں نے آپ سے ان کی کوئی سفارش بھی نہیں کی ہے لیکن کچھ کچھ باتیں۔ کہتے کہتے گھر علی خاں رک گئے اس کے ہوش بچ گئے، لفظ بھراٹل کیا اور ہانسی سے بولے۔ چاہے دیجیے، ہستر ہوگا، آپ دونوں خود ہی منٹ لیجیے۔

اداکا کا باب۔ میہا بھائی نے بولا۔ تو آپ میہا بھوت ہو، بعد کو کم دیکھی میں گئے ہم کو ہی سارا دیکھا ہے، پر آپ بولو، آپ کا کہنا چاہت تھے۔

پچھ میں میہا بھائی۔ گھر علی خاں نے آواز بھاری ہوئی۔ یہ ہمارے گھر اپنی مرضی سے آئے تھے، ہماری بدعت پر ہماری حق سے نہیں، اور انہوں نے ہمیں چمچا رہے تھے، کچھ کرے کا موقع ہی نہیں دیتا تھا۔

میہا بھائی نے اس نے گھر علی خاں کو بات پوری کہتے نہیں دی۔ ہر دور چا کو نکالا ہوئے گا۔ چاقوت مجلس کا ان کا بہت پاداشت ہے۔ اسی

تھا۔ کہتے تھے۔ اتنی عمر میں ہم نے بھی کچھ دیکھا تھا۔ میہا بھائی کی اپنا کام ہی بیمار ہے بدعت بدعت کے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے، ایک سے ایک بڑھ کے۔ تھوڑی بہت آدمی کی پچھان ہوئی چاہیے۔ آپ کے آدمی اور پچیس واسے ان کے پیچھے نہ ہوتے تو یہ ہمارے گھر میں کیوں داخل ہوتے۔ کون اور بدعت، کون اور روادار کالو یہ ہم سے ہی اور طرح پیش آتے۔ میں نے دیکھا ہے، اب میں مصلے کی گئی تھیں۔ یہ پچیس سے سارے بھی آجاتے اگر انہیں کس جگہ کھینچنے کی سہ گئی نہ ہوتی۔

میہا کی بھوس چڑھ گئیں، اور تھکے پڑ گئے۔ تھوڑے سچے میں بولا۔ پچیس کو تو ہم ابھی ادھر ہی ہوا سکت ہیں۔ آپ کو پتا ہے دیکھ سب۔ اس نے آواز اڑانے لگی۔ یہ ایک آدمی چلا گیا، بہت پرنا ساتھ تھا اپنے۔ کچھ کو کھانا تھا، اچلی لپٹ تھی اس کے ایک ایک میں۔ اس حرام چارے کا تھانوں کل گیو کہ اپنا تھانے کے رستے میں دم توڑ گیا۔ تھرے اس مکتی دانہ سر، اس کے کاربہ اس کی ہتیا ہو گیا۔ لٹو میں کوئی دیکھا لگتا ہے دیکھ سب، ہم سے زیادہ آپ چاہت ہو۔ اسی ہم سے چا کو کی بات کرت ہیں۔ پہلے ہمارے آدمی کا سب چپک کر دیں۔ سارے کا دیر ہونے کی، پچیس ادھر آ چاہے گی۔

اشارہ کر دیا، پچیس کو سوچتے کیا ہو پھر؟ میں نے پچھکاری آواز میں کہا۔ پر ہم کو معلوم ہے استاد، تم ایسا نہیں کر دے۔ اپنے ان چوہوں کو کیا جو دو گئے، کس سے سنا کر دے گئے ان کا کیا سوچیں گے یہ ایسے سنا کر دے گئے پڑکی پر بیٹھا، تار ہا، چوکی سے بچے ہوئے کے سپر استاد کے پاس پچیس کی آڑ لگائی تھی۔ تم خوب جانتے ہو گئے یہ رچا کو پر چاہا کب تک نہیں کرے گی، کب تک چلوں پہنچائے گی سے۔

میرا کا چہرہ سلگ رہا تھا، جھٹکے کی اس فی
الکبوں میں لرزاں تھی۔ اس کے ساتھیوں کے بچ
وتا۔ کا بھی چہرہ بکرا۔

کی پہلی مجلس چاہی گئی تھی۔ انہوں نے مرہٹوں کے لئے کوئٹہ کی فتح کی بات کہی اس سے شروع ہوئی تھی۔ پہلے آپ کے آدمی۔ شہر میں انہیں اس پر جو اس کا نوا چوری کیا۔ پھر انہیں اپنے کے لیے انہیں اس کا چھپا کر دیا۔ پھر انہیں دیکھتے رہ جاتے۔ پھر کھڑے اپنے لٹ جانے کا تماشا دیکھتے رہتے۔ مسٹر کاؤڈا، مسٹر اس کی پانچویں مجلس جاتے تو اس کی کیا حالت ہوگی مگر میں سب کتر سے کا چھپ کر کے انہوں نے نوا حاصل کر لیا۔ ظاہر ہے انہیں اپنے آپ پر مرہٹوں کا تو کہ یہ انہیں آسانی سے چور کو مار دے تو یہی کہے۔ نہ ہوتا تو وہیں، ڈاک خانے میں چھپتے چلاتے رہ جاتے۔ نوا سننے کے بعد بات ختم ہوئی مگر لیکن اس وقت آپ کے وادی اس کے آگے آگے بتائے پھر یہ کہہ کر تے آپ ان کی جگہ ہوتے تو کیا کرتے۔ اور کوئی ہوتا تو ان کی جیب میں چاقو تھا۔ انہوں نے بات بڑھ جانے کے خیال سے سب میں میں چاقو سے دیا۔ چھپے، یہ سوچتے ہیں اس پر رہے۔ سب غلط ہے لیکن مگر کے لوگ انہیں۔ مگر یہ دیکھا ہے۔ وہ آپ سے کسی اور ہیں اور۔ اور یہ کہیں بھی گئے چارے ہیں پولیس بلا کے آپ انہیں جتھہ کڑیاں ڈالنے ہیں لیکن پولیس کا کام ایک حد تک ختم ہو جاتا ہے۔ کچھ کی بات دوسری ہوتی ہے۔ وہاں شہر میں رہی جیسی ہے، بال کی کھال نکال جاتی ہے۔ پھر ایک جگہ سے دوسری جگہ تیسری جگہ۔ بات آگے تک چلی جاتی ہے یہ یہ ہر جگہ جاتے۔ جیت جاتے، آپ کا جانے والا سامی کسی صورت انہیں نہیں آئے گا۔ جس پر بھائی اور اسپتال کے بارے میں یہ ہر سے ہیں، وہ بھی کسی دوسرے شہر میں ہیں ہے۔ "اکبر علی خاں نے یہ چارگی سے ہاتھ پھیلائے اور تھکے ہوئے لکھ میں رہے۔" میں اس سے زیادہ کیا کہوں۔ آپ سمجھ رہے ہیں۔

شاید میرا کوئی قہقہہ تھا، اکثر بلی خاں اسے پھوہور
 قائل کرے کے لیے متہ آخریاں کریں گے یلین
 یوں اچانک اپنی حرص گہری سے دست بردار
 ہو جائے یہ وہ پرنک سا پناہ اور اس کے اپنے فریب
 بیٹھے تہراؤ کی غرور سوالیہ نظروں سے دیکھتے۔
 مقرر آدمی کے چڑی سے سیاہ نوٹ بجز بجزا کے وہ
 گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے سے ہتھ پکس کیا۔
 غصہ و مصب کے ظاہر اب میرا کے ہر سے ہر کش
 کش و کشا کش پڑی نمایاں تھی جسے ان نے سر
 سے چکائے اس نے جلدی جلدی کش کش لیے ور
 ٹیلی آوار میں بولا۔ "اب آپ اس کی دکات کرو
 ہو دیکھیں سب۔"

بنے کی دیر ہوگی۔ پہلی گاڑی سے چل نہیں گئے۔
کل تک جاوا، محدود زوٹاور جانے کو کون گھبرا
پھو جا رہے۔ کل استاد میدان باقی اور شہید میدان
میں قائم رہے۔ وہاں سے بھی لوگ ہیں۔ سچے عربی
استاد کھیل کی عادت دیکھ کے قورہ اور پاگل
ہو رہے ہیں۔ میدان کے پاس جا کر کیا چائے لیاں رہ
جائے۔

در صورت ہوتی۔ فیصلے میں ایسی درنگی لیکن وہ
پانچ گندہ ہو رہی تھیں۔ وہ اس کا کہنا ہے کہ اس کا
بھرا شہر سے اسپتال میں رہ رہا ہے اور نہ فاراد
اس کے سو کون ہیں۔ اور بھائی کے پاس اسپتال
پہنچنا اس لیے ممکن نہیں رہا کہ استاد امید کے حکم سے
شہر نہ کر رہے تھے اس پر مذکور دیے گئے ہیں استاد
امید اور اس کی مدد سے اسے ایسا سرورگار نہیں۔
مجبوری میں یہی ایک تدبیر اسے بھئی دی کہ اڑے
کے استاد کو بے دخل کر کے خود اڑے کا استاد بن
جائے۔ سادھے اڑے کا مستند استاد وہ تو پہلی انتشار پا
گئی ہے حد تک عوامی میں کون اٹا ہوا اور اگر سکنا
ہے۔

منا و مہدی اس لیے تھیں کہ ان کے مشورے اور
 شہر کے معزز شخص دیکھ کر بھی حال سے بیباں پر
 تیار ہو کر تے ہوئے کوڑوں کے راستے میں حائل
 بندشیں دور کر دی ہیں اور صارت سروسٹ ملتوی
 کر دی ہے۔ مہدی اتنا اور اس کے مابقی شہزادوں
 اور سنگ دل کا کوئی نام اپنے سر لینا نہیں چاہتے
 اور عقیقت چاہے جو انہیں مدد ہیں۔ اس مہلت
 سے انہیں تھوڑی کی چھٹن کا اچھا موقع مل
 جائے گا اور جیسا کہ دیکھنا صاحب کا خیال ہے، وہی
 حکم ہو تو جو باخراہ جمع رکھے، اسے فی سب
 سے اس جسم کے بعض اعضاء سے ہیرا ہوگا۔

چاقو زب کی چمکی سے مراد ہے کہ وہ لوگوں
فریقوں کے درمیان چڑا رہی ہے۔ جو ہمتوں کی کمی
ہے، مگر نہیں، نگاہیں کیا گیا۔ انتہا کی رعایت
میدان ستار کی کش دہ دی اور جو اعتمادی پر جموں کی
چمے کہ وہی فشر سے دو چار ہے مقابلے سے
مصر کے رہی وہ اس وقت نہ سب نہیں سمجھا۔ اس
عقب ف کے، جو کہ اڑے کی پوچی سے نوجوان کو
کوئی دیکھ نہیں، بھان کی صحت کی بحالی کے بعد
اسے ہر حال اپنے دعوے کی پے راہی کے لیے
اڑے وہاں آتا ہے۔ اس سے اڑے کے اٹنے

لوگوں کے سامنے اس کے استاد کی منہمی پیشیت پر
کچھ اچھا حال ہے۔ اڈوں کی روایت کی تعمیل
استاد میرا پر لا رہے اسے ثابت کرنا ہے کہ وہی
اڈے کی تدبیر پر برقرار رہی کا حق رکھتا ہے۔ اس کے
سامنے بھی اسی کو اڈے کے استاد کی پیشیت سے
دیکھتے رہنا چاہئے ہیں۔ استاد میرا ان پر سامنے ہمارا
ہے۔ انہیں یقین ہے کہ وہ اور چاہتا ہے کہ وہی
اور تک اس کا تالی نہیں اور وہی اس کے درمیان
رہے گا۔ اور وہ بھی جانتے ہیں کہ اڈے کے استاد
گوارا ایک دوسرے کے متعلق ہوں تو کسی ایک کو اپنی
توانائی کی قیمت پر کالی پڑی ہے۔ جو جواب سے اڈے
پر ترقی ثابت کر دی تو استاد میرا کے جواب شمار
اڈے کے یہی لوگ اس کے خیر مقدم میں کون بخل
بھی نہیں کریں گے کہ اس کا یہی طور ہے۔ اس
پر مصلحت میں تو ہوں خود کو مطلق محفوظ سمجھے۔
نکمرائی کے باوجود اڈے کا کوئی آدمی اس سے ہر
پر نہیں کرے گا۔ جو اس بھی کر دے گا۔ ہر ہاتھ کے
کہ اسے اڈے والوں کے مہارزت کا حقوق
معادہ نہانا ہے۔ استاد میرا اس کے بعد اس کا مظاہر
رہے گا۔ اس دور اس نے شہر سے فراوانی کوئی
حرکت کی تو وہیں اسے بھی حال کو دے رہا ہے
گا۔ دو دو جواب نامور کی میں اس کے ساتھ آئے
ہیں اور انہوں نے اس کے حق میں اڈے کے استاد
کو قائل کر کے میں وہیں رہا ہے۔ یہ یہو وکیل
اکبر علی خاں نے دیکھیں رہے کہ ان کا اسطرحی
شہر سے ہے اور اڈے کے لوگ یہ حد تک ہی
جائیں اور اگر وہی کی استطاعت رکھتے ہیں۔

اڑے یہ سناٹا چھا رہا تھا۔ مہر کی کانپھٹا
 درشت تھا۔ وہ ہر مہر کو تھیں اس کی ہر جگہ
 کی کوٹ بڑھ چکی تھی۔ میں پورے اٹھنا کہہ
 سنا کیا۔ عدالت کے کسی جج کے مانند اس نے فیصلہ
 سنا دیا تھا۔ میں نے اسے کہیں نوکا کہ یہ اب علی حاد
 جج میں بیٹے آگئے۔ میرے ساتھ ان کے جج

سے کوئی سوال جو بے مت کیجے میں آپ کو بھی کچھ بتا دوں گا۔ اس وقت تو کسی طرح جلد سے جلد اپنا سنا۔

من سب ہے۔ وہ کس کے چپ ہو گئے اور کچھ وقت بعد منتقلی سے دے۔ "مگر سردیک سے آپ سے دوپہر بھی چھوٹیں لکھا۔ چھ دوپہر کے کہوں۔ چنانچہ میرا وہ وقت کیسے گئے گا۔ نہیں، کبھی نہیں۔ میں نے صاف کفار کر دیا۔" جیسے میرے وہاں نہ ہونے پر کیا چھ میگوئی ہو رہی ہوں۔ ڈاکٹر نے کیا سوچ رہا ہوگا اور کھل بھل کے ہوش و حواس بھال ہوئے تو مجھے پس نہ دیکھ کے وہ تو بہت پریشان ہو جائیں گے۔ مرنے کتنے ہی عذر کرے لیکن آپ نہیں جانتے، وہ کیسے آدی ہیں۔ اس حالت میں وہ کھ کھڑے نہ ہو جائیں۔ انہیں درابھی شب ہوگی، کتنی ہی حالت حرج ہو وہ کھل جائیں گے۔ وہ یہی ہی ہیں۔ "ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔" کمر علی خاں اوی سے ہوئے۔ آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں۔ آپ کو پہلے اسپتال ہی جانا چاہیے۔

"جیسے ہی اس کی طرف سے سنی ہوئی، میں آپ کے صبر آؤں گا۔ مجھے تو آپ سب سے دست بستہ معافی ملتی ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب، کیا میں آپ کے ساتھ اسپتال نہیں جا سکتا؟" وہ شکایتی انداز میں بولے۔

"جانتے ہیں کیوں نہیں مگر دیر ہو گئی ہے۔" میرے آپ کو گھر جانا چاہیے۔ وہ سب آپ کی راہ دیکھ رہے ہوں گے۔

آپ کو جیسے ہے ساتھ لے جانے میں کوئی حرج نہیں تو نہیں ہے ان کے شکوے میں ناراضی بھی شامل ہو گئی تھی۔

"نہیں نہیں، آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" میں نے مدد دے کی۔ "مجھے تو ادھر گھر والوں کی فکر ہے۔ انہیں مطمئن کر کے کچھ دیر بعد آپ اسپتال

آج ہے۔"

"نہیں صاحب، میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں یہ کیا بات ہوئی۔" اکبر علی خاں فیصلہ نہ لے سکے۔

انہوں نے کوہاں کو کچھ ہدایت کی۔ ایسا ڈیڑھ فرا ایک بعد تانگا دائیں طرف کی سڑک پر لگیا۔ دفتر بد ہوئے کا وقت تھا۔ بریکوں، سواروں اور پیدل چلنے والوں کی بھیڑ ہو گئی تھی۔ تانے کی رفتار میں بھی فرق آ گیا تھا۔ جیسے میرے اسپتال پر دیک آ رہا تھا، میرا دل بیٹھا جاتا تھا میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں تھا اور مجھے کسی جبر و احساس ہو رہا تھا۔ مطلقاً کسی یہ کسی ہدایت میں نہ مجھے ہلکان کر رہی تھی۔ ٹھنکی میری ہی تھی۔ میں اسپتال سے نکلتا۔ یہ سب کچھ پیش آتا۔ مجھے سب بے کترے نے بڑا ڈراپا تو اس کے تعاقب میں وقت دوسری صفی تھی۔ اسٹریٹ خاں کا بھاری و اضطراب بے جا نہیں ہے۔ میں نے انہیں جیسے چپ کر دیا ہے میں استاد امیر کے اذیت ہے۔ مجھڑوں کے پیچھے نہیں ہاتھ ڈالنے کے مترادف تھا۔ بہر حال اس پیشانی سے کیا حاصل تھا۔ آدی سے غلطیاں ہوئی ہیں۔ زندگی میں غلطیوں کا کتنا شے ہے۔ غلطیوں سے زندگی کا سلسلہ چلتا ہے۔ غلطیوں، ریور، غلطیوں، چھوٹی غلطیوں، بڑی غلطیوں۔ کبھی بڑی غلطی سے کچھ نہیں ہوتا، کبھی بڑی چھوٹی غلطی رہتی مگر کاروبار بن جاتی ہے۔ آئی اے اشرف الخلق کو کہا جاتا ہے۔ آدی تو بہت ناشائستہ بہت ادھر رہے۔ ایک دماغ ہی اس کے قابو میں نہیں تو کس بات کا انتظار، یہی برتری۔ کہتے ہیں، آدی، دماغ کے سوا کچھ نہیں اور دماغ تو بہت خطرناک رہتا ہے۔ دماغ کو وہی کا طبع ہونا چاہیے نا کہ آدی پر حاوی ہو۔ دیکھا جائے تو آدی سارا بدن سے اوپر ہے، یہ کمر کا قوتی، دراز قدی تو ایک مانی ہے۔ آدی کے قد کی پیمائش تو گردن سے اوپر کے

صے سے ہوتی ہے۔

ایک سڑک ٹوٹی ہوئی تھی تانگے کو گھوم کے چاندرا۔ وجہ سننے کی تھی پاؤں کا پکے تھے۔ تانگے والے کو گراہی ادا کرنے کے لیے میں نے چپ میں ہاتھ ڈالا تھا۔ اسٹریٹ خاں ساتے آگے اور انہی نے پیسے ادا کیے۔ تانگے کی نشست کے نیچے رکھا ہوا بیگ بھی انہیں ہاتھ میں تو بھول ہی چکا تھا۔ انہوں نے سب کچھ اٹھائے نہیں دیا اور میرا ہاتھ تھامے ہوئے اسپتال میں داخل ہو گئے۔

شام کے وقت اسپتال میں عیادت کاروں کا جھم ہوتا ہے۔ ام نے جلدی جلدی فاصلہ طے کیا۔ ٹھنک کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے میری سانس چوٹنے لگی تھی۔ اسپتال کے اس حصے میں جہاں سب سے کشادہ اور آرام دہ کمرے بنے ہوئے تھے، صوف سکون تھا۔ میں تیزی سے کمرے میں داخل ہوا پتا تھا کہ کم کو بھونکا سا رنگ کی ڈانٹ اور تھیں ٹھنک کے بستر کے گرد موجود تھے۔ میں نے بے اختیار اسٹریٹ خاں کو دیکھا۔ انہوں نے ایک ایک کوہ میں رکھ کر میرا شاہ قصبہ کیا۔ ام نے قدموں ٹھنک کی طرف بڑھے اور ڈاکٹر اس کے پیچھے جانے لگے۔ میں آگے چلا۔

کے لیے بڑھ گیا تھا۔ اکبر علی خاں نے مجھے روک لیا۔

ڈاکٹر اس کو دہائیں دیتے اور دھیمی دھیمی باتیں کرتے رہے۔ ان میں ڈاکٹر رائے بھی تھا۔ میں نے ان کی گفتگو سننے کی کوشش کی لیکن میرے تو حواس ہی مشتعل تھے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ چند منٹ بعد ڈاکٹر رائے، ٹھنک کے بستر سے ہٹ گیا۔ وہ اپنے سامنے ڈاکٹروں سے مشورہ کر رہا تھا کہ اس کی نظر مجھ پر پڑی اور وہ چپکے چپا "ٹھنک تم کہاں تھے؟" اس سے میری جانب انہی اٹھائے اٹھ کر بری لگا پڑا تھا۔

"کیا کیا حال ہے اس کا؟" میں نے سمجھتی

تو اس میں کہا

اس سے شائے پکائے۔ بھی دماغ کے ایک ماہر ڈاکٹر، ڈاکٹر رائے کو لگا کے دکھایا ہے۔ اتفاق سے اس دن وہ انگلستان سے پہنچ گئے یہاں آئے ہوئے ہیں کیسے۔ یہ بچہ ہے مجھے ہیں، کچھ دراز کمر فرمائیے۔ بھی تجویز دیکھ لیں۔ اس کے کھانسی اور سستی کی۔

"سب ٹھیک تو ہے ڈاکٹر صاحب،" میں نے انہی رو بہ سے پوچھا۔

اس نے ٹھنک منہ۔ انداز میں سر ہلایا۔ "م کو شش کر رہے ہیں۔"

"یہ تو کیک فرسوز، جیہ ہے۔ اس سے مرعض اور تیار رہی کتنی نہیں ہوں۔ طار ہے، آپ اپنی کوشش کر رہے ہوں۔ میں مجھے ہاتھ دے دیتا ہے۔"

اس کا جسم تن کپا پڑے پر رنگ آیا۔ اس کے سوتائے کو بھی دیکھیں۔ "وہ بے گدراہار میں بولا۔

"نہیں رہے میں" کیا کہا اور کیا "مجھ سے پوچھنا چاہتا تھا۔"

"انہی کچھ خاص ہیں۔ زمین سے ہٹنے سے سر کے اوپر ہی جھٹک لگے۔ سر کا کپا کس حد تک متاثر ہوا ہے اور گھبرایا۔ کچھ رچرچ میں درستی ہیں۔ اس کا انتظار ہے۔ نہیں بتایا گیا تھا کہ بعض رپورٹیں اسے میں ایک دو دن تک سکتے ہیں۔"

"وہ میں دی جا رہی ہیں۔ کمریشن کا لیٹر نہیں کیا گیا۔" ڈاکٹر نے کئی دمی توار میں بتایا۔ "پر تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟"

"میں معافی یہ بتاؤں، سمجھیں، کوئی ان ہوتی پیش نہ کی گئی۔" میں نے حاجت سے کہا۔

"نہ۔ یہ بھول گئے تھے۔" اس کا بچہ طنز تھا۔

"کیا تھوڑا سا ڈاکٹر صاحب۔ اب اب نہیں ہوگا۔ اب میں یہاں۔ میں نہیں چاہتا گا آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔"

بازی کر 90

میرے پاس بکھیرا ہے اور گے ہاتھ گیا۔

میں نے پڑھ دئی تھی کہ
آپ بھی چاہتے ہیں میاں، ادا ہے آپ؟

”سو فی بیجی“ پ بھڑی سمجھ سکتے ہیں۔ بس کے
اُسے سے جہاں صاحب کو سہی ہو سکتی ہے اور کون

تھم رہے۔ وہ آپ کا ہر تھا ایک جس طرح
 عبادہ، فہم اور شفیق "امی کے تھمے دروڑے کی
 طرف میرے قدم نہ گئے۔ تھم آپ کے انتخاب کا
 تو موقع ہی نہیں تھا کسی دوسرے تھم ہی چاہے
 کیسے ہاگوں سے مانا ہوتا۔
 "اسی کو شاید جس اہل حق کہتے ہیں۔" وہ
 مسکرتہ ہوئے۔

ایک اچھوتی سرگزشت

چھلاوا

بیسویں صدی کی ایک نہایت پر سرخاتون
صیبہ بانو کو آپ بیٹی

✽ دوست مندا، راد خیال، پروقا، خوبصورت اور خطرناک صیبہ بانو، جنہیں
لوگ جانتے میں مگر نہیں جانتے!
✽ جرائم پیشہ افراد نہیں ”چھلاوا“ کہتے ہیں!
✽ صیبہ بانو کی زندگی بہت عجیب اور خطرناک حالات سے گزرتی رہی ہے۔
انہوں نے جب اپنی زندگی کے کچھ حادثات قلم بند کئے تو انہیں پڑھ کر ہڑ راس
لوگ ان سے غلے اور افسوس جاننے کے متمنی ہو گئے۔ کی لئے ان کی آپ
بیٹی کی اشاعت اردو زبان میں ایک ریکارڈ ہے۔

صفحات 1120 قیمت 300 روپے ڈاک خرچ 23 روپے

کتاب کی قیمت، معہ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ کریں

کتابیات پبلی کیشنز، کراچی

kitabiati1970@yahoo.com • 021-5804300

63-C فیئر سٹیشن ڈی ایچ اے من روڈ کوہنگی روڈ کراچی 75500 کراچی 74200

اکبر علی خاں سے کسی کو یاد ہونے کا بہت صاف
مشورہ دیا تھا میں جو اسی شخص کو چاہتا تھا
مذاق سے کہیں۔ تھیں بہت سے دریں کا چہرہ
میں سب سے پہلے سے آتا ہے تاریخ ہی وہ
چل پڑے کی۔ رشد، سویر اور جہاں گیر نہیں آتے
میں ہیں۔ اب تو صبر رہا ہی نہیں ہیں۔ سب میں
سے کسی ایک کے مگر وہ نہ سکتی ہے اور یہاں
میں ورنہ وہ مجھ سے کسی کو بھی نہ سکتی ہے
پہاں میں رات کے وقت ایک ہی تیار اور وہ ممکن
ہے ہائی دوسرے گھر بول میں رات گزار میں
گئے۔ دریں سے زیادہ تھیں کی حدت کوں کر سکتا
ہے۔ مسکائی تو میں کاہر ہے۔ آدلی دھوپ ہوتا ہے
آدلی چھائی میں دھوپ میں چھائی میں۔ دریں تو
سہ پہر کوں فجر سہ پہر ہے۔ اس میں اندام کا وجود
ہی نہیں ہے۔ دریں سے جہاں ہے۔ آدلی کا س
سے مو اعلیٰ ترین وسیع کیا ہو سکتا ہے کہ خود کو
دوسرا پر ترک کر دیا جائے۔ اس کی مثال تو شمع
کے مانند ہے جو روشنی بھرتی اور نرم ہوتی رہتی
ہے۔ اپنے سر جہاں اسے دیجے کے تھیں کو بہت
سکون ہوگا۔ وہ کسی کی دت بہت مانتا بہت
کے تیار اٹھاتا ہے۔ اس شہوانہ برادری کے مسلسل
کے سے نرم ہے کہ وہ جلد سے جد ٹھیک ہو جانے
کی کوشش کرے۔ دریں اس کے بے امید کا درجہ
رکھتی ہے۔ امید ہی تو زندگی کی توانائی ہے۔ امید
بچے سے فور زندگی ہے۔
ادھر گلے بھی تار دیا جا سکتا ہے۔ تار دیکھنے کی دیو
ہوگی۔ زور، جہر اور چامو کو ذرا سی تاخیر گوار نہ
ہوگی۔ ان میں سے کوئی بھی کل رات باز یاد نہ
زیادہ چہرے میں تک پہنچ آجائے گا میں رو میں
ہو، چامو یا سرد در و در۔ آج صبح ہی ڈاک
خانے سے پٹنا شہر پہنچنے کی اطلاع ایس دی ہے۔
اسی دن دس رات غلے سے سب کھٹک جا میں گئے۔
اور ایس باب کے لیے کوئی تو غور کرنا ہی پڑے

میری بھوک غائب تھی لیکن منع نہ کیا چاہے
 اکبر علی خاں نے بیورو میں کوئی شرکت کی دعوت کی
 اور اس کی معذرت پر اسرار بھی نہیں کیا۔ انہوں نے
 چاہا تھا کہ چائے پانے پر جیسے میں کوں مہمان
 ہوں، میرا ہاتھ بڑاؤ کرتے رہے۔ چائے پیتے
 ہوئے مجھ سے کچھ اور قریب ہو کے دو رو رو دارا
 اندر میں کہنے لگے۔ "ایک دست اس میں، تنگ
 رہی ہے یہاں۔" ساتھ ہی ہاتھ لگا دیا۔ اس میں
 قلوں کے چپے سے داغ لگی ہے۔ ہر ایک وہاں دیدہ
 پر نظر رکھنے کا مجھے عارضہ ہو گیا ہے۔
 "کیا بات ہے؟" میں نے تردد سے پوچھا۔
 "میرا خیال ہے، یہی مناسب رہے گا آپ کی
 کو یہاں بد میں۔" وہ رک رک کے بولے۔
 "کیوں، کیوں؟" میں نے بھگتے پوچھا۔
 "دیکھتے، میدان لے لٹکانے سے ہم بہ خدمت
 دیکھتے ہیں۔ یہاں سب کچھ درست ہو گیا ہے
 نہیں ہیں وہ پیوند لے لگے۔"
 "نیکس؟"
 اسے لڑکوں کا کیا بھروسہ۔ دریاغ لوگ
 ہیں۔ کسی وقت دریاغ پھر چالے۔ مرے واسے کی
 آخری رسوم کے وقت وہ موجود لوگ ہونگے۔
 چائیں۔ بچے سا بھی اس طرح چھا ہو جانے کا
 صدمہ انہیں مختل بھی کر سکتا ہے، درختے ہی وہ
 میدان کے فرماں بردار ہوں، یہ بھی میں اس سے باز
 پرس بھی کر سکتے ہیں کہ ایک آسانی سے آپ کو کیسے
 چاہے دیا گیا۔ ٹھیک ہے، وہ لوگ اس وقت خاموش
 رہے ہیں ضروری نہیں بعد کو بھی چپ سا رہے
 رہیں۔ بعد کی خدمت ہے۔ میری مراد ہے، میدان
 کے ٹھکانے کا کوئی آدمی مرنے والے سے زیادہ
 قریب کوئی بھی جونی ڈی پو کیس کا رخ نہ کرے۔
 اور وہی بات ہوگی، پولیس تو تماشے کی خاطر رہتی
 ہے۔ فرض کیجئے، ایک فی صدمہ میرے اس خدشے
 کا مکاف ہے تو یہاں بھائی صاحب کی تہ و دار کی

کے بے کوئی مزید تو موجود ہوگا۔ کم از کم ایک طرف
 سے سکون رہے گا۔ دوسری جانب رہا پولیس سے
 بچنے کا معاملہ۔ دیکھ لیا جائے گا پھر کچھ
 وقت تو قادیان میں لگ جاتا ہے۔
 میرا لفظ تھا، اپنے مدعا پر جاننے کے لیے
 اس میں، کھیرا تھا، وہ لفظ چاہا کہ وہ بڑے تھے۔
 انہوں نے ایک فی صدمہ اس کی بات کی تھی۔ اس کا
 اندیشہ ایسا ملتا تھا تھا میں نے کوئی جواب نہیں
 دیا۔
 "دیکھیے آپ؟" میری خاموشی پر وہ پوچس سے
 ہو گئے اور سسکا کے بولے۔ "میں نے کچھ زیادہ
 قیاس تو نہیں کر لیا۔"
 "نیکس؟" میں نے اس کی ہم راہی کی۔ "میں نے
 شک کچھ بھی نہیں ہے۔"
 اکبر علی خاں ان لوگوں سے واقف نہیں تھے اور
 اس کے ساتھ اس کے طور طریقوں کی تشریح بھی
 مناسب نہیں تھی۔ میں نے اس کی سی دی۔ آپ
 کے جذبات، یہاں ہیں لیکن ایسا ہونا نہیں چاہیے۔
 "نیکس ہونا چاہیے۔" اس نے باز پوچھا تھا کہ
 "جناب، میں تو ایک فی صدمہ کی بات کر رہا ہوں۔ نظر د
 ہمیں ہر طرف رہتی ہے۔" وہ بھگتے چاہیے۔
 "وہ ایسے مددگار لوگ نہیں ہیں۔" میں نے
 دیکھی آواز میں کہا۔
 "تیرے کیا کہہ رہے ہیں؟" ان کی آنکھیں
 چندھیا رہیں۔
 "میں انہیں قہوراً بہت جانتا ہوں۔" میں نے
 سرسری انداز میں کہا۔
 "نیکس؟ آپ پر امید ہیں کہ اب ان شور و پشوں
 کی طرف سے کسی کیلئے اور عداوت کا امکان نہیں
 ہے؟" اکبر علی خاں کے کچھ میں ناراضی بھی تھی، مگر
 جتنی تھا۔
 جواب کرنے سے کچھ حاصل نہیں تھا۔ میں نے
 ان کی دل جوئی کے لیے کہا۔ "نیکس، چوری طرح

نہیں۔"
 "نیکس تو میں عرض کر رہا ہوں یہاں۔" وہ رو رو
 دے کے بولے۔
 "ایک دن اور دیکھتے ہیں، کسی کو بلانے اور
 آنے میں اتنی دیر نہیں لگے گی۔"
 وہ ایک مہذب آدمی تھے۔ میری جھکی جھکی آواز
 سے انہوں نے احتیاط کر لیا کہ اس کے وہم و گمان
 میری ناگوارگی و نا سادگی کا باعث ہو رہے ہیں۔
 ایک تیز فہم شخص کو سمجھ لینا چاہیے تھا کہ محفل کی
 چار و دار کی کے لیے کسی کو بلانے میں تاخیر کی وجہ کوئی
 بھجوری اور مصلحت بھی ہو سکتی ہے۔ وہ خاموش
 ہو گئے اور انہوں نے موضوع بدل دینے کی طاقت
 کی۔ سمجھنے کا ایک ٹکڑا میرے سامنے کیا۔ "منہ
 ملوانا کر لیجئے۔"
 میں نے اس کی خواہش کی قبول کی۔
 "شیرینی سہ میں مل رہی ہے اور دانے بدلتی
 رہتی ہے۔ دیر ہو جائے تو منہ کا تڑا ہوا سینا ہو جاتا
 ہے۔ اس کا توڑ تنگ ہی سے ممکن ہے۔" انہوں نے
 خوش گلائی کی۔
 خدا کی اٹھا کر شکر کا دی ہے۔ کہتے ہیں، خدا غم
 کی کوہن سے لیکن پھر آدمی کیا کرے۔ اپنے ہمار
 کے ساتھ ہمار ہو جائے۔ کسی جاتے واسے کے
 ساتھ خود بھی چلا جائے۔ کیا عجیب ہے، دکھ سننے کے
 لیے بھی توانائی کی ضرورت پڑتی ہے۔ میں نے
 بہت کم کھا لیا تھا کیسے مجھے اپنا جی کسی قدر ٹھیرا ہوا
 لگا تھا، تشنگی سے دکھ دو چند ہو جاتا ہے اور پھر
 جھکی سے جاتا نہیں شاید کچھ چور سے کہ حالت غم
 میں اشتیاق نہیں، دلی دلی، بچھو بچھو رہتی ہے
 لیکن آدمی کو خود اچھا نہیں لگتا۔ حالت غم میں تو اسے
 اپنا غم ہی مزید ہوتا ہے۔
 اندھیرا اجڑ رہا تھا۔ بیورو میں سے کمرادوں
 کو بلایا۔ وہ پھر اکبر علی خاں گھر سے نکلے تھے۔ ان
 کے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے گئے گئے

وہ میرے ساتھ تھے، ایک چاقو پرورد کے ساتھ جو
 اس کے گھر میں ناگہانی بد کی طرح وارد ہوا تھا۔ کتنی
 عجیب بات صاف ہوئی ہو، میری ہیبت تو اس کے دوس
 پرکش ہو چکی ہوگی۔ کمرل صاحب کو گھر چلے کے
 ہے میں لوگے لوگے رو جاتا تھا۔ لیکن وہ برادران
 چائیں۔ غائب میں بھی کچھ بھی چاہتا تھا کہ وہ نہیں
 میرے پاس بیٹھے رہیں۔
 روٹی کو اپنے اظہار کے لیے اندھیرے کی
 ضرورت پڑتی ہے۔ اندھیرا جتنا گہرا ہو رہا تھا،
 کمرے میں جتنے جتنے تھے ہی روشن ہوتے جاتے
 تھے۔ اکبر علی خاں کو خود ہی احساس ہو، کہنے
 لگے۔ "جی تو نہیں چاہ رہا مگر گھر چاہا ہے۔ مجھے
 اجازت دیں یہاں۔"
 کمرے میں سب شدت سے منتظر ہوں گے۔
 یہی بہتر ہوتا کہ آپ انہیں جاکے آتے۔"
 آپ کو نہیں معلوم، نزہت خانم عام قسم کی
 جذباتی خاتون نہیں۔ ان میں بہت تحمل ہے۔ اپنی
 شیم کا دتر کرتے ہوئے اس کا اہم شیدائیت سے سب
 ریز تھا۔
 "مگر ادھر تو ہو گئی ہے۔" میں نے رپرہ کیا۔
 "ہاں، لیکن رمت نہیں غیر ذمے در نہیں
 سمجھتیں۔" وہ دھڑکی سے بولے اور صوفے سے
 نچنے اٹھتے مجھے تاکید کرے گئے کہ رات کا کھانا
 میرے ساتھ ہی کھا لیں گے، وہ گھر سے کھانا نہیں
 گئے۔
 میں نے بہت کہا کہ اس رمت کی ضرورت
 نہیں۔ ایک تو مجھے بھوک نہیں، دوسرے بہت
 ہوائی چاہتی ہے۔ گھر چلے کہ وہ کمر لیں دربارہ
 دم ہر کے ساتھ آجائیں۔
 "دب میں دے گا۔ گھر سے یہاں تنگ کا
 فاصلہ بھی اتنا نہیں ہے اس میں رہا ہوں۔ سب
 آپ کچھ نہ کہیے۔" یہاں نے فیصلہ کر لیا۔
 دروہہ عبور کرتے ہوئے وہ رک گئے در

وہ۔ "گھر تو آپ کو یاد ہوگا۔"
 "کیوں؟" میں نے تحس سے پوچھا۔
 "آپ تو اتنی رہے ہیں۔" میں یوں ہی۔ "ان کا گھر سہرا تھا۔" ایسے ہی جیسا کہ حدائقِ ست کوئی ایک دہائی صورت ہو تو مجھے حدائقِ ست کے حقیقہ میں گھر کا پتا کھدیتا ہو۔
 "یہ نہیں ہوگا۔" میں نے بکا، روتھم کے کہا۔ "تب اطمینان سے چاہیے۔"
 وہ مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ اسی کیفیت میں دردِ رے سے نکل گئے۔ کچھ دور تک میں نے بکا ساتھ رہا پھر اس کے اصرار پر کمرے میں موٹیا اور میرے قدم سیدھے گھٹن کے بستر کی جانب اٹھے۔ اس کی حالت دیکھی جا رہی تھی۔ آپ سے بکا نہیں ہے۔ آپ آہستہ سے اسے آواز دی۔ اس کے جسم میں جھنجھکیاں تھیں۔ ہاتھ پر بھی نے بیورین کی طرف دیکھا۔ اس سے دونوں پرانگی، رکھ کے گھسے منع کیا اور جلدی سے پٹے سے ٹھوس کر کے لٹکھ کر میرے پاس آگئی اور میرے پہلو میں کھڑی ہوئی۔ کسی بھی گھر کے آسے میں، میں نے اس سے پوچھا۔ "اس کی جا رہی ہے؟"
 میرے بچے میں بھی حسرت اس پر عیاں ہوئی۔ وہ ایک خوش طبعیت لڑکی تھی، مستعدی سے ہوتی۔ "حزرت نہیں ہے اور چھٹی خدمت ہے۔"
 "یہ کون ہوتا ہے؟" میں نے شکستہ وار پوچھا۔
 "ابھی تک شعلِ مینہ کی دوائیں دی جا رہی ہیں۔"
 "سزا لوگ کیا کہتے ہیں؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔
 "وہ ہمیشہ پر امید رہتے ہیں۔" وہ نرمی سے بولی۔
 "تو کیا ہیں؟" میں نے تکرار اور سہنے سے پوچھا۔

بچے کی نرمی پر قابو نہ پا۔ "آپ کو تو پتا چلتا ہوگا۔"
 "مجھے واضح طور پر پتا نہیں۔" وہ حیات سے بولی۔ "میں ظاہر ہے، جلد ہی وہ کسی نتیجے پر پہنچ جائے گی۔"
 مجھے امداد ہو گیا کہ وہ دوا دینے بیورین کے پاس میری خوش فہمی سے لیے بھاگتے پتھر ہوائیں۔ برس ایک کی طرف اس سے بھی ہر پیارے امداد میں مجھے آرام کا شعور دیا۔ کئی سال سے ایک آدمی، دوسرے آدمی کو سکون و آرام کی تلقین عطا کر دیتا ہے۔ یہ جانے لہجہ کے دوسرے کے نہیں خانے میں کسی شورش پائے بیورین کو یا تو واقعی کچھ معلوم نہیں تھا یا کوئی احتیاط درپیش تھی۔ اس کی اس کھڑکی کی دھڑکی جواب دہی پائی میں آتا تھا۔ کسی دھڑکے سے بچے میں دھڑکیوں کی آواز میں اسے تشویش غروب سے دیکھا گیا۔ اس کے ہر سے بکا بولی مصیبت تھی۔ وہ تو ایسی ناؤ تھی کہ رات کو آواز پر کھلا ہوا تھا۔
 "گھر آپ نہیں۔" وہ نرم و ملانہ وار میں بولی۔ "زائما رات کو آئیں گے۔ رات کو وہ اسپتال نہیں آتے۔ صرف آپ کی خاطر آئیں گے۔ آپ پر وہ بہت مہربان ہیں۔"
 "میرے بچے میرے بھائی پر مہربان ہوں تو بہتر ہوگا۔"
 "انہی کی وجہ سے آئیں گے۔" میرے بچے کی تیری سے وہ آواز بولی اور ہر وقت کے بعد میرا صاحب بنائے گئے۔ بچے کی گداز بچے میں وہ۔ "آپ کو کئی دیکھیں ہوئی؟" مجھے تو فکر ہو رہی تھی۔ "آپ نے کب تھا؟ آپ کے لیے شرم ہے۔"
 "میں داستان ہے۔" اس نے بے چینی سے بولی۔
 "ڈاکٹر کرائے وقت پر آگئے تھے وقت کے وہ بڑے پادری میں آپ کے بارے میں پوچھنے پر

میں نے اس سے نہیں کہا کہ آپ کو مجھے دیر ہو گئی ہے۔ دوسری رات میں آپ کو مجھے بتانا پڑا۔ اس کی تبدیلی کر۔ اور پھر صوری سماں لانے کے لئے بولی تک گئے ہیں، اس آئے ہیں ہوں گے۔ ڈاکٹر نے اسے مزاح کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اسپتال میں بھی اس سے دور دور رہتے ہیں۔ اس کی ٹھیکس تحریر دیکھیں۔ سب سے کچھ دیکھ رہا تھا، وہ ایک کم سن لڑکی تھی۔ چھوٹے پیر سے ہاتھ کر رہی تھی جیسے پہلی بار یا پھر بولی رہی اور یا چھن رہی ہو۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا وہ اکبر علی خاں کے بارے میں پوچھنے لگی۔ "کیا آپ کا ان سے کوئی رشتہ ہے؟"
 "رشتوں کے لیے، رشتے داری ضروری ہے اور مدت۔" میں نے کہا۔
 "آپ کیسے پتے۔" میں نے پوچھا۔
 "ہاں، چھوٹا بچہ ہے۔"
 وہ تیریں بولی اور مردہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ یہ کچھ لہجہ نہیں تھی کہ اس کا میں گھٹن نے بھی سانس نہیں اور اس کا جسم بے گل سا ہوا۔ صاف طر آتا تھا کہ دردِ کرب کی کوئی ہر اس کے تن بدل میں آگئی ہے۔ بیورین تحریر ہوئی۔ میرا تو سر پکڑا لگا۔ بیورین نے ایک پسو سے دبا ہوا گھٹن کا ہاتھ رسائی سے دھر نکالا۔ میں نے دھڑکی آواز میں اسے پکارا۔ اس کے پونے حرکت میں آئے، ایک لمبے کے لیے آنکھیں کھلیں، ماتھے پر سونیس ابھریں۔ دوسرے لمبے وہ غافل ہو گیا۔ بیورین نے اشارے سے مجھے مزید آواز میں اپنے سے روک دیا۔ وہاں میں تھی۔ بیورین نے اس کے جسم پر ہلکے سے چادر ڈھکھائی۔
 میں وہیں گھٹن کی پینٹی کھڑا رہا۔ وہ تو کوئی اور آدمی نہ تھا میرے ہاتھ پر کھلے ہوئے تھے اور اس پاس کوئی بد اثر بھی نہیں لگتا تھا جیسے میں

کسی شکلے میں کس ہو ہوں۔ میں تو کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ کبھی بچہ لڑکی، ناکارگی ہے کہ میں اس کے کسی کام نہیں کر سکتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ مجھ سے اس کی ہر گھبراہٹ میں کہاں کو تباہ ہو رہی ہے۔ میں پھر کیا کروں، کیا میں جاؤں، کوئی ساہنہ کوئی سا داؤد آزمائوں کہ وہ سبھل جائے اور میری حالت اس سے کون سی جدا ہے۔ وہ سب سے بے گانہ ہو کے بستر پر چڑ گیا ہے۔ میرا ہوش اور میرے دست و پا بڑھ گئی کس کام کے ہیں۔ میرا جی تو اس سے بڑا ہے۔ اسے میری فکر نہیں کہ مجھ پر کیا ضروری ہے۔ میری تو جاں بچی جا رہی ہے۔ کسی بیمار کو علم نہیں ہوتا کہ دوسرے ثابت و سالم اس کے بڑی، اسے اپنے آپ سے زیادہ عزیز رکھنے والے کیسے دیران ہو جاتے ہیں۔
 چائے لٹی دیر ہوئی، میں غسل کے بستر کے سر جانے سے جس درگت کھڑ رہا۔ بیورین کب میرے پاس تھی۔ مجھے احساس ہی نہیں تھا۔ اس کی ہانسی، اس کی دستک پر میں نہ تک چڑھا۔ وہ ایک ہی کھڑی تھی۔ اس سے پہلے سے ہر ہاتھ تھا، تو میں سن پڑ گیا تھا۔ وہ مجھے پچھانی بھی ہوئی۔ کسی معمول کی طرح میں نے اس کی بے روی کی۔ وہ مجھے گھٹن کے بستر سے ہٹا کے صوفے تک لے گئی۔ خوش چہرے سے خوش طواری شروع ہو گئی ہے۔ اس میں دونوں خوبیاں یک جا ہو گئیں۔ اسپتال کے ان شاہانہ کمروں کے لیے اپنے ہنر میں ماہر فرسوں کا انتخاب کیا گیا ہوگا اور انہیں سر میں کے ساتھ ساتھ تیماردار سے سن ملوک کی تربیت بہ طور خاص دی گئی ہوگی۔ پتھر ادا رہا کہ مجھ کو لودہ کی صراحت نہیں پڑی۔ بیورین کی خوش شعری میں خوش لہجہ کی کئی بھی غل تھ کر اس کی رہ و رسم میں تکلف و تصنع کی گرائی نہیں تھی۔ میں نے صوفے کے موڑے سے گردن نکال کے آنکھیں کھلیں۔ بیورین بھی شاید یہی چاہتی تھی۔ میری طرف سے منہس ہو کے وہ

دروازے کے کنارے کھڑی کرسی پر جا بیٹھی
میں نے صریح طرح کے دست و گمان کی پوش
سے خود کو محفوظ کر لیا۔ ایک سو ہوئے کی گولش کی
نہیں گولی کو اپنے نظیر کا پار کس قدر ہے۔ میرا
سرا جسم ٹوٹ پھوٹ رہا تھا۔ کبرعلی خاں کی
موجودگی میں ایسی باتوں اور سب سے کسی محسوس نہیں
ہوتی تھی۔ ان کے جانے کے بعد سب کچھ ٹھہرا ہوا
لگتا تھا، بہت شور مچ رہا ہو جیسے، ایک ہاؤس ہو
دور جگمگ میں، میں کیا کھڑا ہوں، درو کوئی کسی کی نہ
من رہا ہو، کوئی کسی کی طرف نہ دیکھ رہا ہو جیسے۔
میں صوفے پر نیم جاں پڑا تھا کہ کسی کی بہت
ہلکی آواز پر آنکھیں بند نہ رہ سکیں۔ وہ رس کی تھی۔
اس کا مطلب تھا، سیورین چلی گئی ہے۔ چائے وقت
اس نے مجھے بتایا مناسب نہ سمجھا ہوگا عمارت کہ میں
سو گیا رہا تھا۔ میں تو اپنے آپ سے دور ہو جا۔
اپنے آپ سے اٹھ اٹھ کر جانے کے جن کر رہا تھا۔
ایک سے شکر کرتے ہوئے مجھے سلام کیا، جاں پو پو
اور معذرت چاہی کہ ڈاکٹر نے اسپتال آچکے ہیں
در کسی وقت کمرے میں آتے ہیں، اس لیے اسے
میرے آرام میں مل گیا ہونا پڑا۔
میں فوراً اٹھ گیا اور میں نے کمرے سے ملحق
خمس خانے میں جلدی جلدی چہرے پر پانی
چھڑکا۔ کاش پانی ہی بڑی کے دوران جانہ عمارت خود اپنے
کی قوت بھی ہوا کرتی۔ اپنا حلیہ کی قدر درست
کر کے میں کمرے میں دوپہل آیا۔ چند وہیں بیٹھ
گزر گئے۔ میری نظریں دروازے پر پڑی ہوئی تھیں،
پھر میں باہر نکل گیا۔ کھوتی ہوں مختصر دوری میں
خاموشی چھٹی ہوئی تھی۔ اس سرے سے اس سرے
تک میں سے کئی پھیرے گائے۔ ڈاکٹر نے کام
دنیا نہیں تھا۔ اسے دیکھنے کے لیے میں نے
اسپتال کی مرکزی عمارت جانے کا ارادہ کیا اور چند
ہی قدم چھڑکے ہوں گا کہ دروازے سے آہٹ سنائی دیں
اس حیاں سے کہ ڈاکٹر رائے یوں راہ داری میں

مجھے ٹھٹھا دیکھ کے مگدور ہو، میں کمرے تک لوٹ
آیا۔ ڈاکٹر رائے اس تھا۔ اس کے استقبال سے
میں کمرے سے باہر نکل رہا۔ اس کی رفتار اس
کم تھی۔ اگلی تیز۔ مجھے دیکھ کے اس نے میرے
سلام کے جواب میں سر کو حیف جنبش دی اور اپنے
ادب سے ڈاکٹر سے شکوہ کرتا ہوا کمرے میں داخل
ہو گیا۔ مجھے اس کا یہ معاذراہ طور اچھا نہیں لگا، سواں
کے پیچھے جانے کے بجائے میں دروازے کے پاس
سکڑا رہا تھا۔
دووں ڈاکٹر انہماک سے غسل کا سانس کرتے
رہے۔ انہوں نے بغیر دیکھی اجیر کے انگوٹھے کھینچے۔
ڈاکٹر رائے نے اس کا سر ٹھٹھا دیا اور بیچے
ان کے آنکھیں دیکھیں اور اپنے سامنے سے کوئی
گولش کی۔ دووں نے چپتی سے لٹکے ہوئے اس کی
ٹانگوں پر بار بار نظر ڈالی۔ ڈاکٹر رائے نے غسل و
آہستہ سے پکارا تو مجھ سے اپنی جگہ ٹھہرا نہ جا سکا
ایک قدم بعد میں سے خود کو روک لیا۔ میں نے
دیکھ ڈاکٹر رائے کی آواز کے جواب میں غسل
کے حسم میں کچھ حرکت ہوئی ہے۔ ڈاکٹر رائے
اس کا حال پوچھا جا رہا ہے، دروازے پر داخل
ہوئے بددعا ہوئے گے کہ ڈاکٹر نے سر حتم کے
انجا کا اس کے قریب کر دیا، اسے قریب کے غسل
کی گہری سائیں اس کے گال سے مس ہو رہی ہیں
میں غسل سے کوئی جواب دیا، یہ میں نہ جاں گا۔
شاید کچھ بھی نہیں۔ ڈاکٹر رائے کچھ نہ پان فوائدی ہو
وہاں سے نہ ہٹا۔ انھوں تک وہ اپنے سامنے سے
مشورہ کرتا رہا اور دوبارہ پہلے کی طرح غسل کے
سرھاے چلا یا اور آہستہ آہستہ اس کے سر پر ہاتھ
پھیرے لگا۔ ہو سکتا ہے، وہ اب بھی رہا ہو۔ غسل کی
پیشانی پر شیشی مودار ہوئی ہیں یا کوئی کراہ اٹھتی ہے
وہ بھی چائنا چہتا ہوگا میری نگاہیں مسلسل اس
رائے کے چہرے پر ٹھک رہی تھیں۔ ڈاکٹر اب
کے چہروں کی بے تاثری ان کی تعلیم کا حصہ نہ

منڈلائے لیکن ہانسی کے احساس نے مجھے ہاندھے
رکھا۔
"کافی پیو گے؟" اس نے دھیرے سے کہا۔
میں رنگ رہ گیا۔
"کافی پیا ہے؟"
"جو... جو آپ کو پسند ہو۔" میری زبان ہٹا
گئی۔
"جھپٹیں کیا مرغوب ہے؟"
"کافی ہی ٹھیک ہے۔" میں نے دہی آواز میں
کہا۔
اس سے رس ایک سے کافی منگوانے کی فرمائش
کی۔ میری طرح دہی کو بھی یقین نہیں تھا۔ ایک
ٹاپے کے لیے اس پر نہ ٹاٹاری رہا پھر اپنی جھپٹیں
باہر نکل گئی۔ ڈاکٹر رائے میرا ہاتھ پکڑے پکڑے
صوفے پر بیٹھا اور اس نے اپنے سامنے ڈاکٹر کو بھی
بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔
مجھے اپنی کم تھی، جلد بازی اور بے غنائی پر
شرمندگی ہو رہی تھی۔
"تم کب آئے تھے یہاں؟" ڈاکٹر رائے نے
پھتلی ہوئی آواز میں پکا پکا مجھ سے پوچھا۔
"کل۔ کل رات۔" میں نے لپکتا
ہوئے کہا۔
"گویا ابھی پوچھ گھٹنے بھی نہیں ہوئے۔ سر کی
تھروٹی چوٹ ہے، چوٹ سے ہونے والے نقصان
کی نوعیت جاننے کے لیے چند شیش ضروری ہیں۔
اس کا تھوڑے عرصے کے بعد ہی کچھ کتنا مناسب ہوگا۔"
"جی، جی ہاں، میں سمجھتا ہوں۔"
"تم نہیں سمجھ رہے۔"
میں چپ رہا۔
"تھوڑی عمر کی سی ہے اور یوں بھی تم ایک
ایک ۷ جواں ہو، ویسے تو جواں کو یہاں ہونا
چاہیے۔"
"مجھ سے ان کی حالت بدوشت نہیں

جیسوئے بڑے ٹکڑوں میں بنی ہوئی ہے۔ ہر کام میں وقت لگا ہے۔

”آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر اکت کا پاپا کہہ کر
میں ہونا چاہیے۔ گزشتہ دو برس میں مجھے آپ سے
میتا۔ میں۔ میں۔ بھی۔ میں مجھ پر قیامت
طرح گزری ہے، یہاں کے مافوق فطرت ہے، آپ
برجوں میں ٹھہر گئے ہیں۔“

اس کے شاہ سپہ مجھے ہو گئے " قسم نے پوچھا
اچھی بات یہی نہیں کوئی نہ کوئی پہاڑ تو جانا ہی پڑا

ہو گا ہے۔"

مکمل پانچ بجے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مکمل
پانچ بجے اور چھ بجے کے درمیان سپا... ایک
بھی نہیں رہتا ہے؟“ وہ مطلب پتے
ہوئے ہوا۔ اس کے لیے یہ کہی گئی تھی
ضرورت تھی۔

میں نے بھی، ہر ایک کا ایک مستقل مقام ہے

یوں ہی ہے۔

ہو جائے اسے منظر سے ہٹا کر دیکھیں۔ میں بھی اس
انتظار میں ہوں کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس

بچے، مسیحا کی کائناتوں کو شہ کوئی اعجاز
اس کی آنکھوں کی چمک فروں ہوئی میر

”کیسا انداز و جناب“ میں نے تعجب سے

پوچھا۔ ”یہی کہ تم سے دل چسپ، معنی دہیں مراد

ہو سکتا ہے۔ اس نے کافی کی پڑی حق کرتے ہوئے کہا اور ابھی سے ایک اور پیانی کی فرمائش کی اور میرے آگے بیکٹ کی چیت بڑھا۔ تم سے نہیں کہے۔ یہ دکھانے پہنے کی عمر ہے۔

”مگر وقت نہیں۔“ میری بڑبڑاٹ شاید اس نے نہیں سنی۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور پیانی سے بیکٹ اٹھا لیا۔

”یہاں بہتر میں تمہیں خالص چیزیں عیا ملیں گی۔“ ڈانکے میں حرے دارنہ ہوں مگر ہونی چاہیے ہیں۔“

پکا ایک میرے دہن میں ایک گمان نے ڈنک مارا اور میرا سر دوڑا کی ڈنگا گیا۔ مجھ ایک جیسی سے ڈانکے جیسے تند خوئی کی یہ رغبت نظیاری اور شعوری تو نہیں؟ اسے میری حالت اور وحشت کا حس ہو گیا ہے۔ کہیں مجھ پر خالص عطف و کرم اٹھل کی طرف سے ہے اطمینان کے سبب سے تو نہیں؟ میری انتہا مت کے بعد کوئی پیش بندی تو نہیں کر رہا؟ ابھی ابھی تو اس نے لہلہ کا۔ چاند کیا ہے۔ اس کے نورانی بعد اس کی مہرانی سوا ہو گئی ہے۔

میرے ساموں سے پینڈ پھوٹ پڑا۔ میں ہے اٹھ ہر گمانی سر سے جھٹکنے کی کوشش کی نہیں آگھوں میں عجزا ترے کا تھا۔ ڈانکے رنے کی کہی ہوئی باتوں کی بازگشت دماغ میں گونج رہی تھی۔ میری نظری کے لیے خوش امید کی کے فراخ دلات، ظہار میں اسے کیا عار ہے۔ اسے کوئی امید تو مسم و سوہوم۔ جی۔ جی۔ مورو پر وہ ایک اچھا آدمی ہے۔ مجھ پاگل کے ہے رینڈ پر رینڈ ہادی ہی مناسب رہے گی، یہی کسی تہہ پر۔ تو وہ عمل میر نہیں؟ مجھ پر روش کی روانہ در کھل کے معاشے میں مٹا دیں میں اور میں کا کوئی پھوٹو مسم نہیں ہے؟

میرا سر گھوم رہا تھا اور شاید کافی کی پیانی میرے ہاتھ سے گر پڑی کہ ترس ابھی نے سنبھلے سے اپنی

گرفت میں لے لی

”کیا بات ہے؟“ تم چپ کیوں ہو گئے؟“

ڈانکے رائے نے چونک کے پوچھا۔ میں نے کچھ نہیں کہا مگر وہ ایک بحر جہ کار آدمی تھا۔ میری کیفیت اس ہزار چشم سے چھپی کیسے روشنی تھی وہ بے تاب سا ہو گیا۔ ”ادو، ادو۔ یہ بیٹھے بیٹھے نہیں کیا ہو گیا میرے بچے۔“ یقیناً کوئی برا خیال، میرے خواب کی طرح تم پر مسلط ہو گیا ہے۔ نا۔ میرے غمزہ، حوصلہ رھو۔“

میری آنکھیں جل رہی تھی۔ آنکھوں کی آگ پانی بن جاتی ہے۔ میں نے بہت ضبط کیا لیکن آنسو نہ رنک سکے۔

ڈانکے اور مضطرب ہو گیا۔ اس نے میرے ہاتھ جکڑ لیے۔ ”اب کچھ نہیں ہے۔ دو اور دو، پانچ کی کرشمہ کاری کا مہرہ ابھی جس آیا۔ ابھی تو تم اپنے ہاتھ توں کی کوشش کر رہے ہیں اور کسی امید ہی میں۔“

”میں کسی نتیجے پر تو نہیں۔“ میں نے وقت کی بات کی تھی کوئی مایوسی کب ظاہر کی۔

”ڈانکے صاحب۔“ شکل تمام میں نے کئی چھٹی آواز میں کہا۔ ”آپ مجھے کچھ بتائیے۔“

”کیا کچھ؟“ وہ چونچٹا ہوا۔ ”میں نے تم سے کیا چاہا ہے؟“

”آپ نے صاف بات بتا دی تھی۔“ میں نے دیت سے کہا۔

وہ چار سر تیزی سے ہلانے لگا۔ ”ادو، نہیں، میں نے تم سے کیا کہا ہے، ابھی تا کر ابھی بعض طبی تجویز کا انتظار ہے۔ یہ پھر جب تم یہاں نہیں تھے، میں اس شے کے ماہر ڈانکے پر پہلی کولے کے آیا تھا۔ انہوں نے بھی یہی کہی کہ۔ میں نہیں چھ صاف بتانے کی صورت میں نہیں ہوں۔ ام حریف کے عیروں سے کوئی اپنی سیدھی بات نہیں کرتے، بعد کو بیشیانی کا باعث ہو۔ ہم ابھی مشاہدے کے مرحلے میں ہیں میرے بیٹے۔“

یہ المیہ تھی طلب ہے، یونانی، آج دور ایک اور جیومیٹریسی نہیں اس کا اچھا طریقہ ہے تم کسی دیہ، خیا کی بابا، سڑک کے کنارے چوکی پر بیٹھے کسی پھولان، اطالی اور بعض دیکھ کے جسم کے اندر کا حاس، سارا کچا چٹھا جان بیٹے دانے حکیم کے پاس نہیں آئے۔“ اس کی آواز پر کشیدگی بڑھتی جا رہی تھی۔

میں نے سر جھکالیا۔ ڈانکے بھی چپ ہو گیا۔ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے میری کمر چھلی۔ ”لگتا ہے، پہلے تمہارا علاج کرنا چاہئے۔ یہ کمر دلی اور دونا دونا نہیں زیب نہیں دیتا۔ چلو، ایک بہار اور حوصلہ مند نو جوان کی طرح اب کھڑے ہو جاؤ اور خوشی دن سے مجھے رخصت کرو۔“ اسے پارے میں میری رائے بدلنے کا دھتکے تھے مت دو۔“

”کہتے ہیں میرا بار قدم کے وہ اندھ کھڑا ہوا۔“ مجھے بھی اپنے پورے جسم کے ساتھ اٹھنا پڑا۔ ابھی وہ کمرے میں تھا کہ دروازے پر اسپتال کے مخصوص لباس میں دلا چلا ایک آدمی دکھائی دیا۔ ڈانکے رائے کو دلیہ کے وہ چٹ جانا چاہتا تھا کہ ڈانکے کی کڑکٹی آواز پر تھک کے رک گیا۔ ڈانکے کے اشارے پر میں اپنی سے تیز قدموں سے آگے جا کے اس کی آدھا کا مقصد پوچھا۔ اس نے کان پھوسی کے انداز میں اپنی گوجاے پاتا یا کہ ای جبر نظر آنے لگی۔ اس دروازے ڈانکے رائے، اس کا ساتھی اور میں دروازے پر پہنچ گئے۔

”کیا ہے؟“ ڈانکے نے رکھائی سے پوچھا۔

”جناب! یہ کہتا ہے، ماہر صاحب سے ملنے دو پولیس دانے آئے ہیں۔“ ابھی سے جھٹکتے ہوئے بتایا۔

”کیا؟“ ڈانکے قریب آج کر بولا۔ پولیس؟“

دوسرے لمحے اس نے میری طرف دیکھا۔ میں نے بھی من لیا تھا ابھی نے میرا نام ہی پاتا تھا میں تو دم پہ خود ہو گیا تھا۔ ”تمہارے لیے پولیس۔“ ڈانکے وحشت آمیز جبرانی سے بولا۔ ”کیوں، کس وجہ

سے اس کی عار ہے۔“

”میں جی کچھ نہیں سکتا۔“ اس کے سوا مجھے کوئی جو نہیں سوجھا۔

”کیا ہو لئے ہیں وہ لوگ؟“ ڈانکے رائے نے ہمدون میں برہرست قاصد سے پوچھا۔

”وہ سب سے ملنا چاہتے ہیں جناب۔“ قاصد صبر کے بولے۔

”کس دے کیوں؟“ ڈانکے پر کشش سے بولے۔

”اپنے کو نہیں بلووم جناب۔“ قاصد حواس باختہ ہوئے لگا۔ ”وہ لوگ کچھ نہیں بولے۔“

”تھک ہے۔“ میں نے سہے پیاری ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ ”آپ چاہئے، میں ان سے مل لینا ہوں۔“

مگر وہ کیوں آئے ہیں یہاں؟ ڈانکے کی فکر دشت میں میرے پے پر دایا نہ سکے سے بھی کم۔ ہوں۔ یہ اسپتال ہے۔ وہ پھر کے۔

”کوئی بات ہی ہوگی۔“ میں نے ہل آواز میں کہا۔ ”میں دیکھ بیٹا ہوں۔“

ڈانکے رائے خیرت و اضطراب کے عام میں کھڑے میری شکل دیکھ رہا۔ اس نے چھٹے کھٹے کے انداز میں شانے چکائے۔ ”مناسب ہے، تم دیکھو۔“ کو۔ ”وہ جھیر کے بولا۔“ ”ورسٹو کوئی کیوں کسی بات ہو تو مجھ سے مت چھوڑ۔“

”میں کچھ نہیں چھوڑاں گا۔ آپ سے، مجھ پر بھروسہ رکھیے۔ آپ اطمینان سے مگر چہیتے۔“ میں نے ظاہر عطا سے کہا۔

میری حالت عجیب تھی۔ ڈانکے رائے کے سامنے قاصد آیا تھا۔ مجھے یہ لگا، میری کوئی چوری بکڑی گئی ہے۔ میں فی کمر کے سامنے بے بسی ہو گیا ہوں۔ میں اسے تفصیل کیا تا، میری کوئی غلطی میر کوئی تصور نہیں ہے۔ معافی پیش کرے گا وقت نہیں تھا۔ ایک طرف اسے دلاسا دینے کا

فریاد م دغا ہوا۔ مری طرف پوئیں والے
میرے ہنر تھے۔ پوئیں کی آمد کا سبب ایک ہی
موسلا تھا۔ جس حد شے اظہار کبریٰ میں کیا
تھ وہی ہو۔
"کدھر ہیں وہ لوگ؟" اکثر نے پوچھا۔ اس
کا پہرہ بگڑ گیا تھا۔
قاصد نے اسے بتایا کہ مرکزی عدالت کے
ملاقاتی کمرے میں پولیس والوں کو بٹھا دیا گیا ہے۔
دوسرے کمرے میں آئے ہیں۔ ڈسٹرکٹ جج کے
انہیں کمرے میں نہ آئے ہیں۔ کمرے سے
دوسرے کمرے میں کرسیاں لگا دی گئیں۔
اکثر پھر وہاں نہیں تھیں۔ اس سے شب بخیر کہا
ہے۔ "اے تو کم ہوتی تھی۔ چائے پیسے نیسے
فلکوں کے دے دے اور دماغ میں کمرے لگے ہوں
گے۔ میں نے بھی کر دیا کہ اس صورت میں میں
شب بخیر کی رسم ادا کی ہوئی ہے۔ کل معصوم ہوئی تھی۔
اکثر کے چنے چائے کے بعد کمرے میں آگے
میں۔ ایک درہم بٹھل پر نظر آئی۔ اسے تو کسی
بات کا ہوش ہی نہیں تھا۔ سر کی بھی کھلی کھوں
نہی کی نظر آئی تھی۔ دربار میں لگا ہوں سے مجھے
پہنچتی تھی۔ پولیس ہیبت و وحشت کی علامت
ہے۔ آٹن سامن ہو چائے لوگ تو فرار کے راستے
ڈھونڈتے ہیں۔ ہو سکتا ہے، جس کی یہ نہ سوچ رہی
ہو کہ میں بھی کچھ بھی کروں گا۔ میں نے مسلسل خانے
چائے کے منہ دھویا۔ ہاں درست کیے، لباس کی ظلیں
راہ گئیں اور خود کو ستوا کر کیا۔ اب جو کچھ بھی ہو۔ تو
بدترین حالت دہن میں رکھتے ہوئے تھے۔ پوئیں
سات بیٹن ہو چکا ہے۔ پوئیں اور وارے پر
کھڑی ہے اور میرے پاس کون اور راستہ نہیں
ہے۔ اکبر علی خاں باقی چاہتے ہوں گے۔ دیر ہوئی
ہے مگر وہ میں کے صدمہ میں اس کی بات دہن ہوتا
تو اٹ تار بٹک ٹٹٹے بیچ چکا ہوتا۔ میں سے
رہن میں سے کاغذ و قلم فرہم کرے کی درخواست

کی۔ اس کے پاس دونوں بچے ہیں نہیں۔ میں نے
فلکے کے اڈے کا پتا اور پتہ لکھا اور ان کی کوٹا یہی
میری عدم موجودگی میں اس پر کسی حد تک ایک
مہاجر آئیں تو یہ وعدہ ان کے حوالے کر دیا جائے
پہنچا مختصر تھا کہ تار پٹے میں جہن گازی سے وہ چل
پڑیں۔ پیسے میں نے اسپتال کا پتا لکھا تھا، پھر اسے
کاٹ کے پوئل کا نام لکھ دیا۔ اسپتال کا پتا دیکھ کے
وہ سارے گھبرا جاتے۔ سڑک گالے نہیں کٹتا۔ تار کے
خراجات کے پیسوں کے لیے میرا ہاتھ جیب میں گیا
تھ لیکن اکبر علی خاں کے شیشہ احساس کے خیال
سے میں رک گیا۔
"ان لوگوں کے ساتھ ہمیں بھی جانا ہے؟"
یہی۔ آروزی سے پوچھا۔
"کیا کہا جا سکتا ہے۔" میں نے سرسری لہجے
میں کہا۔
وہ کچھ اور پوچھتی دیکھتی کہ پولیس کی آمد کی
اطلاع دینے والا قاصد دروازے پر کھودا ہوا۔ اس
کے کچھ تانے سے پہلے میں نے دروازے کا رخ
کیا۔ کمرے کے آگے چوڑی راہ داری تھی۔ اس
کے پورے پورے سے قطع پر گھبرا ہوا تھا۔
کمرے کنارے پھواری تھی ہوئی اور قاصدے قاصدے
پر پتہ قدر درخت ایسا تھوڑے۔ راہ داری میں چلتے
فتقوں کی روشنی کی حد تک سبز درہم بھی روش کر رہی
تھی ہر حرف سکوت تھا۔ سکوت، سکوت، سکوت میں
ہوتا۔ میرے سینے میں طالع پر پاتا تھا۔ سامنے سبزے
کے رنگ میں بیوی کر سبوں پر دونوں پولیس والے سر
چوڑے ہتھے سرگوٹیاں کر رہے تھے۔ یہ قدم کا
قاصدے کر کے میں ان کے پاس پہنچا کیا اس میں
ایک نئی عمر چائیں۔ چائیں، دوسرے ہی میں تیس
دوسریوں کوئی کوٹ پتلون پہنے اور میری آمد کی
قد درمیں، حریف کی قدر فرما تھا۔ وہ چھین جلی جلی
نہیں رنگت سہوئی اور میٹھیوں پر سفیدی جھٹ
رہی تھی۔ کرتے پچھ سے میں لباس و جوان آدمی کا

حجم پھر اتر دیا ہوا اس رنگت اس نا بھی سہوئی
تھی۔ دست قطع سے دوہا پولیس والے ہی نکلتے
تھے۔ مجھے مانتے دیکھ کے دونوں کمرے ہو گئے۔
چند لمحوں تک نظروں نظروں میں مجھے جھوٹے رہے۔
میں بھی اس شامیں اس کا اندازہ کرنا دہا۔
"کیا بات ہے؟" سلام کر کے کے پائے اور
ان کے چہ بولنے سے پیسے میں نے اپنی آواز
میں پوچھا۔
"آپ کی ہوا اور میرا کے لٹکا رہے پر جاے
دلے نا تو جوان شخص تیری سے بولا۔
میرے رہا کے اقرار کیا۔
"آپ کا نام؟" فلک تھا اپنے بچے کے قصیں
میں اسے دشواری ہو رہی ہے۔
"کامتا میں۔" میں نے سادگی سے کہا۔
دونوں نے بے بات ایک دوسرے کو دیکھا۔
اور میری آمد کا منہ نہ سہاوا۔ "کام بھی بتا دیں گے۔"
"کون ہو آپ؟" قہور اپنی ہارے میں بتا دیا۔
میں نے اپنی وارستہ اس ہی رنگ۔
"تو والی سے دے ہیں۔ یہ ایک پکڑ شری مہمن
دان جی ہیں۔ ہر نام رام پر سہا ہے، سب اسپتال
رام۔" تو جوان نے چستی سے جواب دیا۔
اس چستی میں سب کا کلمہ لگا خرمایاں تھا۔
"پوئیں والے ہو آپ؟" میں نے تعجب کا
اظہار کیا۔
"وہ اسپتال کا کونز کچھ نا ہیں پولس؟" اور میر
مخلص نے تکی سولی آواز میں کہا۔
"ہو اتھا چھوٹا، پر آپ اردی بنا آئے سو"
اپنے بیان کی پردہ پوشی کے لیے مجھے اپنا بوجھ بھرا
اور دھیمیں دھیمیں پاپیت تھا۔
"میرے کو اسپتال کا ادھیال تھا۔" تو جوان
نے بگلت حذر خواہی کی
"کامتا میں پھر میں نے مشک آوار میں کہا۔
"تموڑی جاں کارن لینا ہے اپنے کو۔"

و جواب دہ۔
"کیسی جان کاری؟" میں نے قہر سے
پوچھا۔
"میرا اکا آدمی دھنوں کا کھوں کے ہارے
میں! لا جوان اور ادر دیکھ کے بولا۔
"پر ہم کیسے جا سیں، آپ پولیس ہی کے آدمی
ہو؟" میں نے گھسا کے کہا۔
"کا۔" کامطلب؟ "تو جوان چڑھا گیا۔
"پوئیں بنا ہم آپ لوگ سے کیا بات کریں۔
بچے کو کیا معلوم، آپ"
"ایچ بھیا، ایچ بھیا۔" اور میری بات
کاٹ کے بولا۔ "ٹھیک ہی پولیس ہیں۔ بچپان
کروائے دو پتی۔"
تو جوان نے کرت کی جیب سے گتے کا نشان
دوسرے کارڈ نکالا۔ اور میری شخص نے بھی اگلائے
ہوئے کوٹ کی اندرونی جیب سے کارڈ نکال کے
تو جوان کی طرف بڑھا دیا۔ تو جوان نے دونوں
پوئیں سے میرے آگے کر دیا۔ میں نے انہیں
ہاتھ میں لیے بغیر کہا۔ "ٹھیک ہے۔"
کم اور کم ایک طرف سے اٹھیاں ہو گئیں تھ کہ
وہ مجھے ساتھ لے جائے یا گرفتار کرے، میں نے آئے
ہیں۔ اس کا اندازہ تو شروع ہی میں ہو چکا تھا۔ ورنہ
وہ سیدھے وارنٹ دکھاتے اور بے اصلی لب دہیہ
میں مخاطب ہوتے لیکن وہ میری جھوٹ میں اسپتال
نے تھے ورنہ اپنی مد کے سبب کا شہرہ و خواہ
پوئیں واسے سے کر بھی دیتا تھا۔ بھی کچھ نہیں کہا
جا سکتا تھا کہ دھو کے جوں کے ہارے میں کبھی کسی
قسم کی معصومات مطلوب ہیں۔ اسی صورت میں
اعتقاد ایک محرب تہہ رہے۔ جاب بھی، کہتے ہیں
کہ کم گوئی میں بہت احتیاط رہا ہے۔ دھو صاف
ہو جانے تک مجھے بہت محتاط رہنا تھا۔ طول کلامی
میں وہ بے بہت کی اور کبھی کسی در طرف سو پٹنے
پر مال کر سکتی تھی۔ میں نے جو چاہا ایک بات کہہ دینی

صبر و تحمل بھی۔ "ایک بات بتاؤں گی آپ کو جو بہت
بے فکری کے ہیں خواجہ ہے، پھر پھر اے عیسائی۔
'کھڑی ہو میں نے۔' ادھیڑ آدمی بھی ہوئی
'وہ میں پور۔'

کچھ تامل کے بعد پہلے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے نوجوان بے تاسف سے اہلہ کی دھواکی برقی کار کا پرکرم دیکھ کر دھڑکے۔
میں نے کوئی تاثر ظاہر نہیں کیا۔

آپ سچ میں تھے، ہم کو چاہیے، کیسے ہو گیا

۴۔ "اور حگلی میں بہت سے خوش بین تھے۔
۵۔ اس کے لئے کہیں باجیہ" میں نے بتادی کہ:-
و تو ہم سارا اونکو لے کر باجیہ میں رکھ دیا کیونکہ یہ
رست نہیں۔" اور جیڑا دی کو بھی پوری کٹی اچھی نہیں گئی۔

میدانے جیسا ہے آپ کو؟ میں نے انہیں
بھڑکے کی کوشش کی۔ جلد سے جلد ان کی مدد کی تو
ہنسنے لگے۔ مجھے خود بھی سو لوں کی شوہر مری
کہتے رہنا چاہیے تھی۔

میرے "اوسم کو بیچنا بھڑوا۔"

لو جو بن نے اپنے افسر کی ناگواری کم کرنا چاہی۔ ”پولیس کی پہلی ذمہ داری۔۔۔۔۔ (فرض) ہے۔“

کے ہاتھ میں ہے۔ میں نے کہا۔

و ادھر کا بہار، چار گتے کا سہرا
نوجوں پہ کاری آدر میں ہوتا۔

بغیر ہمارے پیچھے نہ گئی اور ہمارے رستے بند

کے لیے پاپیس کو اس وقت تک چھپانا ہے

یہ تو تباہی لگ گیا۔ میں نے گویا، ہے آپ

تے کہا۔
"جوتہ ہیں چلا، جان نہیں گئے اس کو بھی ترستے۔"

”میدانیں تو آپ سرکاری طرف سے آتے
ہو پھر؟“ میں نے سہی سے پوچھا۔ میرے سوال پر
نوجوان نے بحث اپنے اس پر نظر کی۔ اس نے
ہوٹ سکور کے جواب دیا، ”ہم اپنی اور (طرف)
سے آتے ہیں۔“

”اپنی اور سے“ میں نے تڑپ رہی تھی۔
”کھوں کا مالہ ہے، کیسی آگے بھی جائے

ہیں۔ ہم پہلے آپ سے ٹل کے آگے پیچھے کا سرا
جاس لیتا ہوں ہیں۔ "نوجوان نے وصالت کی۔

”اچھی آپ — کتنا جانا ہے“
”سمجھو، کوچہ بھی نہیں جانا۔“ ادھر آدمی کی

تویری پر بل پڑ گئے۔
 ”رچھ جان کے می آتے ہوں گے ادھر۔ اپنا
 ”میرے پاس آئے۔“

نام پتا پھر کسی نے بتایا جو ہم تک پہنچ گئے۔
 "سارے سہ کو پتا ہے۔ بچہ لڑھا جان، سب
 کو جگہ ہے۔ درجن کر کے کوئٹہ میں جس بھی کسی آپ کا۔"

لوچا ہے۔ اور کئی سرے اور ہیں یہی کی ہے۔
 نو جوان کی آواز میں پہلی مرتبہ طنز غالب تھا، استہزا
 بھی۔

”ایسا کیا کیا ہے ہم نے۔“ میں اب اپنے آپ کو
اتنا بندھا ہوا محسوس نہیں کر رہا تھا۔

جاسوسی و اہمیت کا مقبول ترین سلسلہ

ایک کیمیا گر کی داستان شوق جو مقصد کی تلاش میں در بدر پھر رہا

قلم عالم

راوی
صفدر علی



کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ
بذریعہ منی آرڈر پیشگی ہوا کریں

گنتی فی حصہ - 60 روپے
لگ خرچ فی حصہ - 23 روپے

74200 23
5802551 5802552-5895313
k.tabiat1970@yahoo.com
75500 63-C

جہاں سے سنا چاہیں ہیں، ہم کو بدو کا ہوا تھا
 ادھر
 "ہم نے ملے کیا تھا کہ اب کسی سے بات نہیں
 کریں گے۔ وہ دیکھا کچھ ہوا تو سیدھے پتھری
 چاکے لوہا نکھولیں گے۔" ہمیں لے گئے ہوئے تھے
 میں گہرا۔ "پھر آپ ادھر آئے ہو تو ٹھیک ہے۔ ہم
 جانتے ہیں۔"
 میں نے گاڑی میں ٹھہر کر ہٹکا لگے سفر ملاتی
 کر کے چلتا تھا۔ اسپتال نے سڑک خاے
 چاہے دروہوں پیش سے واقعہ غصہ کیا۔ میں
 نے کہا کہ، پتھراں پتھریں میں دیر ہو رہی تھی۔ پولیس
 کے چکر میں پڑے جانے کتنا وقت لگ جاتا۔ یہی
 ایک رستہ رہا تھا کہ میدان کے ذمے پڑے کہ بات
 نہ چائے۔ یہ مصوم تو ہوئی پکا تھا کہ میدان کو کسی
 رہا آتی ہے۔ کون مست کرنے کے لیے ہے۔ میں
 نے اس سے چوکی سے اتر جانے کو کہا۔ اس کے
 چوکی سے ترہانے پر بھی کچھ ٹروپ ہو گیا تھا۔
 ہو جاتا۔ میں نے پھر اس کی رہا میں ہت کی۔
 بعد کا سارا ہم چاہیں ہیں۔ اپنے دھار کی
 بھی ہر میدان کے ٹھکانے پر رستہ ہیں۔ ادھیڑ
 پھلے اسکر کر رہی تھی کہ بڑا۔
 "پھر ہمارا کیا ہوا۔" میں نے کہا۔
 ابھی چاکہ دی میں ہت مل گیا۔ ٹھیک ہے پر
 کل ناہیں تو پورے دس چدرہ دیں بعد
 میں نے ادھیڑ دی کی بات نہیں کی۔ اس کے
 پاس چاہا ہے۔
 جانا ہے۔ "نو بھون ہے خرمی دی کی
 تھی
 "پا پتھو اس کے پاس سے، وہ چلی تو یہاں ہے
 اسے۔" میری سر میں اس کی پیش نہیں تھی
 "نہیں۔" وہ چلا۔
 پوچھ چاہتا تھا کہ مستش ہو گیا بل کھ کے ہو۔
 بھوی کا بہت جیسے سے ادھر راج کرتے سے

ایک سر کا پتھو راج ہے۔
 "دیہ میں گئے۔" میں نے سر ہلایا۔
 یہ "بھیار راج میں" تھا ہے تو کسی ایک کورٹر
 دیکھیں پڑی ہے۔
 "پھر کا آپ اس کے ٹھکانے پر بیٹھنا چاہیں
 ہیں۔"
 اپنے کو اس کے ٹھکانے، چوکی سے کون
 دیکھ نہیں سکتے۔ میں اس شہر میں نہیں ٹھکا، ہم نے اس
 بھی صاف بول دیا تھا۔ ہم نے کہا، اپنے کو آگے بڑھنا
 ہے۔ پتا تو ہم بھائی کی وجہ سے آگئے۔ اس نے
 ہماری بات مان لی تھی کے لوگوں نے سارا کچھ
 بھرا تھا، سب سے بھی کچھ بتایا ہوگا اس کو۔
 میری سادہ دہائی پردہ اور مضطرب ہوتے۔
 ادھیڑ آدی سے پھر وہاں آیا، وہاں نے سر میں نا
 بنا ہوا تھا۔ وہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ دیوڑا میدان سے
 سہاروت کا دھوا میں نے کسی غم، کسی مل جوتے ہی
 پر کیا ہوگا۔ اس نے ان کی زبان سے پوچھ کر تھوڑے
 مختلف ٹھکانے میں میدان پر قائم نہ پا کا تھا۔ "مجھے اس
 مزہ تھوڑے کے بات نہیں کرنی پڑے گی۔ میں نے
 یہ مکان تسلیم کیا تو دونوں سرہ اور۔" ہم
 ہوئے اور بعد ہی انہیں قرار کیا۔ انہوں نے
 میرے سکوں سے شاید وہی نتیجہ اخذ کیا جو میں اپنی
 زبان سے کہتے ہوئے چلے رہا تھا۔ پھر انہیں ادھر
 سے غرض بھی نہ تھی۔ انہوں نے کچھ بھی ہوا ان کا کون سا
 رہا تھا میں نے اس کے چہرے کے بغیر اتنا تو نظر آئے۔
 تھا کہ وہ میدان سے رتا ہوا تھا، اس سے کون ہم
 درمی رہتے ہیں۔ ایسا اس کی ہریت کے متعلق
 ہیں اور میرے پاس اس نے آد کا ایک مقصد کے
 ایسا یہ سے غم و ارادہ کا اندازہ کرنا ہے۔
 بہت بڑی چوکی تھی اس سورت کو۔
 ہے، اوجھل نہیں اب اس کا ٹھکانہ تھم۔ پتھو
 ہے۔ "نو جواں۔" مجھے سمجھ کر رہے کے لیے کہ
 اس سے کچھ علائق نہیں کہا تھا۔ میں چپ رہا

"پر اپنے کو کوئی بھروسہ نا ہیں اس پر، اچھی
 طرح چاہیں ہیں ہم اس کو۔" دھکتا ہوا دیا، اس
 رولڈن نے سے لہو۔ "نہیں میں اس کے کسی اور پر
 کارگزار ہوں گا بھی ہو سکے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نا
 ہیں؟" "نوجواں۔" بڑا لے ہوئے مجھے مخاطب
 کیا۔
 "ہو سکتا ہے۔" میں نے مایوسی سے کہا۔
 "اسے ہی تو ہم پوچھیں ہیں۔" ادھیڑ آدی اند
 کے بولا۔ "آپ کو پھر بہت مشکل کے رہنا ہووے
 گا۔ اس کے پاتھ جتاو شہر میں ذکر اتے پھریں
 ہیں۔"
 "ہم کرنا کر سکتے ہیں ہمیں تو سب سے پہلے
 اپنے بھائی کی فکر ہے۔"
 "اسی کارں ہم ادھر آئے ہیں۔ آپ کو دیکھنے
 بھی اور اپنی کوئی مدد، سہا یا لی جروت ہو تو
 بھی
 میں نے پھر ان کا شکر ادا کیا۔
 "ناہیں نا۔" "نوجواں۔" جو شیے انداز
 میں اس کو لیا۔ "کوئی بات، کوئی اپا لے سن میں ہو تو
 آپ پوچھیں۔"
 "کی پوچھیں، آپ خوشی رہا دیو پتھو ہیں۔"
 "اودھاس سر کا سب سے بڑا حرا کی ہے۔"
 پھر ہم کیا کریں، آپ ہی مشورہ دیں۔
 "اب ہم گئے ہیں نا۔" "نوجواں پوچھیں اس
 نے شکر گزاری کے امداد میں کہا۔" پر دیکھیں
 صاحب ایک دی کا ٹھکانے ہو رہا ہے۔ بہت بڑی
 بات ہے ای، بھوئی موٹی ناہیں۔ اگرت ہے،
 ادھیڑ وگا راج سے آپ کو اس چکر میں چھناوے
 گا۔ ٹھیک ہے، ان کی کے لوگ سارا چھو بیٹے ہیں، پر
 ان کا کا بھروسہ، اودھاس سر کے سنی کے ماحول ہیں۔
 بے چارے کے لئے۔ میدان سے ڈھائی گا ہے
 سول نہیں گئے، ہم کو پتا ہے، آپ اپنا چا کو ناہیں
 نکالے تھے۔ دھوا کو اس کے سنی ساری کا پتھو

ہے۔ اور ادھر سادے نہیں، تو پولیس کے بھی کچھ
 دلال لوگ میدان کا ٹھکانے کھادیں در سب سے سر
 ملاویں میں ٹھکانے سے میدان کھانے تو ہے
 برابر۔ پاتاں سب سے دوہوں میں۔ وہی اڑ نہیں
 ڈر سکتیں ہیں۔ پر آپ۔" سب سامت رہو ہم
 سوچیں ہیں آگے کا۔"
 ہم دروہی کی وجہ میری سمجھ میں دیر سے آئی اور
 مجھے اپنی دیر بھی پر غصہ بھی آیا۔ اس مہربانی کی وجہ
 میدان سے عدالت، پیشہ وراہ فرض شای اور دور
 اندیشی نہیں تھی بلکہ وہاں کچھ ریو دی کی پولیس
 والے تھے۔
 مجھے ان کا شکریہ ادا کرتے رہنا چاہیے تھا۔
 "نوجواں کا لہجہ ب خاص مدد ہوا ہو گیا تھا، اشتیاق
 سے ہو۔" "آپ لوگ، مطلب ہے، آپ کے بھائی
 در آپ کا کریں ہیں۔"
 میں نے اسے بتایا کہ لیٹس پادشہ کے عدالتے
 میں تھوڑی بہت زمین ہیں۔
 "نہیں در ہیں آپ؟" ادا اگرت ہی تھا اپنے
 کو۔ "نوجواں کی آنکھیں پٹنے لگیں۔"
 شہر کے سب سے بڑے اسپتال در ہسپتال
 کے سب سے جتنے کمرے میں علاج و معالجے کا
 حوصلہ کوئی اقبال منہ غصہ ہی کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے،
 انہیں شہر کے سب سے بڑے ہوٹل میں ہمارے قیام
 کا بھی علم ہو۔ وہ پولیس والے تھے۔ غریب، اڈ کٹر
 مجھے ڈاک خانے لے جانے والا تھا، ہوٹل کا منیجر
 اور عین تک ان کی رسائی مشکل نہ تھی۔ میدان کے
 اڈے ان کی کے لوگوں اور وہ کیروں سے بہت پر
 کے عرصے میں انہوں نے اس قدر معلومات حاصل
 کر لی تھیں۔ وہ پوری تیاری کر کے آئے تھے۔
 اپنی کوشش ہووے گی، آپ ان کٹ
 کن لوگوں ان جو جھم سے دور دور ہیں۔ ادھر بھی
 ہی دیکھیں میں کون کھوتے رہا۔
 "پتھو میں،" میں نے کہا۔

میں نے کہا ہاں کہ صرف وہی بات ہے
 لعل و برکے شخص صاحب سے ہے سنے لوگ
 کھلے ہوئے ہیں کہ وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ میں
 نے اس سے نہیں کہا کہ وہ غلط کہہ گئے ہیں، یہاں
 سے نہیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس کے گریہوں پر
 ہاتھ ڈالے۔ اس کی خدمت کرے کو بہت جی کرتا تھا
 لیکن بھی بہتر تھا کہ اس کے فرمودات جوں کے توں
 قبول کرے۔ چاہیں انہوں نے بہر حال ایک
 حالت ضرور کی تھی ایک ایسے گوشے کی طرف
 انہوں نے اشارہ کیا تھا جو مجھ کو اس باختم سے اجنبی
 رہا تھا۔ مبادا اس کا سر پرست بر جو جی علی گئی
 مہبت میں میرا قصہ ہی پاک کر دے کی کوشش
 کیوں نہیں کریں گے امید، در بدر جو یک رہانے
 سے ڈھلا رہے ہیں۔ لعل کے قول چاقو اور
 بار دے اور کے ساتھ ڈاکیری میں دہانے کے رد
 کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اس بھی ڈالے کی چوکی
 سے بچنے رہنے لوگوں کو میری موجودگی میں اپنا راز
 بات تمام ہو جانے کا خدشہ ہی طور پر اس ہونا
 چاہیے۔ ذلے کا ستاد ہی نہیں، ہونکی سے ہٹ
 جانے پر اس کے لمس ناقلہ، حاشیہ رد بھی متاثر
 ہوتے ہیں۔ ان کی عزت و حرمت، اس کی بقا
 خطرے میں ہے۔ میں نہیں رہوں گا تو سب کچھ
 یوں ہی قائم رہے گا۔ اچھا ڈالے کے بہت سے
 لوگوں کے سینوں پر اپنے ہم نہیں دھوا کی جواں
 مرگ کا بار ہے۔ دیوانگی کا چارہ جو رہے عذر بھی
 بہت مغفول ہے کہ، صوا کا کوئی درد، ایک سرش
 سے کام لے گیا تھا۔ یہ شیراں کا، چوبیس کی پشت چاندی
 نہیں حاصل ہے۔ کسی جلدی اور تیزی مشکوک
 ہو سکتی ہے۔ سو میری ناہودی کے نیسے میں انہیں کچھ
 عمل کرنا چاہیے نہیں کیا جب رما میں چھ بھی ما
 جائے۔ اور یہ پناہ کون قاعدہ نہیں۔ کون بھی کسی
 وقت میرے سر پہ آہٹک سکتے۔ ہاں سے نہیں
 نہ عقب سے آہٹک ہے۔ سے اسی ٹھہری تو کیا چاہ

دیا چتر حاصل یہ کہ مجھے جواب اپنے سائے سے
 بھی بھلا دیتا ہے۔
 "آپ کچھ رہے ہیں نا؟" مجھے گم دیکھ کے
 تو جواں اسرے ٹوکا۔
 "جی جی ہاں" میں سے سانس لے کے
 کہا۔ "ہر بات کچھ میں آ رہی ہے۔"
 "کچھ ناہیں ہووے۔ بھگوان کرے، سارا
 ٹھیک ہی رہے۔ چاہے کو تو آگے پیچھے کا حیاں
 رہے۔" تو جواں نے مجھے تلقین کی۔
 "پولیس ہانڈہ کا پنا ایک تریکا ہے۔ کاٹونا آپ
 مانگ سکتے ہیں پڑھ کا پنا، پولیس کا ڈاکوئی بنا، آدمی
 ہوا۔" اڈیٹر پولیس اسرے اپنا انتہاء جاری رکھا۔
 میں نے بہانہ کیا کہ دوا تو میری طرف سے تھی
 کیا چاسکتا ہے۔ کل صبح عدالت کا دروازہ کھٹ کھٹا
 چاسکتا ہے۔ شہر میں ایک تھن جس کے ساتھ چار
 بھائی تھے، کسی بھی زیادتیوں کا ہدف بنارہا۔ اس کی
 میں ہونکی نہیں تھی حواست پر کاٹا اندھلہ کیا گیا۔
 دھوا کو چاقو نہیں لگتا تو ابھی نشانے پر تھا۔
 انہوں نے اس کے لیے شہر کے راستے تنگ کر دیے
 اور اب وہ اسے شہر کے گرد دینے کے رہ چکے ہیں کہ اس
 سے شہر کے اڑے کے اند کو اس ن چون سے۔
 دھل کر دیے کی جرات نہ تھی۔ گوا دو جو ہیں، ایک
 نہیں، بہت سے۔ رہا ہے پیسے کی بات سے تو
 ہونے کے لیے انہیں خریدنا چاسکتا ہے۔ آج کل کی
 بھی خرید جاتا ہے۔
 ایسے ایسے بے سرو پا خیال میرے سر میں
 مزار رہے تھے۔ اچھا ہوا جو میں نے اپنی رہا۔ یہ
 رگی دور۔ وہ میرے متعلق کیا سوچتے۔ عدالت، اس
 کے سر طے، ابرامات، صفایاں، جیشیاں،
 پیشیاں۔ جس کو سنا یہاں نہیں رہتا ہے۔ جو
 عرصے کے لیے عدالت کی طرف سے پولیس کا
 حفاظتی دست خیمات ہو جائے گا اور بار بھی پڑتی
 رہیں گی۔ جی کا پناہ وہاں اس قدر عدالت میں

اسے ثابت کرنا پڑتا ہے اور آدمی کی عمر صرف ہو جاتی
 ہے۔ یہ عدالت کی بات جانے کیسے میرے دماغ
 میں آئی۔ آدمی کے پاس دماغ ہونے سے مراد یہ
 نہیں کہ دماغ ہر وقت اس کا ساتھ دے رہا ہے۔
 کہتے ہیں، دو حیاں آدمی کو جانور سے تیز کرتی
 ہیں۔ ہونے اور سوچنے کی قوت یا صلاحیت مگر
 دونوں کا پتہ ٹھیک نہیں۔ دونوں کتنا اور کب تک
 آدمی کا ساتھ دیتی ہیں۔ زبان بھک جاتی ہے دماغ
 بھک جاتا ہے۔ دونوں آدمی کا ساتھ دیتے تو دنیا ہی
 بدلی ہوئی۔ آدمی کے یہ دونوں اوصاف تو بہت خام
 اور ناقص ہیں۔
 "آپ بولو تو اسپتال اور آس پاس بھید
 کپڑاں میں دی پھیلا دے، میں؟" اڈیٹر میدا کا
 سب دی کو بات ہیں۔ تھوڑا کھڑا پانی ہودے گا
 پر کام پکڑ ہو جائے گا۔" تو جواں کو حرف مطلب
 زبان پر لانے میں اتنی دیر لگ گئی۔
 مجھے کوئی اچھا نہیں ہوا اور شاید جو مجھے کہنا
 چاہتے تھا میں نے ہی کہا کہ بڑا بہتر نہیں کریں۔
 میرے اس خسرانہ غنڈے سے ان کے
 چہروں پر سکون و مسرت کے آثار مودار ہوئے۔
 دولت کا جب کرشمہ ہے۔ آدمی کو آدمی کا اسیر کر دیتی
 ہے۔ پاس ہوتا کر دیے کی میں کی نہیں آئی، پاس۔
 ہونو دیوانہ بنانے رکھتی ہے۔ جلوہ گری کی تو بات ہی
 اور ہے، دکر ہی اس کا سمجھ کر ہوتا ہے، جس پر مٹاؤ
 اس کا تو عالم ہی کیا، جس سے ہاتھ پیچھے رکھو، دو ایک
 نظر دھا، لطف و محبت کی ایک نظر کے آسے میں
 زندگی گزار دیتا ہے یا گوا دیتا ہے۔ کوئی دو وقت
 ہوتا تو میں دونوں پولیس اسروں کو ٹھاپے مارنا اور
 دھکے دے کے باہر نکالی دیتا لیکن میرے پاس یہاں
 تھا، انہیں اس کی ہوس تھی۔ وہ میری ضرورت تھے،
 میں ان کی ضرورت تھی۔ وہ وہی دولت کے طالب کار
 ہوں گے۔ مسائل کا طرف بھی تو کشادہ ہونا چاہیے،
 اور یہ تو لعل کا معاملہ ہے۔ مسائل کا ہر طرف چھوٹا

پڑا۔
 بہت دیر سے زس، ایسی خاصی فکر مند نظر آ رہی
 تھی۔ پولیس سے بڑے بڑے دستم پناہ، تگتے ہیں۔
 وہ تو ایک عورت تھی۔ ہار ہار کر رہے ہیں ہار کے وہ
 ہمیں دیکھ جاتی۔ اس ہار وہ مجھے دکھائی دی تو میں
 نے آوار دے کے سے روک لیا۔ وہ منتظر ہی تھی۔
 جلی ہوئی ہار دے قریب آگئی۔ میں نے اس سے
 درخواست کی کہ مہمانوں کی خاطر تو اسے کچھ نظام
 ہو سکتا ہے۔ میں نے اسے انگریزی میں مخاطب کیا
 تھا، اس لیے کہ اب تک وہ مجھ سے اسی زبان میں ہم
 کلام رہی تھی۔ اس نے سودا خانہ زبانی میں سر جھکا یا
 اور وہ داری میں ہمیں طرف چلتی ہوئی نظروں
 سے دور ہو گئی۔
 گوروں کی زبان بھی ان کی طرح دولت
 وحشت، طاقت و عظمت کی علامت ہے، یہ
 ہوتے ہوئے ہی زیادہ دانا و بیبا، شہار کے، ان
 معلوم ہوتا ہے۔ کچھ شہر پر میرے سامنے موجود
 پولیس اسروں کو بھی تھی۔ "ہی کا، کاجرات ہے۔
 اپنے کو پنا ہے، کی اسپتال ہے، کھڑو تو ہو کی جگہ
 ناہیں۔" تو جواں سے چلتی آوار میں کہا۔ اس کے
 بڑا رنگ سا تھی نے بھی ہونو کی۔
 "ان کمروں میں انہوں نے مہمانوں کے لیے
 یہ کچھ نظام کیا ہے۔" میں نے اس کے حرم کی
 روش ترک نہیں کی۔
 کی کمروں کا کابٹ ہے مگر لوگ بھی ادھر
 کے ٹھہرتے ہیں۔ "تو جواں پولیس ہنڈ پٹ کے
 بولا دونوں کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔
 حوشاں ہر ایک کو مغفول ہوئی ہے میں بھی سمجھی
 وضع امرات میں قیوں کی چوٹی ہے۔ آدمی کیا
 کرے، قریب و قریب کرنے واسے کو
 دھکا دے کہ وہ عد سے تجاوز کر دے۔ اپنا
 عرفان، محدود کسب سے زیادہ ہوتا ہے۔ لوگ یہ
 بھی کہتے ہیں کہ اسی کو سب سے کم ہوتا ہے۔ اسی

کے مداح بفریاد و توصیف کی تکرار سے اس کی خود
شکافی کی صلاحیت دھندلا دیتے ہیں۔ تو جوان افسر
ہے رگڑا کر لگتا ہے میدان کا وقت آئی گیا ہے۔ ہر
ایک کے تپ و لہر کا ایک اقتت ہوتا ہے۔ خدا
نے مجھ کی یہ شہر چنا تھا۔

میں نے دانت شوشہ چھوڑ کر ایک صورت یہ بھی
ہے۔ ام کیوں نہ جائے، کیوں نہ کل سچ سورج نکلتے
ہی اپنا چاقو داہیں سینے کے لیے اڑے کا رخ
کروں۔ اڑے کی چوکی پر چڑھ جانے کے بعد خود پ
خود سر معطلہ ٹھٹھا جائے گا۔

یہ سن کے دونوں ٹھوسے گئے پھر جہاز اس سے
اٹکتی رہا سے کہہ کہ مجھے ابھی ہے بدن کے مداح
کی طرف پوری توجہ دینی چاہیے۔ بھائی کی ناکھت
پر حالت کے دہا آئیں مہارزت کا مرحلہ متاثر
ہو سکتا ہے۔ بہر حال کھلے چاقو درمیان میں ہوں
گے۔ نظیروں کی موجودگی میں زندگی اور موت کا
نقصہ کشی رہا ہوتا ہے۔ اور اسی چوک سے اسی غلطی
ہو سکتی ہے جس کا رونا شکل ہو جائے۔

وہ کچھ نہیں کہہ رہا تھا میں اس کی سچی ٹیک
میں پر ہی نہیں تھی۔ ہوں تو محسوس ہو جانے۔
"میں کا سے کو دھرتے ہیں۔ ام ہیں سب۔
پہلے آپ بھان کو دیکھو، پتی کچھ میں یہی آوت
ہے۔ باقی تو آپ آپ چالو۔" تو جس سے
اپنے فسر کی لہریں میں اٹھ کر گیا۔

میری دس جونی کے لیے انہوں نے بہت سی
چائیں کیں۔ مجھے ب وہاں پہلے ہونے لوگ
لگ رہے تھے۔ وہ اپنے اپنے مقصد ہو گئے تھے۔
یہ وہ لوگ نہیں تھے جن سے کچھ دیر پہلے میرا سامن
ہوا تھا۔ سب سے غریبی کی ہولی چیزوں کی طرح ان
پر سب نے اختیار حاصل تھا اور میں نے ملے کر لیا
تھا جو وہ کہیں گے اس رسوا سے بازی نہیں کروں
گا۔ دولت سے کسی پیوستوں ملتا ہوا تو دولت کا اس
سے بڑا مصروف کیا ہے۔ دولت کی سب سے بڑی

خریداری شاید آدمی کی خریداری ہے یہ آدمی کو ہم
بناد سے رہتے بنادے، آدمی کو آدمی بنادے اور آدمی
کو کھانا بنادے۔ "آپ لوگ کچھ تانا کے یا کچھ
چھوڑ دیں گے۔" میں نے بھروسہ انداز میں کہا
میری بات اس کی کچھ میں میرے آئی، اور
آدمی کو پہلے اس کا جسم ہرا ہرا گیا اور اس
دونوں ہاتھ پھیلا دیے "کابات کمرت۔"
سب۔

"انہیں نہیں کچھ کہتا ہوں تو جھک کر کریں۔"
"ہم کا پولیس، آپ خود کچھ دار ہو۔"

"ٹھیک ہے، مگر ہم پر چھوڑ دیں اور کابات
کی فکر نہ کریں، آپ نے ابھی کہا تھا، ام ہیں ہاں،
ہم بھی آپ سے کچھ کہتے ہیں۔ ہمیں تو اہیا ہوا
سب سے زیادہ خطر ہے۔

مجھے ڈرتا تھا، اس دوران میں اکبر علی خاں نے
آپ میں۔ اسپتال کے طارم جانے اور کھانے پینے
ن چیزیں لے آئے تھے اور اسی ہوا۔ داہن درج
میں قدموں کی آئیں کھیں۔ وہ اکبر علی خاں نے
تھے۔ کوئی نو عمر لڑکا بھی پ کے ساتھ تھا۔ اس
ہاتھ میں ایک بڑی کی (میں تیریر) لگی ہوئی تھی۔
مجھے سبزے پر بیٹھا دیکھ کر کبر علی خاں میری طرف
ن آئے۔ دو ابھی میرے ساتھ تھے۔ ایک
پریشان ہو جانا چاہتے تھے۔ لیکن حال دونوں افسروں
کا ہوا۔ انہوں نے میرے ساتھ کھڑے ہو کے ام
علی خاں کا اشتباہ اور ہاتھ جوڑ کے نہ کار کیا۔ ایک
کری جاتی تھی۔ اکبر علی خاں اس پر بیٹھ گئے۔ دوسرے
ن کا اس کی مدد پر کمرے میں چلا گیا

اس سے پہلے کہ وہاں دھڑ دھڑا رہے، میں نے
دووں افسروں کا تعارف کرایا۔ وہ اکبر علی خاں کو
ابھی طرح جانتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ میدان
اڑے پر میرے ساتھ چائے والے بھی وہی ہے۔
میں نے چائے کے برتن چھیڑ کے ان تینوں کا
دھیان بنانا چاہا۔ اکبر علی خاں خامے متوجہ تھے۔

کہتے تھے "جبریت، آپ لوگ نیسے آگئے؟"
"کا پولیس۔" تو جواں فسر معذرت اور
ستائش ملی جس آواز میں ہوا۔ "مات کو بھٹس
والے آگئے۔" اس سے کم و بیش وہی کہا جو مجھ
سے کہہ چکا تھا کہ میدان اڑے پر چائے کے اس کی
آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے والے شخص کا سن کے
ان سے براشت کیں ہوا وہ مجھے دیکھنے کے لیے
آگئے۔ جرونی طور پر اس کا بیان سچ تھا۔
"وہ تو اس کی بخوری تھی۔" کبر علی خاں نے
اکڑے ہوئے کچھ میں کہا۔

"یہ جو انوکھا سی سے اڑا نہیں چاہتے تھے مگر کیا
کرتے؟"

"ان کی تہ۔" پولی اور ہوتا تو ایسی ہی تھوڑی
چلا جات تھا۔
اد جہاز اس سے رات ہوا۔ کوئی بات تو لگ
ہوے کی دلیل مات۔

دونوں افسروں نے جلدی جلدی پائے ستم
کی۔ میرے اسرار پر مس انہوں نے وہ ایک بہت
لے اور انکو کھڑے ہوئے۔ اکبر علی خاں کے آنے
کے بعد وہ کشائی محسوس کر رہے تھے۔ میں نے بھی
انہیں نہیں روکا۔ راہ داری کے آخری سرے تک میں
نے اور اکبر علی خاں نے انہیں تپ سے رخصت
کیا۔ یہ تپاں بڑا اونچی تھا جتنے جیتے میں سے جد
ہی دوبارہ نے کاشتق نگاہ کر کے ان کی دل
جونی کر دیا سروری تھا۔

مجھے معلوم تھا، اکبر علی خاں ان دونوں کے
ماننے چپ ہو گئے تھے، ان کے چائے کے بعد
چپ نہ ہو گئے۔ ام میرے پر دھکی کر یوں پر
آگے بیٹھے ہی تھے کہ انہوں نے کوئی تامل نہیں کیا۔
کیوں آئے تھے یہ؟ انہوں نے ناگوری سے
پوچھا۔

"میں نے نہیں بلایا تھا۔" میں نے کہا
"ظاہر ہے آپ کیوں بلاتے مگر آئے کی وجہ کیا

تھی؟"
"انہوں نے بتایا تھا آپ کو۔" میں نے دلی
رات سے کہا۔
"صرف تانی؟"
"وہ پولیس کے آدمی تھے۔" میں نے پڑری
سے کہا۔

"میدان اب نہیں بچتا تھا؟"
"میں نے میدان میں کیوں بھیجا؟"
"سن گئے ہیں، مگر تانا بڑے کے ہے۔"
"تو مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟"

"در کیا کہہ رہے تھے؟ مجھ سے کچھ چھوڑ
کے رہے ہیں۔" اکبر علی خاں کی دوا میں دل
سوری تھی۔

"پولیس، بے تھے دو کو بیٹھے تھے۔
"بیٹھنے والے پھیل پڑے۔" پھر پھر۔"
"میں نے انہیں خریدا۔"
"خریدا کیا مطلب؟"

"میں نے اس سے بات کر لی۔"
"اس سب سے؟"
"ن کا گدار، ان دنوں دوری خریدے کے
ہے۔ وہ یہی بیٹھے تھے۔"
"کتنے میں سو ہو؟"

"یہ میں نے ان پر چھوڑ دیا۔ خرچ پوچھنا
نامناسب معلوم ہوتا تھا۔ مجھے کی صورت رہے تو
اچھا ہے۔"

"گو یا ابھی بچہ چھوڑا انہیں کیا؟"
"کچھ سا کہ بن گئی سے شاید۔" میں نے تکی
سے کہا۔

مجھے پو کی بات تھی۔
میں سوچتا ہوں، انہیں کیا بتاؤں، کیا نہیں مگر
پھیلے کو تھکھی کیا۔ میں نے انھما سے ساری
رد دوش گزار کر لی۔
وقت گزر گیا۔ اس پر نے کوئی رد عمل ظاہر

نہیں کہ تو میں سے پوچھ کس فکر میں پڑ گئے
 آپ؟
 ”کچھ نہیں“ وہ متر دیکھ میں ہوئے۔
 ”سوچ رہا ہوں بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ ایک بات
 اسہوں سے بھی ملے نہیں گئی۔ میدا اس کے تری
 کی مہلت میں وہ کہنے کہتے رک گئے۔
 وہ مجھے دوا دے پڑ جانے کے قابل ہی
 نہیں سمجھتا ہے۔“
 یہ جیوں میرے دماغ میں بھی پڑا تھا میں
 ایسی نگاہوں میں لوگوں کے رسم و رواج پر آپ کا
 یقین دیکھ کر، میں چپ رہا۔
 ”یہ نہیں ہوتا کبھی ہے۔“ میں سے مایوسی
 سے کہا۔ ”اور مجھے تو بھگت بھی شہ ہے۔“
 ”یعنی اب تک آپ کو“ وہ رعبید ہوئے
 تھے۔ ”مگر مجھے ان لوگوں پر کون بھروسہ نہیں۔
 صاف بات ہے۔ آپ بائیس نہ دیکھیں۔ وہ میدا کا
 دست راست بہت بہت گھٹک اور کانپوں شخص
 ہے۔ اس نے مہلت لی ہے، وہی نہیں ہے اور جیسا
 کہ آپ کا، حنا تھا، سے اپنے پروردگار کا انہی نظر
 آگیا تھا۔ اسی وقت مجھے یہ مہلت بڑی قیمت
 محسوس ہو رہی تھی لیکن اب سے کچھ بعد نہیں
 ہے۔“
 ”مجھے مجھے کیا کرنا چاہیے؟“ میں نے پوچھا۔
 ”کہا کہوں۔ دوسرا کام نہیں کر رہا۔ اس کے
 معنی تو یہ ہوئے، وہ پولیس اسے ٹھیک کہہ رہے
 تھے، آپ ہر طرف سے گھر سے ہوتے ہیں۔
 ”کوئی نہ کوئی رستہ تو نکال ہی پڑے گا۔“ اکبر
 علی حاش بہت تھک گئے تھے۔ رات کی روشنی کم
 کر کے کے بے میں۔ ہلکی آواز میں کہا کہ یہ
 تیری بڑی معنوی تھی۔
 ”اب تو مجھے پتا یہ شک بھی درست معلوم ہوتا
 ہے کہ اب دلوں کو کس میدان سے نہ سمجھاؤ۔ وہ یہ
 جانا چاہتا ہوگا کہ اس کے ٹھکانے سے جانے کے

بعد آپ کے ارادے کر رہی ہیں۔
 ”ایسی صورت میں تو چھوٹی نہیں ہے۔“
 ”ابوں سے آپ سے آپ کے ارادوں کے
 بارے میں پوچھ پوچھا تھا۔“
 ہاں باب پوچھ تو پڑھا چھوڑا
 ”اور آپ سے یہ جواب دیا۔“
 ”میں سے وہی کہا جو میرا ارادہ ہے کہ مجھے اپنے
 چاچا واپس لینے میدا کے اذ سے پڑ جانا ہے۔“
 ”اوہ“ ”ابوں نے شدت سے یہ نہیں سمجھ
 میں، اسے پر غلوں کا حال پڑ گیا۔“ ”معاف کیجیے،
 کیا ضرورت تھی آپ کو یہ کہنے۔“
 ”ہاں مجھے شاید اپنا غم اپنے آپ تک ہی
 رکھنا چاہیے تھا۔“ میں سے سخت سے کہنا
 ”اس کے بعد وہ یہ بولے“ ”انہوں نے
 تیزی سے پوچھا۔
 ”انہوں سے میرا ارادہ اور میری اپنی اس وقت
 میں نے جانا کہ وہ میدا کے جیسے ہوئے نہیں ہیں۔
 انہوں سے میدا کو بہت برا سمجھا کہنا۔“ غلط
 سنائیں۔“
 وہ خاموش ہو گئے، میں بھی۔
 ”شتم کرنی محسوس نہیں ہو رہی تھی لیکن سزا ہم
 ہو گیا تھا۔ بہت دھمکی دہی ہوا چل رہی تھی۔ نرس
 ایک سے دوسرے کے نہیں پڑ گیا۔ وہ صاف کے بے
 پوچھ رہی تھی۔ اکبر علی حاش ایک دم گھر سے ہو گئے۔
 ”میں تو بھول ہی گیا۔“ وہ پشیمانی سے بولے۔
 ”کہا ٹھنڈا ہو گیا ہوگا۔“

مکرم سے میں چھے آئے اور غسل کو ایک نظر
 دیکھ کے پھر باہر آ گئے۔ ایک کا مشوا تھا، دہی
 گھوٹوں خوشبو مکرم سے میں رنج میں جاتی۔ ایک
 سے کینٹین کے ملازم سے رکابیاں منگوائیں۔ اکبر علی
 حاش کے ساتھ آئے والے لڑکے نے بھی اس کی مدد
 کی۔ کھانا اسی نم گرم تھا۔ وہ کوئی پانچ آدھ گھنٹوں کا
 کھانا لے آئے تھے جبکہ دھواں تھا انہی خوشبو بھی

ان لوگوں کے لئے جو ضرورت کما تیل پڑھنے کے شوقین ہیں

ہزاروں دلوں کی دھڑکن

محی الدین نواب

کے قلم سے

اساری آپ کی سن عشرہ کی کہہ میں

ایمان کا سفر

قیمت 1970 روپے

اولیٰ نمبر 23/4

دوسرا نمبر 23/4
 دوسرا نمبر 23/4
 دوسرا نمبر 23/4

ایمان کا سفر
 محی الدین نواب

پورے
 محی الدین نواب

سدا سحر
 محی الدین نواب

میں ہر
 محی الدین نواب

آئینہ
 محی الدین نواب

آئینہ
 محی الدین نواب

دوسرا نمبر 23/4

پورے

سدا سحر

میں ہر

آئینہ

آئینہ

کتابیات پبلشنگز

کتابیات پبلشنگز

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
 kitabiat1970@yahoo.com

پوسٹ بکس 23

سرکاری 74200

پہلی پہلی گفتی ہے۔ اکبر علی خاں کی وجہ سے میں نے ساتھ دیا۔ کچھ خاصہ لذیذ تھا مگر لذت بھی تو نشانہ خاطر سے مشروط ہے۔ میں نے تو نگارہا۔ اکبر علی خاں بھی رسم بھڑا کیے۔ کچھ سے کہہ کے دوران واپس چلا آیا۔ کچھ پیش بندی لائیں تو گئی۔

وہی صورتیں ہیں۔ میں سے ملتی ہوئی سوار ہیں کچھ۔ یہ تو یہ صاحب کسی طرح جلد سے جلد فیک ہو جائیں۔ میرا شرہ و خصل کی طرف تھا۔

”خدا کرے، آپ کی زبان صاف ثابت ہو۔“ اکبر علی خاں تو آپ سے ملے۔ یہی تو آپ جو کسی اپنے ہی میں ممکن ہے۔ اور دوسری صورت؟

اسوں سے بہتر ہی ہے چچا۔

”دوسری یہی رہ جائے کہ آپ پہلی فرصت میں تار دے دیں۔“

تمہارے کچھ میں روکی۔ باب ہوں نے قلم۔ یہ بھی یہی صورت ہے، ان حالات میں بہت صاف۔ کاش آپ شام ہی کو ہاں کر دیجئے۔

”اب بھی نقل دہر ہوئی ہے۔ تار کمر تو ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ تار وقت پر مل گیا تو کل رات یا پر صبح تک کوئی کوئی ضرور آجائے گا۔“

”رحمت تار دیا جائے گا۔ رات کو بھی پہنچا جاتا ہے۔ پھر تو مجھے جلدی کرنی چاہیے۔“

”پہلے آپ کھانا تو ختم کر لیں۔“

”میرا ارادہ وہی ہے جیسے کا تھا۔ آپ کا اس بھی بہتر رہتا ہے۔“

”نئے نئے میں وقت لگ گیا۔ آپ کو معصوم سے وعدہ دیا ہے۔ شام کے وقت اس کی طبیعت مودا ہو جائی ہے۔“

”آج لاڈ لڑکھا جانا پڑا۔“

”پھر تو آپ کو نہیں آتا چاہیے تھا۔“

”کیسے نہ آتا۔ وعدہ ہو یا تھا۔ آپ سے۔“

”رہت کے لئے تیار کر رہا تھا۔ وہ تو بھی آتا چاہیے۔“

تھے۔ میں نے کہا، رات سوئی ہے مگر کل چلیں گے۔ سب آپ سے ملنے کے لیے نے تپ تھے۔

”میں تو دوپہر ہی ان سے ملا تھا۔“ میں نے

”اسی سے کہا۔“

”اس وقت رات اور تھی۔ میں نے جا کے حسب ہوا کہ چچا میاں کی ایک ایک بات طرف بہ حرف درست تھی۔ وہی اپنی کے بھائی اپنل میں ہیں اور علاج علاج بھییں کے سر سے میں ہے تو بھی شرہ ہوئے۔“

”ان شرمدہ ہوئے۔“ میں نے ہر خند سے کہا۔

”مجھے تو اس کے سامنے جانے کے خیال ہی سے ندامت ہو رہی ہے۔“

”وہ صاحب بہت بہت۔“ وہ شکایتی لہجے میں بولے۔

”نہ چھوڑا۔ یہ بیٹھا بیٹھا۔“

”آپ نے کھانا ہی نہیں۔ بہت عجب۔ یہ سو۔“

”پہلے ہاتھ سے ہاتھ ہے۔“

”خیر بہت ہی رستی تھی۔“

”میںک میں ملوے۔“

”آج آپ شام شام ہوئی۔“

”اکبر علی خاں۔“

”رکان میں صلوہ نکار کے یہی طرف بہت۔“

”میں نے ایک پچھو یا بہت خوش ڈانٹ تھا۔“

”واقعی طاقت سے تیار کیا گیا تھا۔“

”میرے ہی طرف۔“

”شکر یہ ارا کر دیجئے گا۔“

”میں نے کہا۔“

”کل دو آئیں گی۔“

”آپ خود لہر دیجیے اور ہاں، اگر آپ کہیں تو تیار دے کے میں واپس آ جاؤں۔“

”نہیں ہیں۔“

”میں نے شدت سے انکار کر دیا۔“

”رات اب بھی رہا ہوئی ہے۔ آپ جا کے آرام کریں۔“

”آپ کو خیر نہیں ہے۔“

”آپ کے بھائی کو جلد صحت ہو کر آئے گی۔“

”خدا آپ کے بھائی کو جلد صحت دے کر آئے گی۔“

”اب کراہے گھر میں سگی۔“

”دعا کی ہے۔ بہت تو کھد رہی تھیں۔“

”کل ملے گی۔“

”میرے کراہے گھر میں سگی۔“

”دعا کی ہے۔ بہت تو کھد رہی تھیں۔“

”کل ملے گی۔“

”میرے کراہے گھر میں سگی۔“

”دعا کی ہے۔ بہت تو کھد رہی تھیں۔“

”کل ملے گی۔“

اس سے آج دوپہر ملاقات ہوئی تھی۔ اس طرح برسوں کا تعلق کھوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ انھوں میں برسوں جیسا تعلق قائم رہتا ہے۔ تعلق خاطر کے لیے وقت کے طول و عرض کی کوئی شرط نہیں۔ کوئی ایک نگاہ بھی اس کا کر رہی ہے کہ وہی زندگی وقف کر دے، زندگی بھر دے۔ یہی زندگی بھر کی وقت سے بوجھ فرق نہیں پڑتا۔ آدھی کی تہائی دور تشنگانی ختم نہیں ہوتی۔

اکبر علی خاں جلد ہی چلے گئے۔ کچھ دیر میں ان کا باہر بیٹھا رہا۔ تہائی سے مرد عاصوفی نہیں ہے۔ تہائی میں آدمی خود سے ہم کلام ہوتا ہے۔ یہ عجب کو عاصوفی کیا جاسکتا ہے، آپ کو نہیں۔ شبنم سے کپڑے، رساں لگے تو میں نے کمرے کا رخ کیا۔ کمرہ سناں تھا۔ میں غسل کے ہتھ پکس کیا۔ اسے اس طرح بے حال دیکھ کے میرا ہی ہوئے لگتا تھا۔ ایک اپنی مخصوص آراء کوئی سے اٹھ کے میرے پاس آئی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اسے مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے۔ اس نے وہی سوال کیا جس کا جواب میں دینا نہیں چاہتا تھا۔ میرے جواب سے اس کی بے چینی وحشت میں بدل جاتی۔ کچھ خاص نہیں۔ میں نے سرسری طور پر کہا۔

”کچھ شہ ہو گیا تھا انہیں۔“

”دور ہو گیا تو چلے گئے۔“

”ایک ایک مرد عورت تھی، اپنی حدود سے واقف۔ سو اس سے تیار نہیں کیا۔“

”میں بھی کچھ پوچھنا چاہتا تھا، وہی ایک سوال جو تھی، میں نے کیا تھا۔ اب پوچھنے کی بہت نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے مجھ سے رہا نہیں کیا۔ میرے عجز پر سطر اڑی۔“

”میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔“

”یہ کہتے ہو اس کی دوا پر اہمیت غالب آئی۔“

”نرس بھی آدمی ڈاکٹر ہوتی ہے۔ تمہارا تجربہ بھی کم نہیں ہے۔“

”میں نے کہا۔“

”کاش میں کچھ تامل کی ایک بات ہے مجھے ڈاکٹر مانے پر اعتماد ہے۔ وہ بہت بڑے ڈاکٹر

جس اس سے وثوق سے کہا۔

”یہ تو میں کل رات سے سن رہا ہوں۔“

”اور کچھ عرصہ نہیں کر رہے۔ یہ تو اچھی بات ہے۔“

”میں ڈاکٹر سے سوچہ کہتے ہی نہیں۔“

”وہ ایک دے دار ڈاکٹر ہیں۔“

”لگتا ہے وہ کچھ سے کچھ پتھر ہے ہیں۔“

”ڈاکٹر سے نے عرصہ نہیں کہا تھا۔ تم کچھ بڑے بچے ہو۔“

”اس کے ہونٹوں پر اس کی خاص مشق قاتل شکر اہٹ پھیل گئی۔“

”میرے کدھو حسب تھپتے ہوئے۔ وہ شخص کے ہتھ کی طرف ملتی اور کمر کی رہنمائی کے آنکھیں مود میں۔“

”ہوں وہ مجھے بھی آرام کی ترغیب دینا چاہتی تھی۔ میں صوفے پر بیٹھا رہا۔ پھر مریش کے ڈی نگہ دار کے یہ خصوصیتیں ستر کے رے رہو گی۔“

”کل آنکھوں کے سامنے موجود مرد، مناظر اور شہ آدمی کے تصور کی بے کمری اور کر دیتے ہیں۔“

”ہند آنکھوں کے آگے تو ایک چہرہ کھل جاتا ہے۔ پھر کوئی حد اور کوئی حسب نہیں۔“

”ہند آنکھیں تو اور بڑا ہو جاتی ہیں۔“

”کچھ بند کرتے ہی میرے سامنے کوئی فرد وہ دہل کھل گئی تھی۔ اپنی عداوت آپ۔ آپ ہی منصف، آپ ہی مدعی۔ کون سی کوتاہی ہوئی، کس کا حق چھینا گیا، کس سے زیادتی کی گئی۔ یہ کوئی سے گناہوں کی سر میں میں جو شہر میں نہیں ہوتیں۔“

”یا میں دور دور ہوں گوس جیسے سید محمود علی کے چنگل سے پھڑک کوئی جرم تھا یا، انہیں آہد کرے کی حاضر نہیں پاد جانا ضروری تھا۔ وہاں کے ہوئے وقت بھی صاحب گزار گیا تھا۔ ایک دن عوبی سے نکلنے کی منطقی یہ ہوئی کہ شہر سے باہر جاے پے پاندی لگا دی گئی اور جب اجازت ملی تو جب استے اس ہو گئے تھے ایک دوسرے نہیں آباد میں، مرکز اسے چاہتے تھے۔“

”فصل لے لیں کاخیاں یا نہ جوئی میں تو وار دفر وراں دریا میں

علی یار خان کی سرگزشت

**KHAN STATIONERS &
GENERAL STORE**
Shop F/890, Bhaora Bazar,
N'shtar Road, Rawalpindi

قیمت فی حصہ 60 روپے

ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے

علی یار خان کی سرگزشت
قیمت 600 روپے
ڈاک خرچ اضافی

کتاب کی قیمت بذریعہ پیش ڈرافٹ، مئی رڈ یا کراسڈ چیک رسالہ فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون 5802551-5895313-5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رایلے کے لئے C-63 پی آر ایچ اینش ڈی ایچ ای میں کوئی روڈ کراچی 75500

کا۔ عروسی کے پریمیں کی یہی خواہش تھی کہ ابھی چند دن اور نام ان کے پاس رہیں جب ہم رخصت ہو رہے تھے۔ سب کی آنکھیں بھری ہوئی تھیں میں نہ ہوتا تو کھل رک جاتا، میں نہ ہوتا تو کھل نہیں جاتا ہی کیوں۔ وہ تو تھی عروہ ار جاب پٹی پٹی رریر کے پاس ہی رہتا۔ رریر میں تو اس کی چن لگی ہوئی ہے۔ کھل رک جاتا لیکن میں جو ایک مسلسل مطالعہ، مستقل تحفہ، اس کے سامنے کھڑا تھا۔ روز بروز وہ ریل گاڑیاں دھر سے دھر چلی ہیں۔ اسی دن چھپ رہا تھا اور اسی گاڑی سے سفر کرتا تھا جس کا انجن آگے جا کے خراب ہو جاتا تھا دریاہ پنا شہر میں بنوا چھپ گیا تھا تو اس غامض کے تقدیر کا گناہ کیوں مجھ سے سرزد ہو گیا۔ ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی۔ کہتے ہیں، ہر کچھ آسمان کے تہور پر ہے۔ کوئی مصلحت، کوئی سس کی رحر ہو ہے۔ آسمان کا یہی طور ہے تو کون کیا کر سکتا ہے۔ سہا پ کی نظر میں یہ غرضیں ہیں تو آدمی سے ہوں رہیں گی۔ اب تو ہر بات پر شبہ، ہر قدم پر کسی خط کا گماں ہوتا ہے۔ کب معصوم، کون پیچھے سے گھبرا گھوٹ دے، کچھ کا منہ کھول دے۔ کسے کون سی بات بری لگ جائے، کون سا راستہ کب بند ہو جائے۔ کوئی متحان ہے یہ؟ تو کیسا متحان ہے جو ختم نہیں ہوتا۔ احتیاج ہی میں آدمی تمام ہو جاتا ہے کہ

میں کروٹیں بدل رہا، ایک کے بعد ایک منظر۔ ہو میں وہی کتاب کے درخت جیسے پتے جاتے ہیں۔ کہیں سے کہیں تک، کتنے کی کوچے، کتنے چہرے۔ کیسے کیسے لوگ، مز کے پیچھے دیکھو تو دہرا چھٹ جائے۔ کتنے نوک پلٹ میں آگئے۔ کہتے ہیں، آدمی کے قدم ہوا ہے کے ہاں سے جس جاتے ہیں۔ بہانہ پھر کس کا ہوا؟ اس رات میں اپنا گھر چھوڑ کے کور کے ساتھ نکل جائے کا راہہ کرتا۔ اسے لوگوں کا بہانہ نہ بنا۔ اب تو کوئی شمار ہی نہیں۔ کورا پناہ بیٹے گھر

ہے کئی سے میری طرف دیکھا۔ لکڑی کے اونچے اور چوڑے دروازے کے بالائی حصے میں چھوٹے چھوٹے پردے، خوبصورت شیشے کے تھے۔ ایک نے پردہ کھینچ دیا تھا۔ باہر کا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ دروازے کے قریب ہی تھی۔ دروازہ کھولنے کے بجائے گھرائی ہوئی آواز میں اس نے انگریزی میں پوچھا۔ "کون ہے؟"

جو اب میں ایک دو ہفتے خاموشی رہی پھر کسی سے بات نہ کی تھی۔ "باہر صاف کے کچھ نہیں آتے ہیں۔" ان کو اس پر سمجھ گیا۔ میں بستر سے اٹھ کر دروازے پر پہنچ گئی۔ میں نے "آواز پچانے کی کوشش کی۔ ایک وقت بہت سے شکوک ذہن میں اٹھے۔ اشارے سے میں نے ایک کو پہنے بارے میں کچھ جاننے سے منع کیا۔

دروازے سے ہٹ کے ابھی کچھ فاصلے پر کھڑکی کی چاب پٹی تھی۔ کھڑکی پر ہارنیک چابی نصب تھی۔ اندر عام دروازے کی طرح لکڑی اور شیشے کے تھے۔ تازہ ہوا کے لیے ایک ہت کھلا ہو تھا لیکن کھڑکی پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں آڑ میں ہو گئی۔ ایک نے پردہ ذرا سا کھینچا۔ "باہر صاف اُدھرنا ہیں ہے۔" ایک نے پہلے انگریزی پھر ہندوستانی میں جواب دیا۔

"سب کچھ کر رہی ہیں؟" باہر سے کسی نے پوچھا۔ "آواز میں پوچھا۔

"اُدھرنا ہیں ہے۔" ایک نے بات بہت پرست و خشنی سے کہا۔ "نہیں کیا ہے۔" ایک نے "نہیں" کو سنا ہونے سے "یہ آواز پہلے سے مختلف تھی، درحکزی ہوئی تھی

"پتے کو نا چن معلوم، رات ادھر ہی رہت کرے گا۔ سویرے آنے کو بولا ہے۔" ایک نے اس بار کسی ہلکے کے جبر پوچھا۔ "آپ کون ہے؟" ابھی میں نے بتا کہ تھا کہ راہ داری میں دور

سے کہیں بھاگتے قدموں کی جاچیں گونجیں اور محل بھائی سرگوشیاں چاچوں اور سرگوشیوں کا ماحول قریب ہوا اور رات تیزی سے دروازے سے دور ہو گیا۔

ایک کھڑکی کے پاس کھڑی رہی۔ "تجربہ میں سنا چکا تھا

ایک نے کھڑکی کا پردہ ٹھیک کیا۔ میں بھی اسے ہٹ کے صوفے پر چلا آیا۔ اتنی رات کے سوائے میری تلاش میں آئے تھے۔ یہی ہو سکتا تھا کہ انہیں اسپتال میں داخل ہوتے ہوئے اسپتال کے محلے اور دربانوں سے نہیں دیکھ لیا تھا اور ان کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ میری جستجو میں آئے وہاں ہمارے کمرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن انہیں وہاں دروازے پر سے کامیاب نہ ہو سکا۔ راہ داری میں اسپتال کے دربانوں اور محافظوں کے سامنے پہنچ جانے کی وجہ سے وہاں تک کھڑے ہوئے۔ کچھ دیر ہو سکتا ہے۔

میرا صدمہ زہر ہو گیا تھا۔ سانس لینے اور سوچنے سے پہلے ابھی کے سوالوں کے جواب کے لیے مجھے تیار ہو جانا چاہیے تھا۔ اسے کیا منظور تھا کہ مجھے بھی اپنے آپ کو جواب دہی کی بہت سی تھی۔ ابھی پتہ ضرورت تھی، اپنے کام میں حلال، اعتماد کچھ میں بات کرتی تھی، اپنے کام اور اپنی رات پر اسے بہت اعتماد تھا۔ اس وقت اس کا جاں مختلف تھا۔ بے گانہ ہوں سے مجھے دیکھنا میرے سر پر بیگ نکل آئے ہوں جیسے۔ وہ سیدھی میرے پاس آئی اور سامنے کے صوفے پر بیٹھ گئی۔ "کون تھے یہ؟" اس نے مہر کی آواز میں پوچھا۔

جواب آسانی میں تھا۔ رات کو وہ پولیس افسروں کی غیر متوقع آمد کے بارے میں اسے اس طرح مطلع کر دیا تھا لیکن اب میں اسے کیا بتاؤں گا۔ اب تک سارے اسپتال میں گردش کرے والی چ

میتھوں کے حوال سے میرے حواس کام نہیں کر رہے تھے۔ بہت کچھ ابھی پر منحصر تھا کہ وہ اپنی زبان کس چیز تک کھولے سے ڈال دے اور اسپتال کے کھانسیں کو کیا چم بنائے رات ہی ڈاکٹر رائے پولیس افسروں کی آمد کی اطلاع پر کھٹک چکی تھا۔ اب، سے میرے اور شعل کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوئی۔ وہ ایک سخت مزاج شخص ہے۔ اس کی بدگمانی اور برائی مشکل صورت حال سے دوچار کر سکتی ہے۔

"کیا بات ہے؟" اس کی سرانجامی سے بولی۔ "کون تھے؟"

میں نے آنکھیں میچ میں اور چنٹی آواز میں کہا۔ "مجھے نہیں معلوم، میں وہ میرا ہی نام لے رہے تھے اور میری بات میں آئے تھے۔"

ایک نے "میں نہیں جانتی بولی نہیں۔" میں نے انہیں بتا دیا کہ اس کے لیے کہ جہاں کوئی داخل نہیں تھا۔ "میں۔" اسات پنج کرے کی کوشش کی۔ "میں وہ یہاں تک آ گئے۔ تم یقین کر دیا۔" کر دیکھیں اب نہیں بتا سکتی ہیں کہ کھل رات سے اب تک میرے ساتھ کچھ ہوتا رہا ہے۔ کل رات سے پہلے اس شہر میں مجھے کون نہیں جانتا تھا۔ میں یہاں آئی تھی لیکن تھا مگر بھائی کی حالت کی وجہ سے آگے نہ جاری دیکھنا نہیں رہا تھا۔

شاید یہی مناسب تھا کہ میں اس سے کچھ۔ چھاپوں اور میں نے کچھ نہیں پوچھا۔ میں نے اس قدر اختیار و دار رکھا کہ اسے میرے بیان میں کوئی گروہ اور چیز کی محسوس نہ ہو۔ سیاق و سباق کے بغیر اس سادہ شعاری نظر میں یہ عرض حال ناممکن ہوتا۔ وہ درمیان میں میں ہوتی، ایک بار میری آواز چنٹی گئی تو اس نے اٹھ کے مجھے پٹی چلا دیا اور صہوت انداز میں سٹی رہی۔ اس نے وہی سا جو میں نے کہا تھا اور وہی سمجھا جو میں چاہتا تھا کیوں کہ وہی سچ تھا اور

کیوں کہ وہ ایک نیک دل خاتون تھی میں چپ ہو کر رہ گیا۔

"میں تو چور چکے ہیں ہیں۔" اس نے کسی کا حق نصب نہیں کیا۔ بھائی کی حالت نہیں معلوم ہے۔ اپنے میں کون کسی کھڑے نئے میں پڑا ہوا ہے گا۔ پھر ہی ہو گا کوئی۔ "میری آواز رنڈ ہے کی۔"

یہ سارے چم نا قابل یقین رہا ہے۔ پہلے میرے، پھر ایمان اور بدعاش لوگ، رہتے ہیں اس شہر میں۔ "وہ جیسے بولی۔" اور یہ اس لوگ کیا کرے "تھے؟"

"ظاہر ہے، ایک ہی بات ہو سکتی ہے۔" میں نے کہا۔ "یعنی وہ جنہیں جنہیں "اس نے کالوں پر ہاتھ رکھے اور آنکھیں بند کر لیں۔" وہ میرے خدا

"ان کی آواز پر میں ہر کھل جاتا۔" گران سے پہلے وہ پولیس افسر نہیں آتے۔ پولیس افسروں کی آمد کے بعد مجھے پتہ چلا ہوا جاتا ہے تھا۔

"وہ وہ اسے اسے بھری ہوئی۔" یعنی وہ پولیس فسر جو تم سے ہم دردی جانتے "تھے تھے۔ یہ کئی کے رہی تھے۔"

"ہو سکتا ہے۔" وہ میڈا کو بری طرح گالیاں دے رہے تھے۔ وہ میڈا کے فرستادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے سارا محل وقوع دیکھ لیا تھا۔ پتہ اس کے میں دیکھنے لگی تھا ہوتا ہے۔ اتنی رات گئے تو انہیں یہ سب کچھ بہت آسان معلوم ہو گا۔ کچھ مجھ سے بھی چھٹی ہوئی پولیس افسروں کی رہائی میڈا کے رشتہ کاروں کے میں۔ کہہ کر پھر مجھے کل سویرے سے سورت لکھتے ہی میڈا کے اے کا رخ کرنا چاہیے ہیں صرف قصہ کہیں، یہ خائے سے مستعد کچھ اور بھی تھا۔ پولیس افسروں کے سامنے اپنے عزم کی پختگی کا ظہار بھی مقصود تھا۔ باپ پر یہ بھی ممکن ہے کہ ان پولیس افسروں کا کوئی ہاتھ نہ ہو، جیسا کہ

بازی گرو

انہوں نے خدشہ طاری کیا تھا۔ چاقو نہ لے کر رہا،
 کر کے میرا سے سر پہ منہ لانا خطرہ تھا، ہے۔ اب
 اسے میرا کام تمام کرنے میں جلدی کرنا چاہیے
 دھوا کے ہونی سناٹوں کے غم و غصہ کا جواز موجود
 ہی ہے۔ دربانوں نے انہیں، کچھ لیا اور دوسرے میں
 کمرے سے باہر نہیں لگا۔ میں نے بھی کاشکر یہ
 کہ اس سے میرے کچھ کے بغیر کمرے میں
 میری موجودگی سے انکار کر دیا۔ ہو سکتا ہے کہ
 یقیناً "میں" ہو رہا ہو یا نہ ہو جانتے ہوں کہ قہر
 میں آئے ہوں سے نہیں اور بھلا دیا۔

"مجھے کچھ شبہ ہو گیا تھا۔" انہی کی آواز دہانپ
 رہی تھی کہنے لگی "رات وہ پچیس والے آئے تھے،
 پھر رات گئے اتنی رات گئے کہیں پوچھتے ہوئے
 لوگوں کی آمد پر میرا ہاتھ ٹٹکا کہ کہیں کوئی گز
 رہا ہے۔ تم جانتے ہو گے کہ اس خاص خاص کمرے
 کے ہر کمرے سے ملحق نرس کا ایک پھوٹا کمرہ بھی ہوتا
 ہے۔ رات بھر نرس وہیں رہتی ہے اور وقفہ وقفہ
 سے مریض کو دیکھنے کی رہتی ہے۔ ضرورت پڑنے
 پر مریض اور اس کا ساگھی خوار دار بھی کھنٹی بجائے
 سے طلب کر سکتا ہے۔ گزشتہ رات میں اپنے
 کمرے میں تھی اور شاید میں چار مرتبہ مریض کا
 معائنہ کرے کی تھی۔" سچ ڈکٹر رائے سے حاکم
 طور پر مجھے مریض کے کمرے میں رہے کی بددیت
 کی تھی۔ انہوں نے خیر آواز دواؤں میں کی نہ تھی
 اور مریض کا رکھنا دیکھنے کے لیے میرے پاس
 رہنا ضروری تھا۔ عموماً رات کو ہم کمرے میں پہنچی
 نہیں لگاتے۔ یہ ایک بڑی محفوظ جگہ ہے۔ ایک
 واردات کا تو یہاں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔
 دوسرے کسی "بہن" ہم ضرورت میں آتی کھلوے
 میں وقت صرف ہوتے کا بھی خیال رہتا ہے۔ لیکن
 چونکہ رات میری قیام ہی کمرے میں تھا، میں
 نے کئی گاڑی۔ میں کہہ نہیں سکتی کیوں؟ شاید اس
 لیے کہ تمہارے پاس سے وہ پچیس وافر دیکھ

کے میرے چھٹی حس بیدار ہو گئی تھی اور یہ لوگ
 آگئے۔ اسبوں۔ دروازہ کھول کے اندر آئے کی
 کوشش کے بجائے دھک دینا مناسب سمجھا۔ وہ خود
 بھی گھبرائے ہوئے ہوں گے۔ دروازہ کھلا ہوتا اور
 وہ دھک دے کے اندر داخل ہو جاتے اور اگر میں ت
 ہوتی، کمرے میں صرف تم ہوتے اور اگر ہم دونوں
 بھی ہوتے تو "ایک کا جسم اور کیا اس سے
 جلدی سے سینے پر کر اس بنا اور خوف روتی نہ
 ہوتی۔" خداوند ہے تم سب پر رحم کر لیا۔
 "ہاں میں نے کھنٹی علی آواز میں افرار کیا۔" پھر تو
 کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

اس کے ہم دروازہ دے سے مجھے حصد ہوا۔
 اسی لیے میں نے سیتی دہانپ کے ساتھ سارا احوال
 اس کی جناب میں چار پانچ سو روپے دیا تھا۔ اب میں
 اس سے گزارش کر سکتا تھا۔ میں نے کہا۔ "سسر اتم
 ڈاکٹر رائے کو کچھ بتاؤ تو بہتر ہوگا۔ کیا ضرورت
 ہے۔ انہیں بتایا جاے کہ وہ لوگ ہمارے کمرے پر
 آنے پھر گئے تھے اور میرا نام لے رہے تھے۔"
 "اگر۔۔۔ مگر ان کا تعاقب کرنے والے
 دربانوں نے انہیں ہمارے کمرے پر پھیرے ہوئے
 ضرور دیکھ لیا ہوگا۔" وہ ہنسیا کے بولی۔

"امکان نہیں ہے، نہیں دیکھا ہوگا۔ ہمارے
 کمرے کے دروازے پر موجود لوگ، دربانوں کی
 بندہ ہوں ہوئی چاروں پر بھاگ کھڑے ہوں گے۔
 انہوں نے پھر کوئی کوشش نہ کیا ہوگا۔" میں نے انہی
 کو قائل کرنے کی کوشش کی اور کچھ لہجے میں
 کہا۔ "سسر ڈاکٹر رائے کے مزاج سے تم واقف
 ہو۔ جانتے ہو نہیں کیا سمجھیں۔ ضرور، جراثیم پیشہ
 کیا کیا۔ کوئی اتنی سیدھی بات اس کے دماغ میں
 آتی تو ہم کسی معیبت میں چرکتے ہیں۔ ہو سکتا
 ہے ہسپتال سے نکل جانے کا حکم دے دیں۔ پھر ہم
 کہاں کہاں بھاگتے پھریں گے، کون سے ہسپتال کا
 رخ کریں گے۔ بھالی کی حالت اس دور دردی کی

متعل ہو سکتی ہے؟" یہ ہم بہتر حقی ہو بھالی کی صحت
 پالی کے بعد تم چاہو اس سے ہر دین۔"
 وہ چپ ہوئی اور گہری سوچ میں ڈوب گئی۔
 "تم رات کبھی رہی ہو؟" میں نے عاجزی
 سے کہا۔
 وہ گہری سانس بھر کے رہ گئی۔

میں نے پھر اس سے اصرار نہیں کیا۔ بہت دیر
 خاموشی کے بعد وہ ہڑبڑا کے بولی۔ "لیکن ناکام
 ہو جانے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ وہ شیطان
 دوبارہ یہاں نہیں آئیں گے۔"
 "ڈاکٹر علی خن کے درمیان میں نے تار دلوا دیا
 ہے۔ کل رات یا پرسوں صبح تک کوئی نہ کوئی ضرور
 آجائے گا۔"

"پھر کیا دوں گا۔"
 "پھر میں انہیں دلچسپ کروں گا۔"
 "کیا کیا دلچسپ کروں گا؟"

"اس حیرت میں بہت جتنا رہنا ہوگا۔" مجھے
 حال آیا اور میں نے رات بدل کے کہا۔ "اس
 دوران ہم خود بھی پولیس جا دے سکتے ہیں۔ وہ
 پولیس والے اگر واقعی میدان کے آدمی نہیں تھے تو
 جیسا کہ انہوں نے کہا تھا، وہ پچیس کے عوض
 میرے لیے پیر کا کام کر سکتے ہیں اور اب امید نہیں
 ہے، اس ناکامی کے بعد دو ایک دن تو کوئی بھی
 ہسپتال آئے کی جرات نہیں کر پائے گا۔ وہ خود بھی
 ہوشیار ہو جائیگا اور کیا غیب ہے، اس دوران
 بھالی ٹھیک ہو جائیگی۔ مجھے تو یہی ملے گی فکر ہے، اس
 کی طرف سے ڈراؤں ہوتی دیکھنا میں انہیں دیکھ
 کر آگیا۔ ایسا اندھیر ہوتا نہیں سمجھیں۔" میں نے کھنٹی
 کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے مجھے کسی
 کام کا نہیں۔" میری آواز حلق میں گھٹ گئی۔

"اگر وہ اسے سب ٹھیک ہو جائے گا، خدا پر
 ہر وہاں رکھو۔" انہی، وہ غم گسار خاتون، سامنے کے
 صحنے سے اٹھ کے اٹھتے ہوئے میرے پاس

"تنگی اور میرا اپنی آغوش میں سے یہ۔" سب
 ٹھیک ہو جائے گا۔ تم ایک صحت مند لوگوں ہو،
 اور مرد مردوں سے نہیں۔ یہ کام تو ہمارا ہے۔ تم
 عورتوں کا۔" وہ میرے ہاتھوں میں انگلیاں پھیرنے
 لگی اور حیرت میں "وہ پھینکے لگی۔" میں سسکیاں
 بھر رہا تھا۔

باقی رات بھی کھنٹی میں کٹ گئی تھی جیسے ہی
 سورج طلوع ہونے کے آثار ہوئے، انہی کو بتائے
 بغیر میں کمرے سے نکل گیا۔ درجن گس پینے کے لیے
 راہ داری سے آگے چلا گیا۔ سر ہسپتال جاگ رہا
 تھا۔ صحنے کے والے خاک روپ کو کمرے کی
 طرف بڑھتا دیکھ کے میں فوراً ہی واپس آ گیا۔
 خاک روپ کو آج ہے کام سے زیادہ رات ہوئے
 والی واردات سے انہی کو خبر کرنے کی فکر تھی۔
 کمرے میں داخل ہوتے ہی میں نے پچیس کھنٹی
 اور پچیس پچھی آواز میں انہی کو بتایا کہ رات پہتاں
 میں ڈاکٹر گئے تھے۔ ن کے پہرے احوالوں
 سے پیچھے ہوئے تھے۔ تعداد میں چار پانچ ہوں گے
 یا اس سے زیادہ۔ ہسپتال کے عام دروازے سے
 داخل ہوئے میں انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ان
 خاص کمرے کے جسے پر تعینات ہوئے دوسرے دربان کو
 انہوں نے چھوڑ دیوں سے ادھ صر کر دیا لیکن رات
 کی ڈیوٹی پر موجود ہسپتال کے ملازمین میں سے کسی
 نے نہیں دیکھ کے شور مچا یا در تعاقب شروع کر دیا۔
 کئی اور ملازم گم اس کے ساتھ ہو گئے۔ ڈاکٹر کو
 دوسرا دھڑکتے پھرے اور کوئی دیکھ نہ دیکھ کے
 انہوں نے دھڑکتے ہوئے میں حقیقت بھی۔ وہ ہے
 تھا شہر بھاگ رہے تھے۔ انہی نامی ہسپتال کا ایک
 لو جو اس ملازم ناک لگائے بیٹھا تھا۔ اس سے دھ
 سے نکل کے کسی کے سر پر انہی ماری اور اسے دھ
 لیا۔ ڈاکٹر نے اس کے پیٹ میں پھر گھونپ کے
 جان چھڑائی۔ رنجی انہی نے "ادھ گھنٹے میں دم توڑ
 دیا۔" دکانوں سے جس بڑھے دربان کو مارا پھینکا تھا،

وہ کی حالت بھی تاریک ہے۔ پوئیس بھی ہے اور
 تفتیش کر رہی ہے
 ایک۔ میری طرف دیکھو اور جو میں
 بولی۔ میرے اور میری کے لیے ناشتہ ا۔ اور
 کمرے میں تو بے چاروں کی دھیرہ ہونے والے
 ملازمین۔ بھی کم و بیش میکی اور داد و ہراکی۔ مبالغہ
 بہ تدریج نمودار ہے۔ حاشیہ آرائی اور خلائی کے
 لیے انہیں وقت ہی کتنہ تھا۔ شکر ہے کہ میں نے
 کسی کو معلوم نہیں تھا کہ ان کے پرقوں ڈاکو
 ہمارے کمرے کے دروازے پر آکے پھیرے تھے۔
 مجھے شدت سے ڈاکٹر رائے کا انتظار تھا۔ وہ
 کسی قدر تاخیر سے آیا۔ اس کا چہرہ سلگ رہا تھا۔
 میرے سلام کا جواب اس نے سر کی جنبش سے دیا اور
 کوئی بات نہیں کی۔ میں نے بھی اس کے نزدیک
 جانے سے پسوچ کر۔ اس کے ساتھ دو اور ڈاکٹر
 تھے۔ سٹیشن ورائی نے مصل کے ستر کا حصہ
 کر لیا تھا۔ میں روکھڑا دیکھتا رہا۔ نبھوں سے خاصا
 وقت یہاں رہی کہ وہاں بات دے کے ڈاکٹر رائے
 میری جانب پڑنا۔ اس کے سامنے جا کر میرا چشمہ
 غیر درجی طور پر تن گیا۔ "بھو بہتر دیکھیں ہیں
 شاید آپریشن کی ضرورت نہ پڑے۔" اس سے
 بھی وہی آد میں مڑوہ سنایا اور بے لگا۔ لیکن اصل
 فیصلہ دوپہر پورنکس آئے پر کیا جائے گا۔
 پوسٹ رات سے اب بھی پاؤ ڈاکٹر رائے کے
 منہ سے کون مید خرابت کی تھی۔ میرے ہونٹ
 کپکپاتے تھے اور مجھ سے بچھک رہا تھا۔
 رات وہ پوسٹ رائے میں آئے تھے۔
 اس نے دھمکتی طور میں پوچھا
 "اپنے ہی س۔ کوئی حال بات نہیں۔ آپ
 فکر مند نہ ہوں۔ انہیں انہیں پھر شہر ہو گیا تھا۔
 میں نے بے غلطی ورے پروان کا ٹھہر کیا۔
 کیا شہر؟ وہ ہونٹ کے بول۔ "کوئی اور
 بات نہیں۔"

"اور بات ہوتی۔" میں نے سسما کے کہا۔
 "میں نے آپ سے کہا تھا۔ میں آپ سے کچھ نہیں
 چھپاؤں گا۔
 برسی ابھی قریب کھڑی س رہی تھی۔
 "میں نے معلوم ہے۔ رات اسپتال میں آیا
 ہوا۔ ڈاکٹر بڑے تھوڑے سے بولا۔
 "میں نے پوچھا۔ میں نے پہلی مسکراہٹ
 سے کہا۔
 "یہاں سیدہ اب بھی نہیں ہوا۔"
 "جواب نہ ہو سکا۔ سروری تو نہیں کہ آئندہ
 بھی نہ ہو۔" میں نے بددلتانے سے کہا۔
 "یہ بہت سنگین معاملہ ہے۔ ڈاکٹر رائے جوتی
 "دار میں ہوا۔" پوئیس آئی ہے۔ مجھے اس سے ملنا
 ہے۔ تم سے دوپہر کو بات ہوگی۔" چپے چپے دو
 رگ کیا۔ اس۔ ساتھ ہڑے ہوئے سداوت
 ڈاکٹر کو آگے جانے کا اشارہ کیا۔ برسی ابھی نے
 دور ہونے کے بعد وہ تیسے بچے میں ہوا۔ اگر
 ڈاکو تھے تو اسپتال میں اس کا لیا کام۔ یہاں سے
 انہیں کیا ہی سکتا تھا
 "ہاں۔ نہیں مٹس ہے، انہیں کسی آدمی کی
 تلاش ہو۔" میرے منہ سے نکل گیا۔
 "آدمی؟" وہ چپ کے بول "آدمی کی
 کیوں؟"
 "آپ کہہ رہے ہیں؟" میں نے اپنی
 ربات کی لغزش کی عافی کرنا چاہی۔ "انہیں یہاں
 روپیہ چھپاؤ نہیں مل سکتا تھا۔"
 وہ کھوس گیا پھر پھرتی آوار میں ہوا "تمہارے
 پاس کوئی بڑی رقم یا کوئی اور قیمتی چیز نہیں؟"
 میں نے غصے سے اسے دیکھا۔ "تھوڑی بہت
 تو ہے۔"
 "کل دوپہر تم کہاں کہاں گئے تھے؟"
 "میں گراؤ ہوٹل پھر تاروینے کے لیے جا رہا
 ڈاکو خانے" میں نے چپکے کہا بعد ل

مصرفیات کا میں اسے سنا تھا
 "تمہیں اور لو نہیں۔" کروہم یہاں بہت دیر
 سے آئے تھے۔ عا بناشم کے وقت؟"
 "آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"
 "مطلب ہے انہیں تم سے کسی سے اپنے پاس
 موجود رقم کا ذکر تو نہیں کیا۔ دراصل پوچھو، کس کس سے
 ملے تھے تم؟"
 "کسی سے نہیں لیکن لیکن ہاں۔ میں نے
 احتیاطاً ایک معقول رقم ہوٹل میں جمع کروائی تھی۔ یہ
 رقم چھائی کے کپڑے بدلنے کے وقت اس کی جیب سے
 نکل گئی۔ سر میں غولیا جیانی ابھی رقم ساتھ لے کے
 چلے ہیں۔"
 "ہوٹل والوں نے تمہیں کوئی رسید دی تھی؟"
 "جی، جی ہاں۔" میں نے جیب نکلنے کے
 لیے ہاتھ بڑھایا۔
 "ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ رقم ہوٹل میں ہے تو
 پھر "دو سو فیصد میں پڑ گیا۔
 "آپ کیا سمجھ رہے ہیں؟" میں نے تذبذب
 سے پوچھا۔
 "تم کہتے ہو، تمہیں اس شہر میں کوئی نہیں
 چاہتا۔"
 "جی ہاں، میں کل اتفاقاً ایک صاحب سے
 ملاقات ہوئی تھی۔ اس کا نام کمر علی خاں ہے۔ وکیل
 ہیں اور یہاں کی کارنگ میں کاموں پڑھاتے ہیں۔
 وہ نہایت عمدہ آدمی ہیں۔ شاید آتے ہوں ابھی۔
 رات بھی آئے تھے۔ حیرت سے کہنا لے کے پوئیس
 والوں سے رات اس کی ملاقات بھی ہوئی تھی۔
 مجھے یاد آیا، کل شام ڈاکٹر رائے مصل کو دیکھے آیا تھا
 تو اکیر علی خاں موجود تھے۔ میں نے کہا۔ "دو
 صاحب جو کل شام کمرے میں میرے ساتھ تھے۔
 شاید آپ بھول گئے۔"
 "رات کو جو پوئیس والے آئے تھے، تمہیں
 پہچان سہو پوئیس والے تھے؟"
 "جی ہاں۔"

"ہوں بے شناخت ہائے دکھائے تھے۔"
 "تم۔ کچھ تھے؟"
 "نہیں، انہوں نے جیب سے نکالے تو میں
 حواس ہو گئی۔"
 "دیکھئے نہیں۔"
 "ہاں، دیکھئے تو نہیں مگر آپ؟"
 "اے کوئی اور بھی ہو سکتے ہیں، بہرہ ہے۔"
 میری وضاحت سے پہلے اس نے قیس آج کی
 کی۔ "ناز بھائی اپنے آئے ہوں، ہو سکتا ہے بعد کو
 رات مجھے آنے والوں کا ان سے کوئی تعلق ہو۔"
 میں نے کوئی رائے ظہر نہیں کی۔ میرے لیے
 چپ ہو جانا ہی بہتر تھا۔ تاہم سے سر دی تھی کہ جس
 رگ پر ڈاکٹر رائے سوچ رہا ہے، میں اسے بھیڑ
 کروں۔ تو دیکھ کے لیے ایک جہت لازم ہو جاتی۔
 مجھے حیرت تھی اس نے کسی طرح بال میل پیدا کر لیا
 کہ رات کو اسے دلے ٹیک میری جگہ میں نہ آئے
 ہوں۔ ڈاکٹر رائے کو تو پوئیس میں ہونا چاہیے تھا۔
 "ٹھیک ہے۔" اس کے ہونٹ پھیل گئے۔
 "دیکھتے ہیں۔ اس سے مجھے ہوئے بچے میں کہا اور
 کمرے سے نکل گیا۔
 اس کے جاتے ہی میں ہک کے چند قدم کے
 فاصلے پر موجود ایک کے پاکہ پہنچا اور اس سے
 ممنونیت کا اظہار کرنا چاہا لیکن وہ کھڑکی کی نظر
 آ رہی تھی۔ مجھے شک ہوا، رات دروازے پر دستک
 دینے والے چند آدمیوں کے پارے میں اپنے
 دو پیڑہ ریش کار ڈاکٹر رائے کو بے خبر رکھنے کے
 ناسف اور بدست سے لیر بار ہو۔ مجھے کچھ
 پوچھنے کوئے جھجک ہوئی۔ "بے پریشان ہوئے کی
 کوئی بات نہیں۔" میں نے اس کی دس جوتی کے
 لیے کہا۔ "تم سے سن پاسس ڈاکٹر صاحب کیا کہہ
 رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ بھائی کی حالت میں
 بہتر نظر آ رہی ہے۔ اور اور شاید آپریشن کی
 ضرورت نہ پڑے۔"

میری کوشش کارگر ہوئی، ایک کاٹھا ہوا چہرہ
 کھل کر "ہاں" وہ میری نظر آ رہے تھے۔
 "تم سے بھی کچھ کہا" میں نے بہانے سے

پوچھا۔
 ڈاکٹر نے قبل وقت بڑی بات نہیں
 کرتے۔"

"اب تک انہوں نے ایک لفظ الطمنہ نہیں کہا
 کہا تھا۔ جس میں کیا تھا اس سسٹر ڈاکٹر صاحب کی
 رہائی تھانے کے لیے مجھ پر کیا کام کر رہے ہیں۔"
 "ہی، اب ساری دھند چھٹ جائے گی، ساری
 رکاوٹیں دور ہو جائیں گی، دیکھنا۔"

میری آواز میرے کانوں میں نہیں رہی۔ میں نے
 تیزی سے ایک کاٹھا اپنے ہاتھ میں جکڑ لیا اور سینے
 سے لگا کے کہا۔ "تم نے بہت احسان کیا ہے مجھ پر۔
 مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔"

"تم دسے پہلے ہو۔" وہ دھن پڑی۔ "تم منع
 نہیں کرتے تو بھی میں سوچا مجھ کے وہاں کھوئی دور
 دیکھو یہ شکر اب امت اور کرنا یہ اتفاق
 ہے کہ ہسپتال کا کوئی ڈاکٹر نہ ہوگا کو ہمارے
 کمرے کے دور سے پرکھ رہے ہوئے نہ دیکھ سکا
 ورنہ میری خاموشی سے بھی کیا ہوتا۔"

میں نے کئی بار اس کا ہاتھ چوم، آنکھوں سے
 لگایا۔ مجھے اپنا وجود اب بہت ہلکا سا لگ رہا تھا۔
 جس سپرد میں کے آجائے پر مجھے دعا نہیں دیتی
 ہوئی کی رخصت ہوگی۔ اس دوران میں تین چار
 مرتبہ کھانے کے ستر کی جانب گیا اور ہر مرتبہ اس کی
 پہنچائی کے خیال سے میں نے اسے ڈاکٹر نہیں
 دی۔

ٹھیک گیا روہی کبیر علی خاں آگئے میں نے
 سب سے پہلے انہیں دیکھ کر نوید سانی کہ ڈاکٹر نے
 سب کے معائنے میں کھانے کے لیے کہا ہے۔
 اس کی آنکھیں بھی چمکنے لگیں۔ انہوں نے بتایا کہ
 رات یہاں سے جاتے ہیں انہوں نے کلکے تاروں سے

وہ تھا اور حیرت ناک حلقے سے مستعد کی درخواست
 بھی کر دی تھی پھر صبح احتیاطاً یہاں آنے سے پہلے
 ایک اور تار روانہ کر دیا ہے۔

سیوری کمرے میں تھی۔ میں اکبر علی خاں کو دروازے
 داری میں لے آیا اور میں نے رات کا سارا واقعہ
 انہیں سنا تو وہ ہکا بکا رہ گئے۔ انہیں یقین ہی نہیں
 آ رہا تھا کہ میں جی بول رہا ہوں۔ پھر میں نے
 ڈاکٹر رائے کے بارے میں انہیں بتایا کہ صبح اس
 کے سوال و جواب کی ایک آزمائش سے میں کس
 طرح گزر رہا ہوں۔ ڈاکٹر رائے پھر اس امکان
 انکے گیا کہ رات آئے والے پولیس افسر اور اس
 کے بعد آنے والے مسدودوں میں کوئی ملوث
 ہو سکتا ہے۔

یہ سن کر اکبر علی خاں دم مسم سے ہو گئے۔ وہ
 میری ایک دلیل تھی۔ کچھ جیسی رور و شب کا وہ
 تھی۔ کہنے لگے۔ "میں" آپ کہہ رہے ہیں کہ
 رات کے حیران کن واقعات کی تفتیش کے لیے
 پولیس اسپتال آئی ہوئی ہے۔ فرض ہے ڈاکٹر
 رائے نے اپنے اس عہدے کا رول پولیس سے سزاوار
 پولیس تو آپ کی طرف بھی آ سکتی ہے۔ پھر آپ
 کہیں گے ان سے رات آپ سے ملاقات کرے
 والے پولیس افسر کوں تھے؟

مجھ سے نور کوئی جواب نہ سہ پڑا۔ میں ڈاکٹر
 علی خاں کی صورت دیکھ کر کہتا ہوں۔ اس نکتے پر
 نے سوچا ہی نہ تھا۔ ڈاکٹر رائے کو اسپتال
 میں موجود تفتیش کاروں سے یہ کہنے میں کیا عار ہوگی
 کہ گزشتہ رات اس کے زیر علاج شیر بھی انہی
 ایک مریض کے بیمار دار بھائی کے پاس توڑنے کے
 خلاف دو پولیس افسر آئے تھے۔ اسپتال میں
 دھرم دے ہوئے پولیس والے رات کے واقعے
 کے اندر سے میں کسی کمر کی امید میں میرے
 پاس آ سکتے ہیں۔ پھر میں اس سے کیا کہوں گا
 تاروں کا کمان کے نام کیا تھے، علیے کیسے تھے اور

دیکھا جائے گا، اور زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا۔ رات
 کے آٹھ بجے تک کمرے سے آئے تھے کام
 باب بھی ہو سکتے تھے۔ اس سے زیادہ کیا ہو سکتا
 ہے۔"

تو یہ کہنے میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا
 کہ وہ اتنا کچھ چاہتے ہیں۔ آپ ہی کہہ رہے تھے
 کہ یہ آئے لوگ دابے سے بھرے ہوئے ہوتے۔
 اب مجھے کیا ہے۔

"مجھے سب بھی یقین نہیں کہ انہیں میدانے بھی
 تھا۔"

پھر کمرے میں کون بھیج سکتا ہے انہیں
 بڑے انداز میں کہہ رہے ہیں آپ؟ کمر
 علی خاں کی آواز تھی۔

"وہ حیرنے والے دھواں کے قریبی ساتھی بھی
 ہو سکتے ہیں۔ میدانے اڑے کے لوگوں کو ہاتھ
 رکھنے میں ناکام رہا ہے شاید۔ آپ کو یاد ہوگا، میں
 نے میدانے اڑے پر کہا تھا کہ اڑے کے استاد کو
 اپنے سفری آدمی تک نگاہ رکھنی پڑی ہے۔ باہر
 وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو میدانے سے بڑی محبت
 عقیدت رکھتے ہیں اور انہیں شہد کہ میدانے پنا
 پ تو وہاں لینے کسی وقت بھی میں اڑے آ سکتا
 ہوں۔ نتیجے میں ان کا محبوب استاد چوکی پر شہید قائم
 رہے۔ اس کے بعد اسے لوگ میدانے کی محبت میں سے ہٹائے
 پھر میری طرف نکلتے ہیں۔"

"مجھے کبھی معلوم۔" اکبر علی خاں کے ہاتھ پر
 سونٹیں ابھرتی ہیں۔ "میرا جرم پیشہ لوگوں سے
 بہت واضح رہا ہے لیکن اس قدر تم لوگوں سے
 کچھ کم نہ ہوئے کہ برسر۔ آپ کا یقین بھی ہے
 سب نہیں ہوگا۔ بہر حال اس سے فرق بھی کیا پڑتا
 ہے۔ وہ کوئی بھی ہوں، میدانے کے اشارے پر آئے
 ہوں یا نہ، ہم رکھ کے۔ میں تو سوچتا
 ہوں کہ خدا کا ہمتہ۔" اکبر علی خاں کہتے کہتے وہ
 گئے انہوں سے۔ کبھی بھیج میں۔

کا متعلق کیا تھا۔ یہ مسلسل کہہ رہے میرے
 ساتھ۔ کیا یہ خفا ہے۔ ایک غداں ختم نہیں ہوتا
 کہ دوسرا شروع ہو جاتا ہے۔ میں نے کون سا جرم
 کیا ہے جو مجھ سے جواب طلب کی جارہی ہے۔ میرا
 سر جھک رہا تھا۔ میں نے پولیس والوں کو کچھ بتادیا
 کہ رات کو اس کے ہم پیشہ میدانے کے سسٹے میں
 آئے تھے تو میرا یہ اعتراف ڈاکٹر رائے تک پہنچ
 ہو جائے گا۔

وہ مجھ پر رور و غوغائی کے اراکات عائد کرے
 گا۔ میری تو جرات اسے اپنی نظر آئے گی۔ اس
 ایک کی طرح، گزشتہ رات کی ساری روداد سے بدلتا
 ہوں تو اس کا حلقہ دہرایا کیا تو اسے ترانیاں
 کر رہے تھے۔ بات پھر بہت دور جا رہی ہے۔ نہیں
 آباد، نکلتے آہ۔ کون کہاں۔

"مجھ۔" وہ جھوٹا ہنسی نے گا مہاں۔ "اکبر علی
 خاں مجھ۔" وہ کمر منہ لگا رہے تھے۔ "آپ
 کہیں کہ آپ یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ رات
 آئے والے دو آدمی، میدانے ان کا دھواں، پولیس
 افسر ہی تھے۔ آپ کہیں کہ انہیں آپ کی شکل سے
 کوئی دھواں ہو گیا تھا۔ بات صاف ہوئی تو وہ
 معذرت کر کے چلے گئے، کچھ ایسی ہی حکیم غدار
 میں بات کرنا ہوگی۔"

"ظاہر ہے، بات تو بھائی پڑے گی۔" میں
 نے بے جا رکھی سے کہا۔

"آپ کی کوشش ہوئی یا ہے کہ پولیس تفتیش
 کے دوران ڈاکٹر رائے کو ہونہوں۔"
 "میری کوشش سے کیا ہو سکتا ہے۔" میں نے
 ناگواری سے کہا۔ "میرے پاس وہ آپ دیکھ رہے
 ہیں۔"

اکبر علی خاں مجھے حوصلے کی تقصیر دینے لگے
 چالوں کے مردست خود انہیں اس کی بڑی مردست
 تھی۔ میں نے جے کہا۔ "ٹھیک ہے جو ہو
 والا ہے، اس پر میرا انحصار ہے۔ آپ کا جو ہوگا،

اپنے آپ کو جانے کی جستجو میں ہے درخت ہی نہیں ہوتے۔ سہل کے بعد خراشل چاتا ہے۔ رندوں کے سرور و مزا کو اس سے دور نہیں چھپے ہوئے ہیں۔ توئی در کے بعد دوسرے کرتا چلا جا رہا ہے۔ در میں حیرت کم نہیں ہوں بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

سیدورین سے چائے کے برتن بیٹھے۔ سہل میر پر رکھے اور نام سے دودھ و چائے کی مقدار پوچھ کے چائے پانی اکٹری خاں ٹھیک ہی کہتے تھے۔ موت کسی ہی اہل ہو، زندگی کی ہمت دھری پٹی تھک ہے۔ زندگی موجود ہے تو آخری لمحے تک خوش نصیب، خوش گزیراں جاری رہتی ہیں۔ موت فراموش کرتے رہا نہی زندگی ہے۔ موت اور زندگی کی لگہ بچوں میں زندگی جیت بھی تو جاتی ہے، اپنی رہتی ہے۔ زندگی کی پہچانی چھوٹی جیتوں پر موت شاید اہل ہے۔ زندگی کو معصوم نہیں ہونا کہ موت اسے حاصل آتی ہے اس سے کھو کر رہتی رہتی ہے اور کسی ایک اس پنک کاٹ آتی ہے۔ کسی ایک دن پچھنے میں بری طرح دو بوجھ لگی ہے۔ یہی اس کا شیوہ ہے۔ ایک دن ضرور اس کا ہوتا ہے اور چون اس کے نہیں ہوتے، وہ بھی کچھ اس کی چشم پوشی، درگزر کی کے سبب ہے۔

دو پہر تک پوئیس کا کوئی آدمی نہیں آیا۔ غسل کی تیاری کے دوران پوئیس کی تعینیت سے مجھ کو س ہفتہ کی وحشت میں اضافہ ہو سکا ہے۔ کچھ بھی سوچا کے شاید ڈاکٹر رائے سے پناہ نہ ہو، خدا کا شکر ہے کہ وہ اور پوئیس کو پیسے سے غور پر چھوٹا بن کا موافق رہا ہو۔

ایک بو اتھ چلا تھا۔ کمری خاں کا دروازہ سافٹ سے آگیا اس سے کچھ کہنا کہ اس ٹکلف کا یہ کل ہے نہ اس کی ضرورت ہے، حضور تھا۔ گزشتہ رات کی طرح جھوک نہ ہونے کے باوجود میں سے دم بھٹی۔ ہمارے صبر پر سیدورین بھی ساتھ بیٹھ گئی۔ اس سے ایسے خوش و خندانہ شہ

بھلی پارکھنے تھے مسلسل تعریفیں کرتی رہی۔ اسے کہتے دینے کے بے اختیار تھے روبرو اور فروری کی یاد آتی وہ بھی کچھ ایسی انداز سے کہنا نہ تھیں کھانا پکانا ہی نہیں کھانا کھانا بھی ایک ہر ہے۔ تارک اندازی کو تازک خیالی اور تازک طواری بھی لازم ہے۔ قدرت نے ایسا ریشم، ایسا بھول، اتنا کل اور ترش ہوا بنایا ہونو دیگر شایستگی، نرم و حلیف حرکات و سکنات سے کیا مطابقت ہو جاتی ہے۔ غائب بھی نہیں ہوتی ہے۔ کہتے ہیں، کسی شخص کے میران کے لیے دسترخوان اور سفر سب سے کھری کسوتی ہوتی ہیں۔ کچھ تو یوں بے شمار ہیں لیکن کچھ پر زندگی، سر نہیں کی جاسکتی۔ ایک جیسے آدمی بھی ایک دوسرے میں ضد ہوتے ہیں

کھانا کھاتے ہی اس کی طرف سے اسے دے مارم کو ساتھ لے کے رخصت ہو گئے۔ میں انہیں پتھوں کے مرکزی دروازے تک پہنچا کر دیا۔ میں انہیں دے دیا۔ تارک انداز کی والدہ کی طبیعت سہل نہیں ہے۔ مال کا ذکر کرتے ہوئے اس کا آواز سوز و گداز سے منظر ہو جاتی تھی۔ میں نے کہا کہ والدہ کے پاس رہنے کی ضرورت سمجھیں تو شام کو یہاں آئے کی رحمت کیوں کریں اور وہ میرا یہ کھانے وغیرہ کا ٹکلف نہ کریں تو بہتر ہوگا۔ وہ سکرانے ہوئے سر ہلائے گئے اور بولے۔ "رحمت کیوں برادر۔ عدارا انکی اجنیت نہ رہیں۔ آپ کو معلوم ہے، خدا گواہ ہے، لگتا ہے کوئی عجز اہل کیا ہے۔"

میں اس سے نہ ہر کہ میرا بھی کچھ بھی بول رہا ہے۔ وہ یہاں آتے ہیں تو ہمارے ہی بعد مدنی ہے۔ اس شہر میں کوئی پہنچا وہ چلے جاتے ہیں تو دن گھبرا لگتا ہے۔

اسیں رخصت کر کے واپس کرے میں پہنچا تو غسل کے ستر کے اطراف ڈاکٹروں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی، ڈاکٹر رائے اور ڈاکٹر اس میں گورا ڈاکٹر بھی

تھا۔ سیدورین بھی ان کے ساتھ مصروف تھی۔ میرے آنے کی آہستہ کسی کو نہ ہوئی۔ ان کے منتشر ہونے کے خیال سے کچھ دیر لو میں وہیں دروازے کے نزدیک کھڑا ہوا۔ غسل پران لوگوں نے جھک کر دیکھا تھا۔ مجھ سے یہ دیکھ نہیں جاتا تھا اس لیے میں باہر چلا آیا اسوں نے بہت دیر لگائی۔ کھڑے کھڑے پاؤں اکڑنے لگے۔ دماغ ہی پرانہ ہو تو دل کیا، آنکھیں کیا اور پاؤں کیا، کھی بے جاں ہیں۔ یہ جسم تو دیکھنے کا ہے۔ دینی بات ہے، آدمی تو کس دماغ ہے، حاکم مطلق۔ ہائی سردا جنم تو اس کا عقلم ہے۔ کچھ دیر ہو رہی تھی، میرا دل ادا جانا تھا دماغ ڈاڈا جاتا تھا۔

ادھر سے ڈاکٹر رائے کی آواز آئی تو میں نے جھانک کے کرے میں دیکھا، اسٹریٹ لائٹ کے پاس سے ہٹ گئے تھے۔ میں تیری سے کرے میں داخل ہوا۔ "ادھر میرے ہارمیں کو جوان دوست" ڈاکٹر رائے بے ہنگام ہوئے مجھے پکارا۔ "کہاں ہو تم؟" میں نے اسے دیکھا، باہر۔ "میری آواز

"تمہارے لیے ایک انجی فیر ہمارے معزز سہان ڈاکٹر فرم گئی سے ساری رپورٹیں دیکھ لی ہیں۔" اس نے سٹائش آئیز انداز میں پہلو میں کھڑے گورے ڈاکٹر کی طرف اشارہ کیا۔ "شکر کہ صرف اوپر کی جلد متاثر ہوئی ہے۔ وہیں سوچیں اور سر کوٹنے کی ضرورت نہیں۔"

میں تو سن ہو گیا۔ اپنی سماعت پر مجھے شبہ ہوا اور میری دیر و آکھوں میں دروازہ آگیا۔ کچھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہوں، اس طور ڈاکٹر رائے سے شکر گزاری کروں۔

"تمہارا بھائی دو انجی روئیں کر رہا ہے۔ ایک انجی ملامت ہے۔" گورے ڈاکٹر نے سنجیدگی سے ڈاکٹر رائے کی تائید کی۔ "یہ سر کا معائنہ بہت تارک ہوتا ہے جوان"

شکر نے مصطفیٰ یاد نہ بولا۔

"اور ستوا" ڈاکٹر رائے نے مجھے متنبہ کیا۔ "بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ سرجری سے جلد ناسج برآمد ہو جاتا ہے اور جلد ناسج کے لیے سرجری نہیں کی جاتی تا وقتیکہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو سکے۔"

"جی ہاں۔" میں نے بدحواسی سے کہا۔ سرجری کے بارے میں نہیں معلوم لیکن اس کا یہ چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی میں خود سے زیادہ شامل ہے۔ "میرا برو تمام کے ڈاکٹر رائے نے گورے ڈاکٹر سے کہا۔

"ورای سے میں کہتا ہوں، مشرق میں آدمی موجود ہے۔ مغرب میں تو نہیں کھو گیا ہے۔ ڈاکٹر فرم گئے پر حکمت تارک سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور بولا۔ "تم سے مل کے خوشی ہوئی۔" میں نے دونوں ہاتھوں میں اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "امید ہے، جلد ہی تم اپنے محبوب بھائی کو صحت یاب دیکھ سکو گے۔" گورے کے مزاج اور سبکی طرح ڈاکٹر نے اس کی سکر ہٹ بھی غلط لگی۔ اس کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے میری آواز

بھرا آئی۔

"شام کو نہیں گئے۔" ڈاکٹر رائے منہا کے ہونے اور اس نے ہاتھ پھیلا کے گورے ڈاکٹر کو جینے کا اشارہ کیا پھر پکا ایک رک کے مجھ سے پوچھنے لگا۔ "پوئیس تو نہیں آئی یہاں؟"

"نہیں، ہاں نہیں۔" میرے شہ سیدھے ہو گئے۔ "کیوں؟"

"سکتی ہے کسی وقت۔ ہر ایک سے پوچھ رہے ہیں او۔ یہ جاننے کے لیے کہ رات اسے دے اسپتال میں رہیں علاج مرینس یا اس کے کسی نگہ داری صوب میں تو نہیں تھے۔"

"جائے دیجیے۔" میں نے بے نیاری ظاہر کی۔

میں سے ان سے کچھ نہیں کہا۔ میری کسی

رائے سے وہ منتشر ہو سکتے تھے۔ اچھا ہے۔ وہ خودی
 ہاتھ پاؤں مار رہا۔ دیکھتے ہیں بہر حال
 بہیم مدد میں پہنچا جو ڈاکٹر رائے اپنے ساتھی
 ڈاکٹروں کے ساتھ کمرے سے نکل گیا تھا کہ اس
 سے مصدرت کرتے پھر اردو رے کی طرف پلٹا اور
 سر کوئی میں اس سے مجھے مشورہ دیا۔ میں سمجھتا
 ہوں اگر شیش رات غلطی میں آئے واسطے پولیس
 فیس کا ذکر تم بھی ان سے کیوں کرو لیتیں سے
 کچھ کہا بھی تو نہیں چا سکتا توں تھے وہ۔
 میرے کوئی جواب دیے سے پہلے وہ مجھ سے
 اور ہو گیا۔

میں نے۔ ہاں کوئی رائل خبر نہیں کیا تھا۔
 سے جدی لگی کہ مجھے سوچنی تھی کیا۔
 اس کے چاہے۔ یہ بعد ایک میں طرح طرح نے
 وہوں میں کمرہ کھڑا ہوا اور جیسے کسی سے مجھے
 نوکا۔ اس ضمن ڈاکٹر سے ایک اور بات بھی توئی
 ہے۔ جس کے تمام دور اور اندیشے ثانوی
 ہیں۔ دوسرے لئے میرے پاس فصل کے ہسٹری
 چاہ بہت ہے۔ فصل کے چرے پر کون کے
 آجرتھے۔ میں نے بہت دھمکی دیا میں اسے
 پکارا۔ اس نے پیشانی تنگ اور چلوں میں جھپٹ
 ہوئی۔ اور پھر میں نے آہستگی سے میرا شانہ جھک
 کے مجھے منع کیا۔ مجھے اس کی مدد بہت بری لگی
 اور میں تاج کتاب کھڑے رہ گیا۔ کوئی اور سامنے ہوتا
 تو شاید میں اس سے ٹکڑ پڑتا مگر وہ سہرا میں لگی
 شام گل کے مانند۔ راتیز آوار میں پت کرتے
 ہوئے ڈر لگے، شام ٹوٹ نہ جائے، پھول نملا۔
 چاہے

وہاں سے بہت کے میں صوفے پر آ گیا چو
 دیر بعد اپنے کاموں سے ممت کے وہ بھی میرے
 پاس کے بیٹھ گئی۔ انھوں تک چپ رہی پھر ایک کے
 ہوں۔ سچ تو آپ سے کوئی بات ہی نہیں
 ہو پائی۔

میں سے سکرے کی روشنی کی اس شہر
 احساس سے یہ رعایت غنیمت جانی پسو بدل سے
 دل سیر تک میں جاتی "کل رات ہسپتال میں۔ یا
 ہو گیا۔ انھوں نے بے پرواہ ہو گیا۔"

"تم جانتی نہیں تھے اس میں۔ پوچھا
 "ہسپتال میں لگی سے جانتے تھے کہ
 سے اس بھری آواز میں بتایا۔ کل رات ہی تو وہ تھا۔
 ڈیوٹی ختم کر کے جا رہی تھی کہ آہستہ آہستہ ہو گیا
 بہت منع کیا، نہیں مانا، بڑے دروازے تک مجھے
 پہنچا دے گیا۔ بڑا دل چاہا، زردہ دل و جوں تر
 وہ۔ میری اس کراچی دکان میں یوں بیابا وہ بھی
 کا دوست تھا۔ ہر کسی کے کام کے لیے تیار ہر وقت
 ہوتا، مسکراتا رہتا۔ کل رات وہ تھا ہی نہ وہ تھا
 کوئی صحت مند اور خوش باش شخص ہو سکتا
 ہے۔ ایک رات میں یہ یاد ہو گیا۔"

"ایک رات یہ دوسرے ملک کی خبریں۔"
 میں نے جی۔ کہ۔ "نہیں یہی کچھ ہے۔ کون تم
 سے پہلے چاہا ہے گا، کسی سے پہلے نام چاہا ہے میں
 گئے۔ پہلے وہ بعد کو توں۔ ہاتھ نہیں مھوم۔
 انھوں نے کی بڑی شہری میری رشتہ دار ہے۔
 خوب صورت، بڑی چمکی لڑکی۔ وہ دواں ایک
 دوسرے سے محبت کرتے تھے وہ دواں کے
 خاندان میں ایک دور کا کون تعلق نہیں تھا۔
 بڑی مٹی کہانی ہے۔ سیدنا نے آہ بھر کے ہوں۔
 کہانی کہانی۔" میں سے محسوس سے چو گیا۔

"شیر کی گلاب تھا جس عجیب مندی طبیعت کا
 آدمی تھا شیر کی۔ کچھ نہیں کہی نہ میں نہ لگی۔
 آپ نے اپنی اگلی بی بی پرورش کی اور دوسری
 شادی بھی نہیں کی۔ کہیں یہ وہ کے ساتھ شیر
 بڑی بھی اور بڑی سمجھ دار تھی۔ چھوٹی عمر میں ہی
 کے رشتے آئے۔ لگے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ تم اس
 بیٹی کو جدا کرنا نہیں چاہتے تھے، رشتہ منسوخ کرنا ہوا۔
 اس دواں ایک لوجن شیر کی سے بچہ قرب ہو گیا

تھی۔ شیریں بھی اسے پسند کر رہی تھی۔ وہ تھا جس کے گھر سے جا کر آتا تھا۔ شیریں سے شادی نہ ہے اس سے باقاعدہ درخواست کر لی تھی اور تھا جس سے نکاح نہیں کیا تھا۔ ایک ایک روئے جواب آیا غائب ہو کر نہ تھا نام و نشان نہیں ملا۔ اس کے والدین یہاں شہر میں رہتے ہیں اب ڈیڑھ سال ہو گئے ہیں۔ سب سے آج تک شہر کی وادی کی راہ تک رہے ہیں۔

شیریں کا تھوڑا سا نام تھا۔
 گیا کے نام سے میرے بڑے بڑے چاہے پر سیورین سے چونک کے پوچھا۔ "سپ کا خلق بھی کیا ہے؟"

کیا ضروری تھا کہ میں اقرار کروں۔ میں نے جانتی "دار میں کہا کہ یہاں شہر میں میرے عزیز رہتے تھے۔"

سیورین ایک صاف دل لڑکی تھی، بھراؤ نہیں کی اور مجھے بتا دیا کہ اس نوجوان کا نام ملی لڑا جوں تھا۔ سب سے جونی کہتے تھے۔

مجھے شبہ ہو گیا تھا کہ میرے سکوں در کاغ کے وقت کا کون سا مگر ہو۔ وہاں بہت سے عیساں طبع تھے۔ چائے کیوں مجھے اس کا نام دے کر ہے چھٹی ہوئی تھی۔ مجھے تو گیا چھوڑے ہوئے رہا ہو گیا تھا۔ میری دھڑلہ لڑی سے سیورین لکھی گئی۔

پھر سب سے "وہ" یہاں پہنچے میں کیوں رہتا تھا؟ "میں سے پوچھا۔
 "ڈاکٹری کی تعلیم کے لیے اسے یہاں داخلہ ملا تھا۔ یہ چنانچہ مگر تو کسی کاغ سے است سے۔
 پھر کیا ہو؟"

میں جواب نہیں دے پا رہا تھا۔ شاید سرائی کی ایک رات کے کچھ گھر میں آگ لگ گئی تھی۔ اس سے کئی مکان لپٹ میں آ گئے۔ لڑنے سے بھرے پڑے خاندان میں صرف اس کی ماں باپ جو بری طرح محسوس کی گئی۔ یہ رات میں سے لڑکی رہی اور نہیں بچا پالی لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے تھے۔ کوئی شہادت نہیں تھی کہ قحاس اتنا بولے گا اور نہ کہ بھی ہو سکتا ہے، وہ بھی اپنے ہی خاندان کے لیے نہیں لوگوں کو دہم دیتی تھی اور شیریں کے رشتے آنے بند ہو گئے۔ قحاس سے لوگ کنارہ کش ہو گئے۔

مجھے سپ دیو کے سیورین کو میری غار کاٹری کا اس کا نام تھا۔ وہ تنگ کی گئی۔ "میں نے وہاں سے نہیں ملے تھے۔ وہ شرمیلی سے ہوں۔" سپ بھی کہہ رہی تھی۔

نہیں، وہاں نہیں۔ میں پوری فوج سے دور ہوں۔ "میں نے نہیں سنا۔" چھر شیریں، ستونی کو اس طرح بتائی۔

"وہ بہت بدلتا رہتا ہے۔" سیورین نے یہی سے بولی۔

میں نے حیرت کا اظہار کیا تو میری طرف سے چھٹی کی دہائی نہیں اس کے دماغ سے دور ہوئی میں اس سے کیا کہتا ہے میں سن بھی رہا تھا اور جا رہا تھا کہ کب کب تنگ ہو گیا تھا۔

"میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ گئی۔" وہ سب سے رام پر کا کوئی جواب راہ کی کام سے چٹا آیا تھا شیریں اس وقت کاغ میں چڑھتی تھی۔ وہاں راہ سے کہیں اسے دیو لپٹ شیریں کے کو اہل حاصل کیا جواب کے لیے کہ "میں بولوں گے کسی طرح اس سے قحاس سے رابطہ کر گیا۔ یہ رابطہ چھینے دینے گھر سے مراسم میں بدل گیا۔ قحاس کی دلچسپی کے لیے وہاں سے ختم تھا قحاس کی بارش سرائی تھی۔ قحاس اتنا خوش حال تھا کہ ایسا بد حال۔ ایک رات

سے وہ کسی بڑے گھر سے اس کا مستحق تھا۔ سب سے گورا اس کی بات اور دیکھ بھال کا بڑا اہل تھا۔ حد سے زیادہ اعتماد کرتا تھا۔ اس کی وجہ سے چٹا کے نواح میں قحاس کو بڑا چاہ میں کر رہا تھا۔ سب سے کچھ دوری رہیں لگی تھی۔ اس کی ترنی ہوئی اور وہ کھلتے چلا گیا اس نے قحاس کو کبھی ساتھ لے جانا چاہا۔ قحاس سے معذرت کر لی۔ چٹا اس کا آپاں شیر تھا۔ اپنے گھر سے اس کی بے شمار یادیں دست لگیں۔ یہاں اس کی عزیز ترین بیوی رہتی تھی۔ اور شیریں تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ کلکتا شہر کی گلیوں اور آخری اس کے حراج سے متاثر نہیں رہتی تھی۔ اسے اپنی شیریں کا بھی سنا تھا، کھینچے میں وہ کہیں کم ہو جاتا۔ شیریں کی رہتی تھی۔

نواب راہ کے پاس یہاں نہیں تھا۔ سب سے اس کی جدو جہد اور اثر و رسوخ۔ قحاس بہت متاثر ہو گیا تھا۔ وہاں یہ دکھار کو چاہے گئے تھے۔ نواب راہ وہاں باپ بچی کو اپنی رہا ت اور زمینوں پر۔ کہا۔ شیریں کا کچھ بھی نہیں اب اس نے راس پر اور اپنی ماں و میرہ میں گزار دی۔ شیریں نے مجھے بتا دیا تھا کہ اس کا باپ وہاں بہت عزت کرتا تھا مگر ایک ماں وہاں سے شیریں کے لیے ہے بے پناہ جذبات کا اظہار کر رہا اور مست کی کہ وہاں بھر کے لیے وہ شیریں سے رفاقت کا تردد رہا ہے۔ نواب کو اس حقیقت کا علم تھا کہ قحاس اپنی بیٹی کی جدائی کے خیال سے آرزو ہو جاتا ہے۔ وہاں سے قحاس کو اپنے ساتھ رہے۔ شیریں کے لیے ایک ایک گھر اہل سب سے ایک گھر ہے۔ لی چٹا شہر کی گلی اور وہاں کیا تھا کہ اس کی بیٹی اور آخری شادی ہوئی۔ قحاس کی کوئی شرط ہو یا وہ کچھ اور تحفظ پاتا ہو تو کھل کے جاتا۔ مہذب و طاقت پسند، خوش لباس اور فائدہ گزار میں خوش ذوق، مصوری اور موسیقی کا دلدادہ، بے اندازہ دولت کا مالک اور لہجہ بہت عکس حراج نواب راہ سے نے آگس فورڈ میں اعلیٰ

تعلیم حاصل کی تھی اور مشرق کی محبت میں وہاں کے دلالت سے، وہاں تھا وہاں اور سب سے سبب شخصیت کا حامل تھا۔ کوئی بھی بڑی سرائی رفاقت پر باز نہ کرے۔ وہاں سے واسطی براہ اختیار سے بہتر زندگی کی ضمانت تھی۔ وہاں کا حال یہ تھا کہ وہ شیریں اور اس کے باپ کے لیے کچھ بھی چاہتا تھا۔ اتنی بڑھیں، اس قدر تپا کہ سے کوئی سنگ دل سے سنگ نہ بھی چھل جاتا۔

سیورین سے رک کے ایک نظر میری طرف دیکھا۔ وہ جیسے میرے انہماک سے مطمئن ہو کے ڈوب ڈوبی "دار میں کہے گئے۔" شیریں کو تو یقین تھا کہ اس بار اس کا باپ شاید نکاح نہ کر سکے۔ قحاس نے یہ مقصود اظہار کیا کہ وہ بے بسی ہے۔ دور جے میں بھی نواب راہ سے سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ نواب سے کہا کہ اس کے مذہب میں عیسائی عورت سے شادی کی اجازت سے وہاں کوئی ایسا کٹر مذہبی آدمی بھی نہیں۔ شیریں کو اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے میں کون حثیت نہ ہوگی۔ سے شیریں کے مذہبی معادات و مشاغل سے بھی کوئی غرض نہیں ہے۔ سے شیریں چاہیے۔ اور اگر ایسا ہی ہے تو وہ اپنی ماں دوست شیریں کے نام کرنے کے لیے تیار ہے۔ وہاں راہ کی تمام تر یقین دہانیوں اور ضمانتوں کے باوجود قحاس لیٹ اٹھ کر رہا۔ صرف کار بھی اس کے بس میں نہیں رہا تھا۔ وہ جتنا نواب سے کٹر ہے کی کوشش کرتا، وہاں سے شدت اتنی بڑھتی جاتی تھی۔ قحاس ان دنوں بہت پریشان رہنے لگا تھا۔

سیورین کہہ رہی تھی۔ "شیریں سے اسے بتا دیا تھا۔ نواب چاہتا تو کسی اور طرح اس کے باپ کو مجبور بھی کر سکتا تھا۔ نواب کی ریاست اس کے دل کے لیے میں تو م کے دور میں شیریں اس کے روادار کی شانہ بھی۔ خدام کی ایک فوج اس کے اشاروں کی منتظر رہتی تھی۔ نواب نے ایسی کوئی کاروائی نہیں کی۔ کچھ

کس وجہ سے بھی وہ نوب کا احترام کرنے لگی تھی۔ شیریں کے بچوں کو اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی نوب کے ساتھ لے آئے اور اسے خوب دیکھنے شروع کر دیا۔ یہ نئے نگرش کا پچھلے کی طرح تھا۔ شیریں کے بچے جیسے کہ اس سے یہ سوچا کہ تھا۔ دنیا کا دستور ہے، بچوں کا گھر باپ کا گھر نہیں ہوتا۔ پھر ایک روز قہاس کو کیا سوچا۔ وہ شیریں کو ساتھ لے کے گھلتے چلا گیا اور چند روز بعد واپس آگیا۔ گھلتے سے لے کے بعد اس نے نوب سے کہا کہ وہ شیریں کا بھائی سہل میں ہو جانے تک کی مہلت، تنگ نہ رہے۔

”پھر وہ بچہ پانی نہیں رہا۔“ میں سے ہے سائنس کیا۔

سیورین کی بڑی بڑی آنکھیں پھیل گئی۔

”نوب کی بچہ بچہ سارا کچھ سننے کے بعد“ میں نے سر ہلکے میں کہا۔ ”ب یہ مت کہنا کہ یہ اسی ہو۔“

”مگر یہی ہو۔“ سیورین بھی بھی آواز میں بولی۔ ”نوب کو اس کی زمینوں والے مکان میں کسی سے گون، روری۔ یہاں تو میری نہیں آتی لیکن بچے میں نوب کے چند دوست قہاس اور اس کے رور فردوس مرحوم سے وقت تھے۔ تحقیقات کرتے کرتے ہمیں قہاس کے پاس آگئی۔ نوب کی موت کے وقت قہاس نے بچے میں تھا۔ پوچھیں سے خاصا وقت صرف یہاں رہا کچھ حاصل نہ کر سکی۔ نوب رادے کا قہاس جلدی پر نا ہو گیا۔

پھر یہ انھوں نے اس صورت حال میں انھوں کس طرح“ میں سے بے چینی سے پوچھا۔

”کچھ، شیریں نے اپنے آپ سے مانا توڑا۔“ سیورین نے آواز ادا دھند کی جیسے لگی کہ شیریں نے نکل پے آپ کو ترک کر دیا تھا۔ وہ خاموش خاموش رہے لگی وجہ اس لئے کہ بہت جواب دیکھی

میں۔ شیریں۔ میری کھڑکیوں دروازے سے نہ کر پئے تھے۔ جب جب کاغذ چلی اور صراحت اس آجین سرکسی سے کوئی رسم دروازہ نہ تھی۔ کاغذ۔ سرگئی جو بھی اس کی ایک نگاہ خوش ادا کر کے۔ فرار رہتے تھے، کچھ کچھ نہ بنے تھے۔ جس لڑکیوں کے یوں بھی فسادے نہ جاتے ہیں۔ یہی لڑکیوں کی۔ اس زیادہ بھٹکا ہے کاغذ سے گھر گھر سے کاغذ تک لگی کوچوں سے گزرتے ہوئے لوگوں کی نگاہوں سے واسطہ توڑتا ہی تھا۔ نوب کی موت کے بعد شیریں کی رور تک کاغذ پس گئی تھی لیکن سر بھی اسے کاٹ کھائے روز تھا۔ یہی مصروفیات کا کوئی بہتو بہر حال تھا۔

اس گزرتے تھے۔ اور ایک روز انھونی دیوانہ طرح سے آگے کھا ہو گیا۔ دل سے بات۔ سر ہلکا انھونی ملی اعتبار سے کم تر تھا میں دل کا۔ امیر۔ سیورین کے بعد گرجو بنش کے بچے اسے شیریں کے کاغذ میں داخل کیا تھا۔ یہاں اس سے پہلی بار شیریں کو دیکھ اور پاگل ہو گیا۔ بچہ اس نے ساتھیوں نے اسے شیریں سے دور رہنے کی نصیحتیں کی۔ انھونی کی وارفتیاں شیریں کو متاثر نہ کر سکیں۔ شیریں اپنے آپ سے کسی توڑ سے ہی تھی۔ جواباً میں انھونی کو وہ اپنی بدستجوئی اور عمر میں کا قصہ جانا نہیں چاہتی تھی۔ انھونی میں دل داری کی دلی خودیوں تھیں۔ شیریں کی سسکوں پہلو تھیں۔ حد سے زیادہ بے کسی پر دل برداشتہ ہوئے کے بجائے وہ چمکا اور دیوا۔ ہوا شیریں۔ ایک بار تو اسے بری طرح دھکا دیا تھا۔ حالانکہ یہ بھی وہی اس کے حراج کے برعکس تھی۔ بہت قدم انھونی، تیرہ کی رندی میں وہاں اس کی کوششوں میں جتا رہا۔ شیریں کو خود پر مسلط کیے ہوئے جبر سے تنہا تو بہت محسوس ہوتی ہوئی۔ جبر شعوری تھا غیر شعوری طور پر کسی چناؤ کی سہارے کی ضرورت تو اسے محسوس ہوتی چاہیے۔ انھونی اپنے انداز، اپنے انداز

پر وہ انداز نہ کر رہا۔ شیریں کب تک اپنے آپ سے روٹتی رہتی۔ انکار کو بھی ایک تاب حقارت چاہیے۔ وہ تو ایک دل گیر، ایک ناواں لڑکی تھی۔ اس نے انھونی کے آگے یہ ڈال دی۔

سیورین بددعی تھی کہ شیریں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ناکام ہونے کے لیے انھونی نے اس کی جانب قہش قدمی نہیں کی ہے اور وہ دوسرے لوگوں کی طرح عرصہ تک ہے وہ وہ لکھتا اور ہے مگر جیسا کہ لوگ کہتے تھے، شیریں کا باپ اس کا شفیق باپ کوئی شہادت نہیں تھی کہ اس کا باپ ہی اس کی آرزوؤں اور خواہشوں میں رکاوٹ بنا رہا ہے۔ یہ شخص ان ہونیوں کا ایک سلسلہ بھی تو ہوتا ہے۔ اس کا باپ ایک نجر۔ کار۔ ہوش مند اور پڑھا لکھا شخص ہے۔ شیریں کی ماں انھیں میں اسے چھوڑ گئی تھی۔ اس کے باپ سے اسے بھروسہ چھنا تھا، وہ تو شیریں کے بچہ ایک سایہ، کوئی ستوں بنا رہا ہے۔ شیریں کی قسمت حجاب ہے تو اس کے باپ کا کیا تصور۔ کوئی باپ اور قہاس جیسا باپ اپنی بیٹی کے لیے کیا برا چاہ سکتا ہے۔ یہ شارک میز جواروں کے ہاں جو شیریں کو چھین بھی نہیں آتا تھا۔ اس نے انھونی سے گزارش کی کہ ہنر کی ہوگا کہ اس کے مراسم کے احوال سے قہاس بے خبر رہے۔ انھونی کے بچے کی کیا کم تھا کہ اس کی کوششوں کا کیا نہیں میں۔ شیریں کا چھر کی طور چھوڑ تو سکی۔ بالآخر اس کے اندر سے وجود میں کوئی جوت بھی تو سکی۔

وہ ایک دوسرے سے بچتے رہے اور انھوں نے ہانا کہ وہ دونوں تو ایک دوسرے کے لیے بے ہیں۔ وہ تو کب سے ایک دوسرے کی تلاش میں تھے۔ وہی تو ایک دوسرے کی سرس ہیں۔ وہ انھونی ہی تھا جسے شیریں دھوڑ رہی تھی اور وہ شیریں ہی تھی جس کے بغیر انھونی احوال تھا۔ یوں سوچتے تو برا کیا آدمی اور وہاں ہوتا ہے اور کوئی دوسرا ایسی کا، جو مکمل کرنا ہے اور وہ دوسرا قسمت سے کسی کی کوٹا ہے۔ کبھی

کسی کو کوئی نہیں مل پاتا اور زندگی یوں ہی اندھیرے پلکان میں گزر جاتی ہے۔

شیریں بھی سیورین کے کاغذ میں بڑھتی تھی۔ شیریں سے بہت بعد کو کاغذ میں دھند پڑا۔ دولوں خدایوں کا رکھی حادہ کی شفیق تھا۔ شیریں کے کاغذ میں آج سے کے بعد وہ ایک دوسرے سے بہت قریب آگئی تھیں۔ نوب کے بچے کے بعد شیریں، سیورین سے لڑ رہا کش رہنے لگی تھی۔ سیورین نے اس کی دل جون کی کوشش کی تو شیریں سر جھکا کر رو گئی۔ سیورین سے پہلے تعظیم مکمل کر لی تھی۔ کاغذ سے رخصت ہوئے کے بعد وہ ایک دوہا شیریں سے ملنے اس کے گھر تھی نہیں شیریں سے اس جیسے بچے نے شفیق کی رسم بھائی اور سیورین سے اس کے گھر جانا بند کر دیا۔ وہ تو جب شیریں انھونی سے دست ہوں تو اسے سیورین سے اپنی بے وضعی ہے سولو کا سہا ہو۔ وہ خود سیورین کے گھر آئی اور دولوں میں جوش اور جذب سے رہنا مقصد بنا ہوا۔

انھونی نے شیریں کی خواہش کے مطابق سر ممکن اختیار کی تھی لیکن کب تک ایک روز نوب کے خلاف شیریں کی فکری رپورٹ لینے کے لیے قہاس اپنے دوست کاغذ کے پر پل کے پاس ٹپکا گیا۔ وہ اپنے وقت کاغذ پہنچا جب بھی ہونے والی تھی۔ شیریں اسے اداس نظر نہیں آئی۔ دن کی آخری کلاس میں اسے کلاس میں ہونا چاہیے تھا۔ پر اس سے ملاقات کے بعد قہاس سے تاش کرتا ہو کاغذ کے ک کوٹے میں جانا جہاں شیریں اور انھونی ایک دوسرے میں کم تھے۔ قہاس سے دور سے انھیں پہنچا تھا مگر وہ اس کے قریب نہیں گیا۔ شیریں اور انھونی کو چھ حساس۔ ہو کا کا قہاس اس کا گھر سے۔ کوئی اور باپ ہوتا تو وہاں سے چلا جاتا لیکن وہ قہاس تھا۔ وہ اس دولوں کے باجی رو ہدا کا اندازہ کرتے سے یہی جلد بھر۔ پھر بہت آہستہ آہستہ کے پاس میں اسے سر پہ کھڑے کچھ کے دولوں پر ہوا

تھے۔ تھمس سے اس سے پچھنیں کہ، ایک لفظ بھی۔ وہ تیری دعا تھا لے کے صر چلا گیا۔ تیری سے بھی اس سے کون کد نہیں کیا۔ دونوں باپ بی بی سے ایک دوسرے بھی دیکھی آواز میں بات نہیں کی تھی۔ دوسرے دن تھمس سے تیری کو کاغذ جانے نہیں دیا لیکن خود کاغذ چاہے پرس سے انھوں کو کاغذ سے نکال دینے کا مطالبہ کیا۔ یہ بات اسکی نہیں تھی کہ انھوں کو کاغذ سے نکال دیے کا جواز تھی۔ پرنسپل سے انھوں کو متنبہ کرے گا وعدہ کیا۔ تھمس نے پھر خود تیری کے ساتھ کاغذ آنا چاہا شروع کر دیا۔ وہ کاغذ حصے اور بند ہوئے تک اس پاس مندرجہ تاربت میں وقت پر تیری کو کھڑے جانے کے لیے تھیں سے گھر رہو۔ تھمس نے تیری کو پھر نہ حال کر دیا تھا۔ تیری سے یہ کہتے سے تھمس سے کہ لیے انھوں کو دور دور رہے کی حمایت کر دی تھی۔ انھوں چھوڑا تک تو برداشت نہ کر پا رہا تھا۔ اس سے جرات نہ دی، ایک شام تھمس کے صر چلا گیا۔ وہ اس سے کسی رو فتوح کے لیے تیری سے چھوڑی کا دعو کر دیا۔ تھمس نے تمام تر برداری اور عمل سے اس کی قسم کے رائل کا خطہ نہیں کیا۔ انھوں سے اسے خطاب کہ تیری کی مرضی تھی۔ یہی ہے۔ ان دونوں نے ہمیشہ ساتھ رہنے کا وعدہ کیا ہے اور وہ تیری کے حصوں کے لیے کچھ بھی نہ کر سکتا ہے۔ مناسب ہوگا کہ تھمس اس دونوں کی خوشی کی خاطر ہاں کر دے۔ انھوں کا تہو سر کشا تھا۔ تھمس کو یقیناً ناگوار ہوا ہوگا۔ جواب میں اس نے منامات سے کہا کہ سے سو پے کا وقت دیا جائے انھوں کے پاس کیا چارہ تھا۔ وہ پھر سے اور بچے سے تو تھمس سے، نرا نہیں کر سکتا تھا، دوبارہ نے کا کہہ کے ناشاد نامہ اور اپنی چلا آیا۔

تیری بہت خوف زدہ تھی کہ اس کے باپ سے ایک بار پھر مہلت طلب کی ہے۔ خدا خیر کرے۔ اس نے اپنی راز داری سچو رہیں کے توسط سے انھوں

کو اپنا خیال رکھنے کی تاکید اور مردست خاموش رہنے کی تلقین کی۔

انھوں سے اس کے بعد صبر آزمائی وقت گزارا۔ تھمس عرصے سے سرکاری خدمت میں تھا اور اپنے گھر سے انھوں کا ٹھکانے بنادیا ہوا ہے کے جس میں طویل رحلت لے لی تھی۔ پرنسپل اور دیگر سرکاری حکموں میں اس کا اچھا اثر و رسوخ تھا۔ بھی واقف تھے کہ اپنے میں ایک مدت سے نصیحت گورے اس کے وہ کس قدر پندیدہ و سخت تھا۔ تھمس نے انھوں کو کاغذ سے نکلنے کی کوشش جاری رکھی اور ناکام ہوتا رہا، اپنی پرس کو مجبور کر کے تیری اور انھوں پر صرح طرح کی سختیوں، پابندیاں عائد کر دے میں کس کا مایاب ہو گیا۔ پرنسپل سے دونوں کو خبر دار کر دیا تھا کہ پندہ تیری کے باپ تھمس کو کوئی شکایت نہ لی تو دونوں کو کاغذ سے قاری کر دیا جائے گا۔ دونوں اور اس سے کس ایک دوسرے کی صورت دیکھتے اور دیکھتے رہا تھا۔ بات کرنا تو دور کی بات ہے، وہ تو جب بھی نہیں آتے۔ ان کے گھر سے رہا ضبط پر تھلا جائے واسے کاغذ کے بعض شور و پشت کا لب علم سبھیوں کو انھیں ستانے اور رنج کرنے کا ایک موقع ہوا تھا۔ انھوں کی عظیم حائر ہو گئی۔ کاغذ میں اس سے ہم دردی رکھنے والے دوست بھی تھے۔ اس کے ذریعے برائے نام نامہ و پیام کا سلسلہ ممکن ہو گیا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو آہستہ آہستہ کا یہ وقت گزار جانے کا ارادے اور اپنے غلام، اپنے جہد کا اعادہ کرتے رہتے تھے۔ ان کی ناقص درمی کار کردہ پر ایک دن پرنسپل سے دونوں کو لگ بھگ جواب کر کے سخت ست کیا۔ تین دنوں کا کہیں دل نہیں لگتا تھا، انکس میں کتا ہو میں، گھر میں، نہیں بھی۔ دونوں کو گروہ پیش کا کچھ ہوش ہی نہ رہا تھا دور ہو جانے کے بعد وہ ایک دوسرے کے در قریب ہو گئے تھے۔ جہاں ہو میں و اور قیامت

تھی۔ میرا گھر میں بدبو تھی۔ کالج میں بیہودہ
 دیکر ایک رعایت کی وہ بھی نہ رہی۔ پاپر انٹرویو
 نے شیریں کے گھر کے گرد چکر کاٹنے شروع
 کر دیے۔ انہیں کسی کھڑکی، روزانہ کسی دہانے سے
 شیریں کی جھلک دکھائی دے جائے۔ انٹرویو محلے
 وں کی نظروں میں نہ آتا تھا۔ تھامس کی شکایت پر
 پولیس سے تھا۔ بے بسی۔ پاپس کو جو رشتے کا
 بننا تھا وہ دوسروں کی محاف ہوتے ہیں۔ کئی
 دسایک وہ جو دسہن کی شکل کرتے رہے کئی دسایک
 انہوں نے انٹرویو کو روکے رکھا اور ایسی حالت
 کر دی کہ دوپارہ اسے چاروں پہ کھڑے ہوتے ہیں
 کئی اب ملگ گئے۔

انٹرویو ہے آپ سے مجبور تھا۔ اس نے پھر
 حوصلہ کیا۔ اسے آواز اور دوسو انہوں کے بعد تھامس
 اسے بے گھر دیکھ کے حیران و حیران تو ضرور ہوا
 ہوگا لیکن اس نے خود کو قابو میں رکھا اور بھید کی اسرو
 مہری سے پھر نگار کر دیا۔ اس مرحلہ پر اس نے وجہ بھی
 بتایا کہ انٹرویو اس کی ماہر تھی اس کے لیے کئی طور
 اہل نہیں ہے۔ پہلے وہ چوڑے دھڑکے انہوں نے تعلیم میں
 کرے۔ انہیں مارمت یا کوئی معقول کاروبار
 کرے تب تھامس کے پاس آئے، تھامس ہم
 رومی سے خود کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ یہ بڑی کڑی
 شرط نہیں تھیں۔ دیوانوں سے کہا جائے کہ وہ ایسے ہی
 دیو تھی چھوڑ دیں۔ دیو تھی کا سبب بھی تو پیسہ دیکھا
 ور رہا کہ جائے۔ دیو تھی میں انٹرویو ہوش و ہوس
 سے ورے گاں ہوسے گا۔ بے نیکی ڈرگوس حالت
 یہ کہ اس کے ہاں تھامس کی خدمت میں
 خود حاضری دی۔ وہ تھامس کو راسی کرے کے لیے
 پٹا کے کی۔ ٹروٹ کو کو بھی لگا میں ۱۱۔ وہ لوگ
 تھامس کے پاس گئے اور انٹرویو کی شرکت کیا،
 بدست۔ جوں سہی اور شیریں سے اس کی والدہ۔
 کشمکش اور شہدائیت کے واسطے رہے۔ تھامس کسی
 سے کہہ رہا

کہ شیریں، تھامس کی اگلی اولاد، وہی اس کی
 جائیداد کی اصل وراثت ہے اور شیریں کے سسر کی
 مالی حالت اتنی چمکی میں ہے۔ شیریں چھوٹی سہانہ
 لے کے سسرال کے حریفیں بنی ہے۔ اسے اختیار تھا
 وہ تھامس کا حلیہ قبول کرے یا مسترد کر دے اس
 نے آدمی طبیعت شیریں کو دیا جس کرنا چاہی شیریں
 نے پادری کی پیشکش منظور نہیں کی۔ پادری نے
 اپنے نامیہ سے صلاح و مشورہ کر کے تمام تر چاہنداد
 شیریں کے حوالے کرے کا فیصلہ کیا شیریں نے اسے
 بھی مسترد کر دیا اور انٹرویو کے ساتھ مسرت کی ردی
 کو ترجیح دی۔ اب انٹرویو کے جانے کے بعد گھر میں
 صرف ایک مرد رہا ہے۔ انٹرویو کا چھوڑا بھائی، اور وہ
 ابھی بہت چھوٹا ہے۔

مجھے کیا کہنا پڑیے تھا۔ کچھ نہیں معلوم تھا۔
 سیوریہ کی آواز آسوز میں ڈوب گئی تھی۔ آسو
 بڑی راحت ہوتے ہیں۔ میری آنکھیں تو آسوزوں
 سے بھی جاری تھیں۔ اب لگا تھا۔ جیسے سیوریہ نے
 جان بوجھ کر مجھے پتہ دلایا تھا۔ میں اس سے کیا
 کہتا، ایک انٹرویو اور ایک شیریں لیا، جانے کتنے
 ایسے عرصے ایک آدمی کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔
 ایک آدمی، وہی مستعد، وہی نور، وہی سرمل۔ ہر
 راستے میں انہیں وہی ایک شخص نظر آتا ہے۔ وہ ایک
 آدمی نہ ملے تو کیا مال ور، کیا حالت واقفہ کر
 علم و ہنر سب بچے، سب پھر، سب سنی ہے۔ ایک
 آدمی ہی بھی کسی کے لیے سب سے برا خزانہ ہوتا
 ہے۔ وہ خزانہ مل جائے تو اسے اپنی زندگی مل جاتی
 ہے اسے دنیا مل جاتی ہے ایک آدمی، ایک آدمی
 کا حاصل، بانی سارا کچھ ہے سنی، بے جوار
 لا حاصل۔ اس لیے کہ ہے اور یہ ہے یہ سب کچھ یہ
 کچھ وہی غماز ہے جو اپنے مطلوب کے مدد کا
 اسیر ہے اور مطلب اس کے خدا کا۔ وہ جو وہ
 آدمی، ایک پیروں، ایک دھوکے سے نظر آتے ہیں،
 وہ تو ایک ہی ہوتے ہیں ایک کے بغیر دوسرا

تھامس، پتا بھی نہیں، دوسرے بھی نہیں۔ رکی
 تکمیل تک چوں کہ صورت ہی میں نہیں ہوتی ہے۔
 شیریں تو سر چاہے گی۔ سیوریہ میں ملتی تیار
 میں ہوں۔ اس کا تو ب کوئی نہیں۔ وہ نوٹ لگی
 ہے۔

”تم تم اس کے پاس چاؤ تو کہنا کہ زندگی
 میں تو شہ، جی سہیہ پادری کرنی رہتی ہے۔ کچھ یا
 نہیں ہے۔“ میں نے سنی سے کہا۔

”اس کے پاس جانے کی ہمت نہیں ہے مجھ
 میں۔“

”جس میں تو پادری سے ریہہ اس کے پاس ہونا
 چاہیے۔“

”میں چلی گئی لیکن ڈاکٹر نے وہ
 بہت سخت دہی ہیں۔ کچھ بھی ہو جائے زمین ہاں
 جائے، اس چھٹ پڑے، ان کا حکم ہے کہ پادری
 ص صر ہو۔“ سیوریہ باتوں سے ہوتی۔ اور ان
 سے اجازت بے سنی گئی تو وہاں چا کے کیا کرنی،
 شیریں سے کیا کہتی، سے کہا دلا ساری کہ انٹرویو
 وہاں آجائے گا۔

”کوئی دہاں نہیں۔“ تاکہ جو لوگ موجود ہیں،
 جو بے ہیں، وہی دکھ درد دھاتے ہیں۔ ان کی
 موجودگی میں دل سا ہوتی ہے۔ ورڈاکٹر رائے سے
 سخت آدمی بھی نہیں ہیں۔

”مگر میں۔“ مجھ سے شیریں کی حالت دیکھی
 نہیں جائے گی۔ میں نے وارڈ بوائے سے پوچھا
 تھا۔ اپنا تھا کہ وہ تو کچھ بولتی ہے نہ سنی ہے، نہ نہیں
 بھوکاں سے کسی کو پھینک دیتی ہے، وہ نہ۔
 سیوریہ پھر سسکتی گئی۔ یہ انٹرویو کی صورت
 سنی اسے ان لوگوں کا چپچپ کرے کہ بالکل
 بالکل آدمی تھا وہ۔

میں چپ رہا۔
 شیریں کے بے انٹرویو تھامس کو پسند نہیں
 تھا۔ وہ تھامس کو پسند نہیں آتا تھا، اس کا بھی عام

ہوتا تھا۔ تھمہ کی دھ تو بے غل ہوگی
 پورس سے ہر اڑام راج پر دل دیا تھا
 یہ دوس کا دھ بھی سوس سے خوب چسک کر رہا
 ہے۔ سے ہر معلوم تھا۔ رہا ایک چاقی تھی کہ وہ
 لوگ، رست کے آخری پہرے۔ اسے دیکھ کر
 ار اسے اور کسی جواب سے نہ تھے غلطی تو
 چار رہ گئی۔ میں چٹائی میں نہ ہوتا تو وہ ہنگام اس
 طرف کا رخ کیا کرتے اٹھوئی میں بڑا جوش اور
 چد رہ تھا۔ سے یہی کرنا چاہیے تھا۔ اس کی جگہ میں
 ہوتا تو یہی کرتا۔

”تم شیر کی کے پاس جاؤ تو“
 میری بات پوری ہوئے سے پہلے سیورین
 اذوقی، آرمیں یوں۔ ہاں میں جواب نہ کر کے
 پاس مجھے بانہا دی گئی۔
 اس سے کہا کہ انھوں، اہل نہیں۔ سن
 اٹھوئی کی دوہوں اور پھٹی کی ڈسے داری ہے اس
 پر۔ ابی اب گھر سنہاں سکتی ہے۔ وہ ایک چمکی گامی
 ران ہے۔ ار۔
 ”مگر شیر کی کے پاس کیا رہا ہے۔“
 سیورین مایوسی سے یوں۔ ”بڑھ گئی نہیں۔ یہ۔“
 ایک بات کہوں تم سے؟ میں سے نہ سہل
 سے کہا۔

”ہاں ہاں۔ وہ یہ تان سے یوں۔
 ایک صورت نکلتی ہو سکتی ہے۔ جو میں کہنا
 چاہتا ہوں سے خود سے سہا در پہننے کن پہنا، پھر
 کچھ کہنا۔“
 ”کیا بات ہے؟“ وہ بڑا بڑا گئی۔
 ”شیر کی کو رہ گئی گزار۔ یہ برا وقت تانے
 کے ہے اکی رقم دی چا سکتی ہے کہ کوئی پریشان
 نہ ہو۔ یہ اپنا کام کا مال بھی اس سے چسک جا سے
 گا کہوں کہ انھوں کے چسے جا سے کے بعد وہ یہاں
 یادہ رہیں رہ سکتی۔ وہ یہاں صاف خریدے گم، گم
 ”یہ وہ پانچ سہاں تک کے یہے کن بہتر گزار رہا

تھمہ کہ جا سکتے ہے اس مدت میں وہ یقیناً اس
 قابل ہو جائے گی کہ اپنے آپ بھی چمک کر نکلے اپنی
 اور صوری مہم میں کر سکے اٹھوئی۔ چھوٹے بیانی
 کی مہم اس کی ہیوں کی شادی کر سکے۔ یہ مایوسی
 کے سہارے بڑی تسلیم ہوتے ہیں۔ اور اس کی
 حالت سمجھتے تو اسے یہ بتا دیا میرا نام کی طور۔
 آئے تو من سب ہوگا۔ یہ رقم کسی وقت بھی ادا کی
 چا سکتی ہے۔ ہائی شیر کی اور اس کے خاندان کو
 اور چیر کی ضرورت ہو تو کسی اور پے سے مجھے مطلع
 کیا جا سکتا ہے۔ میرے دوست اکبر کی خال پنے کی
 میں رہتے ہیں، وہی جن کے ساتھ دو پہر ہم۔
 کھانا کھا رہا تھا۔ وہ ایک بڑے وہیل میں اور بہت
 عیس آدمی میری درخواست پر وہ تیری اور اس
 کے کہہ کی خبر گیری۔ سنتے ہیں اور تم ان معاملے
 سے الگ رہنا چاہو۔

یورپی شے عجیب کی نظروں سے دیکھتی تھی
 ”مجھے شبہ ہے ایب جو دار میں کو یہ مارا ہوا
 قوں کر۔ میں تامل ہوگا مگر اسے یقیناً انا تبا
 کام ہے کہ میری کوئی غرض اس سے وابستہ نہیں
 ہے۔ میں تو یہاں رہوں گا بھی نہیں۔ میں سے
 کہا۔ وہ آدہ ہو جا سے تو مجھے خوش ہوئی۔
 مدد سے کہنا کہ کون بھی ایسی اعانت انھوں کے
 نقصت کی تلاوی نہیں کر سکتی مگر۔ اٹھوئی میں
 ہے۔ اس کے بغیر زندگی تو گزارنی ہے۔ اور سوا
 شیر کی سے ہم رو دی اپنی جگہ سے نہیں میرا سنا چہ
 اطمینان، اسے کون کی بات ہے۔“

”آپ کیا ہمد رہے ہیں۔“ سیورین سرائند
 امدار میں جاتی۔
 ”تم سے جو سنا، اسی میں سے کہا۔“ میں سے
 پڑتی آوار میں کہا۔
 سیورین آگے چمٹا ہل سکی اور مجھ سے بھی
 چمٹا کہ چلا گیا
 اس سے پہلے کہ سیورین مجھ سے غیر ضروری

سوال کرتی، ایک طرف اٹھ کر کودنے کے میں کر سے
 سے باہر کیا اور اپنا ہل کے مرکز کی حرکت تک چلا
 گیا۔ شام کو میری صورت سے ملاقات کا وقت شروع
 ہو چکا تھا۔ صند دروازے سے مریموں کے
 دوست اور اعزاء کے آتے اسپتال میں داخل
 ہو رہے تھے۔ عمارت کے سامنے کے سڑک دروازہ میں
 دو پہر فیس بھیجیں کیس تھی اٹھوئی کی تہ میں میں
 شریک ہو۔ والے اب وہاں نہیں تھے اٹھوئی کا
 جنازہ اٹھا ہوا چکا ہوگا نکلتا ہے، انہوں سے اسے
 خاک کے پیرا بھی کر دیا ہو۔ مجھے یاد نہیں، کبھی بڑھا
 تھا، جو کچھ اس دنیا میں نظر آتا ہے، سب مٹی کی تشکیل
 ہیں اپنی طرح کی کر۔ کے بعد ساری تشکیل مٹ
 جال ہیں اور سب مٹی ہو جاتا ہے۔ اور کسی بے کب
 تھا، آدمی کی ساری بدن لڑکی کی رہتی ہوئی ہے،
 زندہ رہے گا لڑکے، دیکھتے، سننے اور بولنے کا
 فریب۔ جس کا انہو مفاہات، اس کا دین سنا اور
 پونا کیا مٹی رہتا ہے سب سا ہوا مٹی، سارا دیکھا
 ہوا مٹی، سارا بولا ہوا مٹی ہے۔ اٹھوئی کر گیا۔
 لو جراتی میں مر رہا۔ ہوا اور وقت نہ رہتا تو بھی
 مر چکا۔ لوگ اسے نہ قبرستان سے لوٹ رہے
 ہوں گے۔ کبھی جہنم بھی ہوں زندگی کی طرف
 لوٹنے کی۔ جا سکتے، صبر کامیاد آ رہے
 ہوں گے۔ قبرستان بھی کر رہا تھا ہے حالانکہ
 سارے راستے کی طرف چلتے ہیں قبرستان
 شمشان گھاٹ یا پیر غوشت یا کوئی اور۔ وہی ایک
 سوال، آدمی پیدا یوں ہوتا ہے کہ مر جاتا ہے۔ کسی
 کے پاس اس کا جواب نہیں۔ موت پر سب کا احترام
 ہوا، اس زندگی پر کیا دار، کیا افکار، کسی بات کی
 محکمت۔ زندگی سے بڑا علم شاید کوئی سک، اور کوئی
 علم مستطیل نہیں ہوتا۔

مرکز کی عمارت سے داخل طرف راہ داری
 میں جاتے ہوئے مجھے چہرے نہیں، والے بھی علم
 آئے۔ وہ ابھی تک اسپتال کے کونے کونے توں

رہے ہوئے گئے۔ کتے سارے پادہ چمت ہوتے
 ہیں اور گھوم دیتے ہیں۔ س کی نظروں میں سنے
 سے میں سے پہونکی اور دھر دھر گھومتا رہا۔ میرا
 ال گھر رہا تھا چا نہ کیوں، جیسے میں کچھ نہیں رہا
 ہوں، مجھ سے کون ہوک ہو رہی ہو کچھ ہوئے۔
 ہے جیسے۔ دھوپ کے تیار رہ گئے تھے کہ میں کر سے
 میں واپس آ گیا۔ یہ دیکھ کے مجھے اپنی گھوٹ پر
 بیٹیں میں آئے۔ ڈاکٹر نے در ایک بوجان ڈسٹر
 اٹھل کے ستر کے گرد موجود تھے اور اٹھل بیٹھا ہو
 تھا۔ ستر کے سر حائے و کلیوں سے لیک لگائے،
 سٹیکس بھی ہوئی تھیں، سیورین تجھے سے اسے کون
 مشرب پا رہی تھی۔ میں جھپٹا ہوا س کے پاس
 پہنچا۔ اٹھل نے نگاہیں گھم کے ایک ٹاپے کے لیے
 مجھے دیکھا اور لقاقت سے نظریں جھکا لیں۔ میرے
 تی میں آتا ڈاکٹر رائے کے ہاتھ پدم لوں، اس
 طرح سے مسوئیت کا فہم کر لوں۔ ڈاکٹر رائے
 اٹھل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھا وہ مختصر
 اور میں س کی ثقافت کی داد دے رہا تھا۔ معاً
 سے خیال آ رہا کہ اس سے ہمد و ستان میں کہا۔ ”تم
 ایک اچھا لڑکا جنگ دار ہے، بہت شے بہت
 تھے۔ اپنے بھائی کو دیکھا؟ سے ب بھی شہ
 ہے۔“ سحر کی جہد اس سے پھر انگریزی میں کہا۔
 اٹھل کو جواب دی کا پراکتیں تھا میں اس کا
 پہرہ میرے سامنے تھا۔ پہرہ تیار ہوا تھا کہ وہ سب کچھ
 کر رہا اور دیکھ رہا ہے۔ س کی سیورین بہت قہار
 عاصت سے سے شروہ پا رہی تھی۔
 ”کیا حال ہے سب؟“ میری آواز سارے میں
 اسے دہی تھی۔ اٹھل سے س یا تھا۔ ”گھوٹ آگھوٹ
 سے اطمینان کی تلقین کی۔“ ٹھیک تو ہوم؟ میں سے
 بدین م میں پڑ گیا
 اٹھل سے انکرواے کو اشارہ کیا تھا، ڈاکٹر
 اٹھل کو کسی صط سے دھار کر تائیں چاہتا تھا،
 سر رہا بچے کے وہ مجھے اس کے ستر سے دور سے

146 现代文学

”سہارن پور“ وہاں رہا۔ سستی پر جا تو چلا بھی ہوا۔ ایک کی سستی ہے میری کہہ کر بھی نہ سمجھیں۔ جیسے یہ کل نہ ہو جو رہا ہوں۔ اس کی کہیں کچھ ہیں۔

”وہاں کیا نہیں ہے۔ بے برادری سے کہہ۔ وہ چپ ہوئی اور میرے پاس رہی۔ پھر اس سے جو کوئی تھا کہ سراسر تو رمدی جاوے گی۔ اس کی سگھوں میں چپک چپ ہوتی اور وہ پلٹے کار عورتوں کی طرح ترچھی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے ہوتی۔“ یہ تم نے سیوریس پر کیا جا دو کر دیا؟

”کیا جاوے؟ میں نے جب کا غلبہ کیا۔“

”خبر ہے وہ کیا کہہ کے گئی ہے۔ کہہ رہی تھی۔ یہاں دوسری ہیں۔ حکم دے کے گئی ہیں کہ مجھے دلوں کا دیوں رکھنا ہے۔ دلوں پر لگاؤ رکھتی ہے۔ اور بتاؤں یہاں رہ رہی تھی وہ۔“

”کیا یہ رہ رہی تھی؟ میری شکایت کر رہی ہوگی۔ مجھ سے بچ رہی ہوگی۔“ میں نے پوچھا۔

”بکری بھوں؟“ اس نے ہنسنے کے ساتھ۔

”میں کیا کہتا۔ اس کا مطلب تھا کہ سیوریس نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ میں چپ رہا کہ خاموشی ہی سب سے موثر جواب تھی۔“

”کیا بتاؤں، کہہ رہی تھی کہ تم بہت اچھے لڑکے ہو، بہت پیارے اور دوسرے کے بڑے۔ وہ کسی کے بارے میں دیکھ کر دیتی ہے۔ کالی عورت سے اسے دیکھ رہی ہوں۔ بہت سبکی ہوئی رہتی ہے وہ۔“

”وہ ایک مہربان لڑکی ہے۔ سمجھو، ہر شہر میں۔“

”اور میں میں بری لڑکی ہوں؟“ وہ ہنس کے بولی۔

”تم۔“ مجھے بھی ہنسی آئی۔ ”تم ایک بہت بری لڑکی ہو گئی تھی۔“

”اس وقت وہاں سے پر اکبر علی خاں سوداگر ہوئے۔ کسی لمحے بھی میں اس کی آمد کی توقع کر رہا تھا۔ آتے ہی اسوں نے جیسے غور بند کیا۔“ مجھے یقین ہے چھ ماہ کی خبریں سننے کو نہیں کی۔“

”میں صوفے سے اٹھ گیا اور ایک کے اس۔ پاس چائے کے میں نے اس کے ہاتھ تیز لیے۔ اور ہندی ہندی ساری رووا دیا۔ لیکن شام کو اس نے آتے تو اسے دووں میں پہلی بار غسل اچھ کے بیٹھیا تھا۔ اس سے پھر شرواب و میوہ بھی نوش کیا تھا۔ یہ کہتے ہوئے میری آواز نکلا گئی۔ اکبر علی خاں نے مجھے بارودوں میں بھر دیا اور میرا حوصلہ فزوں کر کے اس کے یہ طرح طرح کے لفظ صبح کرتے رہے۔ اکبر علی خاں کے ساتھ اس کا ملازم رکھا بھی فنن اٹھا۔ ساتھ آیا تھا۔“

”آئے میں آپوں بولی کہ اسی چائے کی طبیعت شام کو چھ ماہ ہوئی۔ اکبر علی خاں کی آواز سے سرت ہلک رہی تھی۔“

”یہ تو بڑی اچھی بر سنائی آپ نے۔“ میں نے خوش دلی سے کہا۔

”میں سمجھا ہاں اسے۔ میں بھی ہلک کر کہ کسی طرح اس کی طبیعت چھ ماہ ہو تو ایک سالے میں ان کا عندیہ معلوم ہو رہا تھا۔“

”کیسا عندیہ؟“ میں نے تجسس سے پوچھا۔

”میری طرف دیکھتے ہوئے بولے۔“ بتاؤں گا، میرا خیال ہے، کھانا گرم سے کیوں نہ پیتے تھے۔ کٹہری کی جائے۔ اور آپ اطمینان رکھیں، آج رہا وہ لٹا نہیں ہے۔ بہت لمبہ رہی تھی، سارا انہوں نے چھوڑا تھا۔“

”آپ یہ زحمت کیوں کرتے ہیں۔“

”وہ صاحب، آپ نے مجھ ہی غیر ہندوئی بات کر دی۔ ایسا مت کہیے، دل جو بھل جاتا ہے۔“

”میں نے معافی چاہی اور عذر کیا کہ کھر میں

والدہ کی پوری کی حالت میں یہ تکلیف محاسب نہیں تھیں۔ یہاں اسپتال میں گھاس پیسے کے اچھے انتظامات ہیں۔“

”ہوا کر سن لیکن کھر موجود ہوتے ہوئے آپ باہر کا کھانا کھائیں خواہ کتنا ہی اچھا ہو۔ کم از کم مجھے گوارا نہیں ہے۔“

”میرے پاس سر تھا گئے کے سونا پارہ جاتا تھا۔“

”وہ پھر آپ نے سادہ شیشے چاولوں سے رغبت کا ذکر کیا تھا۔ میں نے ریت سے کہا۔ اس سے میں کہنے کی دیر ہوئی ہے۔ شاید آپ کو پسند آئیں۔“

”مجھی سے غلطی ہوئی وہاں پھر کسی وقت ایسے ہی شیشے چاولوں کی بات میرے منہ سے نکل گئی تھی۔“

”آپ جا میں ریت انتظامات کی ماہر ہیں، سادہ چاولوں میں رخصت کی آمیزش کر دی ہے۔ شکر پسند ہو تو شکر کے ساتھ، دورہ شہر بھی ہے۔ دورہ اور بالائی تو ہے ہی ایک چھوٹا سا قلعہ میں ہے۔ واقعی، شہر اور بالائی کے ساتھ دائقی ہے پھر اور کھر آیا۔“

”پھر تو خاموشی کی چیز ہوگی نیک ڈاکٹر رائے سے کہا تھا، رات کو بھی آئیں گے۔ اس کے آگے کے بعد ہی اگر۔“

”کوئی مضائقہ نہیں۔“ وہ کشادہ دلی سے بولے۔ ”اصل میں زکا، رات کو آپے کھر واپس چلا جاتا ہے، اسے واپس بھیج دیتے ہیں۔ یہ فنن میں لے جاؤں گا۔“

”آپ کیوں لے جائیں گے، فطرح بھی واپس چا سکتا ہے۔“ میں نے کہا۔

”الٹی غلطی کے بہتر کے نزدیک چیزوں کی ارتقائی میں مصروف ہوئی تھی۔ اس سے پھر دیر کے لیے ام سے باہر جانے کی درخواست کی۔ یہ معمول کی بات تھی۔ میں اور اکبر علی خاں نے ہر آگے۔ انہی نے کرا کر کے دورہ دار سے پروردہ نکال دیا۔ ہم دونوں راہ داری میں چلتے رہے اور اکبر علی خاں شہر کے کشیدہ

حالات کے بارے میں بتاتے لگے۔ ”شہر پہلے جیسے نہیں رہا ہے۔ چائے کس لوگ سب سے سے نظر آتے ہیں یہ پھر گاہ ہے۔ سہوں سے بھاری دار میں کہا۔ میں ہی شاید پھر بارہ محسوس کر رہا ہوں۔ شاید اس دن سے کہ شہر میں جگہ جگہ پولیس کی نوکیل گھوم رہی ہیں۔ بارہ بھی تاج حد بند ہو گئے۔ قسم قسم کی چیزیں گیارہ شہر میں گشت کر رہی ہیں۔ شہر میں عموماً یہ پھر ہوتا نہیں کہ انہوں کے واپس سب شک کی بکھر ہو جاتے ہیں لیکن اس بار لوگ کچھ براہ راست سے حیرت زدہ سے نظر آتے ہیں۔ انہوں کی موت کا بڑا شہرہ ہے۔ شہر میں جیسا یوں کی تعداد وہاں ہونے کے برابر ہے لیکن یہ وجوہ انہوں کو زیادہ ہی مقبول تھا۔ کچھ اس کی مقبولیت، کچھ اس کی چال بازی، اس کی درون گاہ موت کی وصیت سے لوگوں کو بڑی ہم دردی محسوس ہوئی۔ سنا ہے، اس کے جنازے میں بھی شریک تھے، ایک ہندو جیسا کی اور کیا مسلمان۔ نو ہوں کا تو آپ چاہتے ہی ہیں، پر لگے ہوئے ہیں اور سرور نہیں ہوتے۔ ہندوستان میں نوہ طہری سب سے مرغوب مشغلہ ہے۔ باوقیت، جہت اور نوہ کا شہر کون کھر تعلق ہے۔“

”میں متاثر رہا۔ جب تک ایک نے ہار کے ہمیں چارٹ نہ دی، ہم راہ داری میں گھومتے رہے۔ کھرے میں کے صوفے پر بیٹھے ہی تھے کہ باہر بل چل ہوئی، ہم دونوں کھڑے ہو گئے۔ یہی بھی سیدھی ہوئی۔ وہ ڈاکٹر رائے ہی تھے۔ اس مرتبہ اس کے ساتھ ایک عورت کی کھر لکھ رہی تھی۔ اسپتال میں ایک رات میری اس سے اچھی شناسائی ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر رائے نے پرتاک انداز میں اکبر علی خاں سے مصافحہ کیا۔ جو اب اکبر علی خاں نے میری جانب سے غلطی پر اس کی خاص توجہ کا شکر ادا کیا۔ ڈاکٹر رائے اس کے بولا، الٹا وہ اکبر علی خاں کا شکر گزار ہے کہ اس اچھی شہر میں ان کا ساتھ میرے لیے

تفاسمت کا باعث بنارہا۔ دونوں میں چند لمحے
 ہو کر ٹھوکر اور خوش گیلیں ہون رہیں۔ اس
 نے۔ اکبر علی خاں سے راحت میں ٹٹ کی
 خوشی کا اظہار کیا اس کی دعوت میں وہی نہیں
 تھی۔

ڈاکٹر رائے نے ٹھوکر کا شان بھنڈو کے اسے
 پیر رکھی ٹھوکر کی قدر کر کے حد کو بٹلے دیکھی
 کے ہارے اٹھ کے چھو گیا۔ ڈاکٹر رائے اس کا
 ہاتھ قدم پر اور گرم جوش سے صاحب دریافت کیا تو
 ٹھوکر نے سر کی ہلکی ہلکی سے جواب دیا۔ اس نے
 بدستہ ہوتے ہوئے چھو نہا بھی۔ یہ دیکھ کے میں اور
 کبر علی خاں اس کے ستر کے پاس پہنچ گئے۔ ڈاکٹر
 کے جہاں سے ہم۔ فاصد رکھا۔ میں ٹھوکر سے
 بات کرنا چاہتا تھا میں اس ہارڈ سڑ کو بٹلے کرے
 آ گیا۔ ٹھوکر نے مجھے دیکھ کر تھا۔ مجھے اب دیکھو
 یہ کہیں بدستہ کر کے سر۔ مجھے ہر انداز کی تاکید
 ہے۔

ڈاکٹر رائے کے اشارے کے لیے تیار کھڑی
 ایک سے ٹھوکر کا ہنسنے ہار سے اٹھ پڑا اور بستر
 کے چھو میں رکھی ٹھوکر کی ہمدردی سے پیال ٹھا کے پچھ
 بھر بھر کے سے کون چڑھا گیا۔ مجھے تو گھٹلے
 نے وہاں سے بنا دیا۔ کبر علی خاں نے بھی گھٹلے کا
 ساتھ دیا۔ میری کمر سہارے ہوئے دو مجھے ٹھوکر کے
 ستر سے دور سے گئے۔

سب تو رات کی بات ہے۔ ایک دروازے
 منتشر ہو جائے تو وہی کہا سے ہو جاتا ہے۔ آدھی
 بچہ دوپٹا ہے۔ آدھی بڑا ہو جاتا ہے۔ آدھی معدود
 ہو جاتا ہے۔ شہد آدھی۔ آدھی دیکھنے کا آدھی
 آدھی سے آدھی نہیں تھی۔ آدھی کا اپنا اختیار
 رہے تو ہر آدھی ہی کیا ہے۔ بیماری سے بڑی
 معامت شاید کون نہیں ہے۔ کہتے ہیں، سب سے
 بڑی امت عورت سے لیکن یہ بیماری بھی کچھ کم امت
 ہیں۔ ورنہ ایسی ہی کہ آدھی سے دست و پا ہو کے

وہ چلے آدھی کی اس سے بڑی تو میں کہا ہو سکتی
 ہے۔ ٹھوکر کو یہ تمہاری ہور باہو کا یہ چھو دینی چاہا
 ہوگا۔

آٹھ رات گہری نیند میں کا ہے۔ "بھیا چھو"
 میرے کانوں میں ڈاکٹر رائے کی ڈار آئی۔ وہ
 حاکمانہ انداز میں ٹھوکر سے مخاطب تھا۔ جہرہ ہاتھ
 کر کے سے وہ بڑا چھو بدل دی جائیں گی اور پھر
 کم کم لڑائی جائیں گی۔ اب ٹھوکر کو بہت آہستہ
 قدر طرف ہونا ہے کیوں کہ غدا سے بڑی توانائی
 کون نہیں ہوتی۔ زیادہ سوچنا سیں، وہ خاطر جمع
 رکھے کہ اس کا محبوب بولی ہر وقت اس کے پاس
 ہے۔ یہ شہر کا بہترین اسپتال ہے۔ اسپتال کی کمر
 کار میں اس کی خدمت پر مامور ہیں اور باہر ڈاکٹر
 بھی دور نہیں ہیں۔ ڈاکٹر رائے سڑا۔ ہو۔
 کیا کہ ٹھوکر کی بیماری کے دوران وہ میں بولی رتی
 واقعہ سبکی ہوا اور اس کی صحت، اب تک وہ اب دور
 سے سٹ نہیں جاتا۔ اور یہ کام آئے والے
 فل چورے دچا میں گئے۔ دھنکی کے مارے
 معاملات تو رتی سے مشابہ ہیں۔ ڈاکٹر رائے
 سے وہی چھو کہا جو کل رات ہم میں اور کبر علی خاں
 باتیں کر رہے تھے کہ دھنکی سے موت کا فاصلہ بہت
 قریب ہوتا ہے۔ موت پر سے دار کرتی رہتی ہے اور
 یہ کیا کم ہے کہ ٹھوکر کی طرف بڑھ رہا ہے
 ٹھوکر سے مدد بھیجنا تو ابی نے بھی ہاتھ دواں
 کیا اس دوران ڈاکٹر رائے مسلسل ٹھوکر سے مخاطب
 رہا اور ایسے ایسے کلمات ترشیاں باجو بظاہر دواں
 سے زیادہ دل نوا تھے۔ اس کی حمایت پر ابی سے
 ٹھوکر کے بار میں سوئی کھوپ دی اور ڈاکٹر رائے
 اس وقت تک ٹھوکر کا جب تک ابی سے ٹھوکر ہ۔
 سرحد پہنچیں کر دیا اور ٹھوکر کی آنکھیں بند کیا۔
 ٹھوکر کے چھو دیکھنے بھی وہاں نہیں بھیجا۔ ابی
 صاحب نے اندازہ وضع اسے کھانے میں شرکت کی
 دعوت دی۔ ڈاکٹر نے شکر یہ ادا کر کے معدود

جائی کر کے ابھی اس جہانی اتھوٹی کی بڑی شہری کو
 دیکھنے جاتا ہے۔ اس کی حالت نہایت شکستہ ہے
 ڈاکٹر رائے کی زندگی بھی کیا رہ گئی ہوئی ہے
 انہوں نے سیکالی کا پیسے خریدا یا ہوتا ہے۔ آدھی ہو
 یا طوفان، مریض دہانیاں دیتے ہیں، غرض دور
 انسانیت کا دوا۔ ملے دیتے ہیں، ڈاکٹر کو تار تار
 ہے، ڈاکٹر بھی دوسرے جیسے پیشہ ور ہوتے ہیں مگر
 سر کی پیشہ میں ایسا جہ نہیں ہوتا یا ایسی مجبوری نہیں
 ہوتی یا ایسا استحقاق نہی پاس چاہتا۔

ڈاکٹر رائے کے جاتے ہی اکبر علی خاں نے نقی
 کھول دیا۔ ابی سے ٹھوکر دارڈ ہوائے کو بلا کے
 دکایاں وغیرہ میر پر رکھوا۔ کا اہتمام کیا۔ کھانا ٹھنڈا
 ہو گیا تھا۔ دارڈ ہوائے کھانا گرم کر لایا۔ میں سے
 اسے کچھ رہنے کی صحت کی تو اس نے صاف انکار
 کر دیا مگر ابی کی سادش پر آمادہ ہو گیا۔ چار تو اس کا
 انداز عادل کیا۔ پیشہ کی پرکاشت ہوں سے۔
 آدھی صوم بن جاتا ہے آدھی کی میں جاتا ہے، آدھی
 دھرا ہو جاتا ہے۔ ابی ٹھوکر سے کھانا کھا کے آئی
 تھی۔ اکبر علی خاں کے اصرار پر ساتھ بیٹھ گیا اور
 دوپہر جس طرح سیورین پرچہ ت جارہی ہوئی تھی،
 ابی بھی چند قلوں کے بعد ٹھوکر کی نقل نہ ہو سکی۔

اکبر علی خاں کا دلہن کا کب کا چاچا تھا۔ دس
 سا بچے تھے۔ ان کے قول شہر کے حالات کشیدہ
 تھے، میں نے اس سے کہا بھی کہ اب وہ کمر چلے
 جائیں، رات بہت ہو گئی ہے، پچھ وقت راستے میں
 لے گا لیکن وہ نہیں مانے، منے لگے۔ "نر بہت سے
 کہہ کے چلا تھا، اب ہو سکتی ہے۔"

ابی نے ان کے لیے کافی سٹروالی اور پارہ ہرہ
 اور میں کریں لٹو ادیں۔ ہرہ دار میں خوش گوار
 کی تھی۔ ہر طرف سکوت چھایا ہوا تھا۔ رات کی
 رانی کی ملک ہنرہ دار میں ملتی ہوئی تھی۔ اکبر علی
 خاں گہری گہری سانس لے کر تارہ خوشوار ہوا
 بیٹھے میں بھرے گئے۔ ابی نے کافی غالی، کافی بنا

کے وہ کمرے میں چلی گئی تو اکبر علی خاں کمرے سے
 ہوئے ہوئے۔ "اب آپ سے کہا ہوا ہے۔ آگے
 سر کر س گئے۔" وہ رک کے دھیری شکل
 بچتے گئے۔

ابھی بچے ہیں کہ لیکن میرا خیال ہے کہ
 وہاں بچے جاتا ہی بہتر ہوگا۔ آگے سر کی بات بعد
 میں دیکھی جائے گی۔

اب مناسب تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ انہوں
 سے تائیدی کی۔ لیکن میری بات انہیں تو کچھ عرض
 کروں۔

"ضرور ضرور۔" میں نے کہا۔

بھولی صاحب کی طبیعت بھل ہو جائے تو
 سر کر کے کے بچے کیوں نہ چھو دلوں کے سے
 حریب خاں پر قیام کریں۔ یہ میری خواہش بھی
 ہے اور میں سمجھتا ہوں، کوئی حرج بھی نہیں
 ہے۔ آپ کو کھر جیسے گرم سے گا طہر ہے،
 غیاظ چھو حرم سے چٹل سے قریب ہی رہنا
 چاہیے۔ ٹھوکر میں آپ کو کون تکایف نہ ہوں۔

آپ کی محبت اور مہربانی۔ میں سے بھگ
 کے کہا۔ دیکھتے ہیں بھولی صاحب کی مرضی کیا
 ہے۔

اب میں سے شک ہے شک۔
 "آج رات یا کل صبح نکلتے سے ضرور کوئی
 جائے گا۔ تار سے وہ ٹھوکر تو گئے ہوں گے لیکن
 شاید ٹھوکر بھولی یا میری طبیعت کے بارے میں
 کے دہن میں چھو نہ آئے۔"

یہ کون لوگ ہیں؟ آپ کے عزیز
 دوست؟

"کی کہیں، کہوں کا خوب مشکل ہے۔
 میں سے کس کے کہا۔ وہ عریض اور دوستوں
 سے کس بڑھ کے ہیں۔
 کیا مطلب؟
 کیا بتاؤں آپ کو؟

”کچھ لو اگر مناسب ہو۔“
 پھر گنگوہی نے کہا۔
 اس کی سندھوں میں حیرت ہو رہی تھی اور
 انہوں نے بہت سی باتیں کہیں گے۔
 ”سب کہا تھا چاہتے تھے میں نے اس کا
 دھیان نہ کیا ہے۔“ نے وقت آپ سے
 کہا تھا آپ بعد میں کچھ تائیں گے۔ ”میر تو ہے“
 ہاں۔ ”اس کا سبب یہ ہے کہ اس کی
 بڑے۔“ آپ سے ایک اور کچھ میری قسم کے
 معنے میں بات کرنا تھی۔ کچھ عیب کی شکل میں
 ہے۔
 ”بات ہے“ مجھے بتائیے۔“
 ”دو ایک س کی ملاقات میں چاہئے کہ کچھ کرشمہ
 ہو۔“ نئی پوری سے مجھے آپ سے کون میری قسم
 نہیں ہوں۔ اتفاق سے کچھ ایک مسد پید ہو گیا۔
 بات تو اس سے پہلے رہی تھی میں کل س کا قصہ
 کیا۔ وہ چپ ہو گئے چپے کھڑے تھے ہوں۔
 ”کاش“ میں نے بتائی ہے پھر۔
 س کا چہرہ بھی رہی ہو گیا۔ اور بھی۔ نہیں۔
 بتا کہ جو پاس کے ایک صاحب ”پیشیت اور با
 اثر“ صاحبے عمر سے چپے میں مقیم تھے۔ کسی
 تقریب میں نواب کے خاندان والوں نے ان کی
 بڑی بی بی عورت کو دیکھ لیا تھا۔ نواب نے اپنے بیٹے کا
 رشتہ مانگ لیا۔ پھر حیدر آباد میں مقیم اس کے بڑے
 بھائی بھی اپنی بیٹی کو بہا جانے کی خواہش کا اظہار
 کر چکے ہیں۔ بڑے بھائی سے بیٹے کو بہوں سے
 ایک راز سے کس نے دیکھا ہے۔ برسرِ گھر سے وہ
 حیدر آباد کے تو سبھی تعلیمی سلسلے میں علی گڑھ تھا
 بیٹے کے کہ نہیں سمجھنے کے مزاج اور حادثات اطوار
 کے متعلق کو علم نہیں ہے۔ بڑے بھائی بھی اب
 غیر اس طرح ہیں۔ وقت گزر جاتا ہے ملاقات
 نہیں ہو پان وہ دھرتے ہیں۔ میری قسم کے ملاقات

مجھے حائس نہیں ہوتا۔ اس ن والہ چھ وقت کے لیے
 نے بیٹے کے پاس حیدر آباد کی قسم۔ کی نہیں لگاؤ
 معدنی واسطے نہیں۔
 وہ اپنے گھر کے اتے ذاتی معاملے پر مجھوت و
 شہادت سے بات کر رہے تھے۔ مجھے سوچا کچھ کے کون
 مسد دارانہ مشورہ دینا چاہیے تھا میں نے اپنی آواز
 میں پوچھا۔ تو آپ کے حیاں میں نہیں اور رشتہ
 منظور کر لینے سے بھائی صاحب ناراض ہو سکتے
 ہیں۔“
 ”یہ ممکن ہے، حالانکہ کہ نتیجے کا اصل احوال
 دیکھے ہیں بے حیرت چاہے وہ سب ہی اپنا خوں کیوں۔
 ہو، مجھے رشتہ کی طور منظور کیس ہے۔ اور یہ۔ بھائی
 صاحب کی خواہش ہے، ضروری نہیں کہ اس کے
 فرور بھی آمادہ ہوں۔
 ”تو اس میں ایسی اجہن کیا ہے۔“ میں نے
 شہادت کی ہے کہ۔“ آپ پتے بڑے بھائی صاحب
 کو ترجیح دیجیے یوں کہ بہر حال وہ آپ کے حیاں
 ہیں۔ حیدر آباد جاتے نتیجے کے طور اطوار سب علی
 کرہ نتیجے۔ شہادت ہے یہ وہ پھر جواب صاحب کے رشتہ
 فرور نتیجے۔
 ”چاہتا تھا میں نے میرا“ اور پوری سے
 بڑے۔“ میں نے آپ کو یہ بات بھی کہی ہوں
 بتائی ہے۔ صرف اتنا تو نہیں ہے۔ وہ جگہ سے اس
 کے رشتے آئے اور سی یک کو منظور فرمایا مسد
 کرد، مسئلہ تو اب گھر کا بھی ہے۔“
 ”اب گھر کا“ میں نے پوچھا کہ پوچھا
 ”بھائی افریقہ تو ہم دونوں ہیں ہمیں دو۔
 بھی تو چھٹا ہے۔ اپنے گھر کے حیاں، اپنی بی
 کی پسند ناپسند، روحان طبع وغیرہ کو۔ میری بی بی
 سلطنت عام لڑکیوں سے الگ ایک لڑکی۔ ملا
 ہمارا یہ راگھر ہی، ہزاروں لاکھوں بہت ہوں سے
 مختلف ہر ہے۔ اور یہ عورت، یہ تو بڑی ہیں اور
 جس سب سے ہے معصوم ہے، بیش اولیٰ ان رشتہ

ہے۔ اس سے مات کر کے دیکھو، لگتے ہیں، کوئی
 بہرہ پھر جے ہوئے ہے۔ ہے کچھ نظر کچھ اور آتی
 ہے۔ ایک ہوتی عمر میں اتنی گھری باتیں۔ اور
 چاؤں آپ کو وہ بڑی سربل ہے میں نے۔ اس
 کے ہاں سربل اس کے اداوی، قوت اور کس دیکھنے سے
 کہ خدا کی ہوا۔ اس کا ذوق و شوق دیکھ کے
 موسیقی کی ماکادہ تعلیم کے لیے ایک استاد کا
 بہت بہت کر دیا تھا۔ کمر باند کر کے، اس پاس میں
 سرکار ہر زمانہ ہو سکے، ایک علیک سرائے اسے
 تربیت دینا پھر وہ اس کے گھر آئے چاہے سے
 ملے والے لنگ لگے انہوں نے جستجو۔ شروع
 کر دی۔ یہ ملازم دیکھ بھی اپنے خاصے نسبت کو
 ہوتے ہیں۔ میری بی بی سب سربل حیاں کی بی بی موسیقی
 کی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ ایک ہندو چندت
 دوزانہ آتا ہے۔ اس صاحب ملاحد پیش کیے،
 ایک ہنگامہ ہو گیا۔ استاد کا حیدر آباد بند کر دیا۔ کیا
 چاؤں، موسیقی کا شوق کیا ہوا، مدنی اجہن ہوئی۔
 کیا موسیقی سے نسبت اس کی یہ بات ہے۔“
 ”خبردار سمجھتے ہیں اس کے لیے تو یہ ایسی ہوتا
 ہے۔“ میں نے قائل ہو گیا۔
 ”آپ نے کچھ لکھ لکھا۔“ میں نے بات تو نظروں
 سے اجمل ہوئی تھی۔ رہتا تو ہمیں ایسے ملے اور
 ان لوگوں کے درمیان تھا۔ بہر حال وقت گزرے
 کے ساتھ معاملہ دس گیا۔ جیسے داخلی یہ کوئی میر
 سولی مسئلہ تھا۔ آدمی کو یہاں امدادی راہ کی نہیں
 ہے۔ ہم اپنی پسند، اپنا مرضی ن مدنی نہیں کر
 سکتے۔
 ”شاید کہیں بھی نہیں۔“ میں نے دہرایا ہے
 کہا۔
 ”آپ کچھ کہتے ہیں۔“ وہ قہار سے ہو گئے۔
 ”سے کچھ نہیں سمجھیں نہیں اتنا اور ایسا کچھ نہیں
 دلا۔“ ولایت میں کچھ وقت گزارنے کا سوچا۔
 جب وہاں بڑی انفرادی آزادی ہے نہیں اور پھر

تھیں۔ وہاں بھی اپنی روایتیں ہیں اور گورا تو بڑا
 روایت پرست، قدامت پسند ہوتا ہے لیکن یہ
 روایتیں آدمی کو اتنا مجبور نہیں کرتیں، اپنی فکر، اپنی
 رائے، اپنی طرز کی زندگی کی رعایت۔ وہاں ان
 چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایسی توجہ نہیں دی جان۔ وہ
 لوگ کام کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ایک دیا پر س
 کی تعلیم رہی ہے۔
 پھر آپ سے کیا سوچا ہے۔“ میں نے انہیں
 ٹوکا۔ وہ تو باتوں میں بہت دور نکل گئے تھے۔
 ”مخالف کرنا مناسب تھی باتیں بھری ہوئی ہیں
 دماغ میں، کچھ خیال ہی نہیں رہا۔“ آدمی اہم ساری۔“
 وہ پیشانی سے ہوسے۔ ”آپ سے اچھا کیا، مجھے
 ٹوک دیا۔ میں کہہ رہا تھا، بھی تو سلطنت تعلیم حاصل
 کر رہی ہے۔ یہ رشتے وغیرہ کی بات تعلیم عمل
 ہو جائے کے بعد ہی مناسب ہوگی۔ لیکن ایک مسئلہ
 اور بھی ہے۔“ وہ دھم دھم کر رہے تھے۔
 ”کوئی سوال کرے کے بہانے میں خاموش
 رہے۔“
 ”مجھ تو قف کے بعد وہ خور ہی بولے۔“ اصل
 میں خوش شکل بچوں کے دشتے، آپ جانتے ہیں،
 ان کے رشتوں کی کی نہیں مگر ہمارے گھر کے معنے
 میں ایسی صورت حال نہیں ہے۔“
 ”مگر کیوں؟“ میں نے پوچھا۔
 ”کیجیے کچھ عیب معاملہ ہے میں نے آپ سے
 کہا نا کہ ہمارے گھر بی خاص بودا ہش بلکہ بی فکر،
 سوچے کے غر سے چھٹی ہو گیا ہے۔ جائداد
 برادری والے ہم سے ملے میں کھڑاتے ہیں۔ کچھ
 تو دیکھیں سمجھتے ہیں، کچھ کو ہمارے طور طریقے پسند
 نہیں، ہماری اور خدمت کی تعلیم، ولایت میں ہمارا
 قیام سب پر دگی وغیرہ بہت سی یک باتیں ہیں۔
 س کے درمیان رہتے ہوئے بھی ہم ان سے دور
 ہو گئے ہیں۔ س ایک رکی سائنس رہ گیا ہے۔ اور
 اب یہ ہے ہمیں بھی یہ لوگ پسند نہیں۔ ایک تو ان

کی طرف سے کوئی رشتہ نہ تھا۔ دوسرے نم
 جو بھی نہیں جانتے کہ ان طرف سے ایسا
 جہاں ہو۔ یہ لوگوں میں بیک پیوٹی ہے۔ اس
 گھر میں لاہور کی گھٹ کے دروازے کی۔ عورت کا
 اپنا ایک وجود ہے شادی مرد کی شادی نہیں ہوتی
 چاہئے۔ یہ کیا ہے۔ شادی کے بعد ایک عورت پر مرد
 کا تسلط ہو جائے۔ نکاح کے دونوں سے عورت کا
 ثابت و سالمہ جو کہ ایک مرد کی نعمت میں شامل
 ہو جائے یا اس کے برعکس ہو جائے۔ نہیں
 صاحب! ہمیں قبول نہیں۔ اگر بیک پیوٹی کی تائید
 ملے گی، اپنے لگے۔ یہ تو ہمیں میں محبت ہائے دکھ
 سکھ میں ساتھ رہے۔ ایک دوسرے کا جیسا رکھے،
 ایک کو دوسرے کی جائز خواہشوں و عشق کو تار
 دینے کا تعلق ہے۔ کم و کم میں تو یہی سمجھتا ہوں۔
 شادی کی تائی ایک ہاتھ سے نہیں جتنی چاہیے۔
 گھر کوئی بھی گھر ہو، ہاتھ آپ نہیں تو نہیں
 ہوگا۔ دوسرا گھر تو دوسرا ہی ہوتا ہے۔ لڑکیوں کو سننے
 گھر سے معاف تو کر لی پڑتی ہے۔ میں نے
 نکلی ہے ہوتے کیا۔

صرف لڑکی ہی کیوں لڑکے اور اس کے گھر
 واپس کو بھی گھر میں ہو رہا لڑکی کے مزاج اور مرضی کا
 لحاظ رکھنا چاہیے۔ ان کے بچے میں تڑپ اٹھتی پھر
 دسی سے ہوتے۔ اصل میں بچہ غلطی ہمارے بھی
 ہے۔ جہاں سارے پڑھے لکھے ہوں وہاں ایک
 چائل، بے گناہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح
 جہاں سارے چائل ہوں وہاں ایک بچہ نکلا
 جو بے گناہ ہو جاتا ہے۔ سارے ماہر ہوں تو یک طرفہ
 خود کو کیسا ناچھا روٹا بکاڑا محسوس کرتا ہے۔ سارے
 غریب ہوں تو یک طرفہ میرے بچے لوگوں سے کٹ جاتا
 ہے۔ جب گورکھ دھندسا ہے۔ شاید سمجھے
 جانے پر روتی واپس سے آگے نکل گئے ہیں یا
 پیچھے رہ گئے ہیں۔ سوچتی ہیں کہ گھر میں بچیاں بھی
 ہیں اور بڑی بھی ہوتی ہیں اور ایسے مستقل

ہو رہے ہاتھ نہیں دینا ایک گھر میں لڑکے کے بڑے ہوں
 اور خود اپنے بچے ایک ایک انگ، روش و منہ نہیں جانتے
 تھی۔
 پھر آپ کو اپنی طرح اپنے مانول اور لوگوں،
 میرا مطلب ہے، ایسی خدمت دینا چاہیے جہاں آپ
 کے ہم دوق رہتے ہوں اور اس عمارت کا مالک
 نہ ہو۔ میں نے رتی سے کیا
 یہ شک، یہی ایک عمل تھا اور ہے۔ یہاں
 نے کسی قدر جو شیشے انداز میں کیا۔ ہم اہل
 بھی رہ سکتے تھے لیکن گوروں کا رہن سہن ہمیں گورا
 نہ ہوا۔ ہم میاں بوی کو شرف ہی پسند سے ملے پھر
 خصوص قسم کے شرفی ہوں میں ہم۔ آخر حضور
 ہے، یہ لوگ تو میں کیوں گا۔ انہوں نے شرف
 چھائی نہیں، سمجھتی ہیں۔ شرف میں تو بہت رنگ
 ہیں۔ انہوں نے ہماری کشادہ فکری کو ہمیشہ بند
 نظر سے دیکھا۔ سمجھ رہے ہیں آپ۔ وہاں
 اچھے بچے میں ہوتے۔

تی۔ جی۔ میں نے ہی دوسرا ہوا۔
 اسی لیے آپ کے سامنے رہا ہوا ہے۔
 میرا خیال ہے، اگر آپ اجازت دیں تو مجھے
 کہوں۔
 ہاں۔ یہی بات ضرور ہے جس سے۔
 آپ کو سکوت ترک کر کے بھی سمجھو رہے
 کسی شہر میں گھر جانا چاہیے۔ وہاں شاید آپ کو
 غصے کا احساس نہ ہو۔ یہ غصے کوئی نئی بات نہیں
 مسلسل ہوتی رہتی ہیں، بچہ تو ضرور آئے اور چھائی
 مرضی سے بھی۔ عموماً صاحبہ نبیثیت اپنی بہن کے
 گھر، محلے اور شہر تک کر لیتے ہیں۔ میرا بہت سے
 شہروں میں آ جاتا ہوا ہے اور میں نے، کبھی بچے
 بڑے شہروں کے تنگ مکانوں کے باوجود، لوگ بچے
 کھلے رہتے ہیں وہ ایک دوسرے کی آج کا چھائی
 نہیں کرتے۔ غائبانہ اس لیے بھی کہ انہیں فرصت تو
 نہیں ملتی۔ لیکن ایک اور بات بھی ہے۔ محلوں میں

شہروں سے انھیں، جتنا ان لوگوں سے فرق پڑتا
 ہے، جن کے درمیان سر پہرتے ہیں اور یہ لوگ ہر
 جگہ مل جاتے ہیں۔ مکی قسمت سے، مکی تلاش
 کر کے۔
 آپ تو میری زبان بول رہے ہیں میاں۔
 دوسرا کے بولے۔ اسی لیے تو میں کہتا ہوں، میرا
 کوئی ہم نہیں، ہم رہاں کوئی بچھا ہوا مال کیا ہے۔
 بچہ میاں! ہم کیسے بھی رو سکتے تھے سال میں دو
 ایک ماہ یہاں سے اکتا کے، بچہ مرکا حرا ہوتے
 کے لیے بھی، ہم ادھر ادھر چھپ جاتے ہیں۔ نہیں کسی
 بات میں جولوٹ کے یہاں آ پڑتا ہے۔ یہ میرا
 آپ کی شہر ہے۔ ایک خاص رنگ ہوتا ہے جسے اس
 شہر سے، پھر والدہ صاحبہ کا دل نہیں نہیں لگتا۔ یہاں
 انہوں نے ساری زندگی گزار دی ہے۔ بچے یہاں
 چھ رہے ہیں۔ ابھی چھ ماہوں پہلے تک میں بھی
 نہیں دکالت کر رہا تھا۔ دکالت پڑھاتا تو اب بھی
 ہوں۔ مزہت مکی تنگ پڑھاں ہیں۔ بھائی
 صاحب تو حیدر آباد جا کے سچے سے بڑی انداز
 ہو گئے۔ آپ کی زمینیں، جا پیدا، اور وہ بھی ابھی
 خامی۔ سب کچھ نہیں ہے۔ اس کا انتظام
 پھر کیا تاکاں آپ کو۔ اباجا مردم کے رہاے
 سے بہت سے گھر اسے ہمارے گھر سے وابستہ
 ہیں۔ یہ غریب لوگ، زمینوں پر کام کرے والے
 اور ہمارے مکانوں میں رہنے والے۔ اس کی شادی
 پیلا، تعلیم، خوشی اور غم، بچے، داد پر وادار کے
 وقت سے اس کی نگہ بانی ہمارا کام ہے گاؤں میں
 بچوں کی تعلیم کے لیے ہم نے اسکول بھی کھولا ہے۔
 نہایت ہر چند ہمیں ان بعد وہاں چلی ہیں۔ لیکن
 کھائی ہے میاں۔ ابھی ارد گرد کے لوگوں کے
 مکانوں سے تنگ آ جاتے ہیں تو باہر نکلے کی سوچتے
 لکھنؤ اور دیگر جگہں، زمینیں ہی ہیں میاں! یہ
 سب کوئی فیصلہ نہیں فیصلہ کرے ہی نہیں دیتیں۔
 میں کیا رائے دیتی کرتا، چپ رہا

”جھوڑیہ اس باتوں کو“ وہ بایں سے
 ہوتے۔ سراسر تو مسئلہ نوب صاحب کا ہے
 انہیں کیا جواب دیا جائے۔ اس کا گھر بائیں میں
 باہر سے نکلتا ہے۔ یہاں انکار کی کوئی وجہ نہیں۔
 جیو نے ساری روداد آپ کو سہیے کی کہ لو اب
 کے گھر میں ان کی ہر آواز میں میسر ہوئی لیکن سخت
 گھر میں بائیں میں کہیں مجھ نہ جائے۔ وہ تو رنگوں
 سے بھرتی ہے، سروں سے، کتابوں سے بھرتی ہے۔
 وہ تو بہت خواب دیکھتی ہے اور وہ تو سب سے آگے
 نکل جانے کی جستجو میں رہتی ہے، اور اسے دولت
 وغیرہ کی کوئی حس وہیں نہیں۔ اپنی اور دیکھت
 نہیں کہ ہر ایک کو اپنی اور عزیز ہوتی ہے۔ میں تو
 حقیقت جان کر رہا ہوں۔ وہ تو یکساں مثال ہے۔
 لو اب صاحب کے محل دو محلوں میں نہیں۔ یہ
 لو اب لوگ بڑے راہی ہوتے ہیں۔ دوست مندی
 سے مراد اور شکاری نہیں ہے۔ جس طرح روشن فکری
 سے مراد آتی نہیں ہے۔ وہاں جا کے قریب سے
 اس کے طور طریقے دیکھتے ہیں ہاں ایسے کی چاکلی
 ہے اور سخت کو بھی تو اپنے ہونے والے رند کی بھر
 کے روشنی کو پرکھنے کا موقع ملتا ہے۔ پرکھنے کا نہیں
 تو کم از کم دیکھنے، اندازہ لگانے کا۔ میری باتیں
 آپ کو عجیب لگ رہی ہوں گی لیکن کیا ان میں
 معنویت نہیں ہے بتائیے۔
 نہیں ہاتھ نہیں، پر یہاں یہ کہاں ہوتا
 ہے۔
 نہیں ہوتا ہوتا ہے۔ نواب رہے۔ کو بھی
 آنکھوں پر پٹی باندھ کے ایک ایسی لڑکی سے رہی
 بھر کے رشتے کے لیے، وہ نہیں ہونا چاہتے جسے
 اس سے کسی ایک اور شخص بہت سہی چاہتا ہو۔
 ہوتے کہتے ہیں، شادی دو خاندانوں کے درمیان
 ہوتی ہے لیکن اصل طریق تو دو افراد ہوتے ہیں۔ اس
 افراد کی نہ بے سوچا سہی دے کیا کر سکتے ہیں۔
 یہی ہوتا ہے۔“

دوسرے ہوتا ہے یہی چیز۔ میں نے کہا: "مگر
 سہ سہتی تو وہ کل ہی ہے۔ لیکن شادی سے پہلے
 پسند پسن بعد کو نا پسند یہی میں بھی تو بدلی گئی ہے۔"
 کوئی نہایت عجیب سے ٹھٹھک کوئی نہیں۔ "اگر
 ملی خاموشی سے پڑے۔" دوستوں کے درمیان
 کاروبار کی معاملے میں مل جاتا ہے شادی کے
 معاملے میں بھی تو وہ ترانہ میاں کے باوجود
 کشیدہ میاں درگزر نہیں دیتی ہیں۔ پھر تو انجام
 علیحدگی کی صورت برآمد ہوتا ہے۔ ساری زندگی کے
 عذاب کی شکل میں نہیں یہ ملاں تو کہیں رہتا کہ
 فریقین سے ایک دوسرے کو سمجھاؤ جہاں دیکھا جہاں
 نہیں تھا۔ شادی جوئے کا شیل کیس ہے۔"
 اس صورت میں تو یہی بہت معصوم ہوتا ہے کہ
 آپ لوگ صاحب کو انکار کر دیں۔ میں نے
 یہ بتائی ہے کہ۔
 یہ تاں سب نہیں ہے۔ آپ ہوتے تو ضرور
 بہت دیتے۔ آپ ایک جرأت مند آدمی ہیں۔ آپ وہ
 آدمی ہیں جو میں سے ہونا چاہتا اور میں سے ہونا چاہتا
 ہوں۔ آپ نے سنا میدان کے ٹھکانے پر جاے کا
 فیصلہ چلی ہے۔ کے دورانیے میں کر لیا تھا۔ وہاب
 صاحب سے عروت کا ایک سلسلہ برسوں سے قائم
 ہے۔ اس کے گھر سے رشتہ آئے اور منع ہو جائے۔
 ان کے لیے بڑی سنگ کی بات ہے۔ اس طرف
 جتنی کہوں، جتنی کریں گے۔ وہ ایک مائثر آدمی
 ہیں۔ دہرائی کے دل میں کبھی جلدی نہیں
 ہے۔ اور سوچتا ہوں، اس شہر سے تو پھر سطوت
 کے رشتے سے ہے۔ وہی سزاہت کے ستارہ بھاے
 کا شوق اس کی معالیم بڑوں کو لڑکیوں کے مشترکہ
 کالج میں درس و تدریس۔ میری ان کی شادی کی
 بھی ایک داستان ہے۔ یہاں تکی واقف ہیں۔ وہ
 یہاں ہی نہیں ہیں۔ شادی کے بہت دنوں کے بعد تو
 آج پاس کے لوگوں نے ان سے بات چیت شروع
 کی تھی۔

"انکار کی صورت میں کیا آپ کو کو ب صاحب
 کی جانب سے کیا نقصان کا اندیشہ ہے۔"
 "سب سے بڑا نقصان تو حلق خاطر ہے۔"
 "میاں۔"
 "پھر تو آپ کو ہنگاموں ہوگا۔ عذر تو بہت سے
 کیے جاسکتے ہیں اور کیا عذر ہوں گے۔ لہذا یہ کہ
 آپ کو جو وقت چاہیے۔ آپ کے بڑے بھائی سے
 بھی خواہش خاطر کی گئی۔ پہلے ہی صاحب سے
 بات صاف ہو جائے۔ دوسری عہدہ کا بھی سہری
 جاسکتا ہے کہ سطوت کی بے پہلے عہدہ میں کرنا چاہتی
 ہیں۔"
 "اب صاحب ایک جہاں دیدہ دلی ہیں
 سمجھ جائیں گے۔"
 "سمجھا کریں۔ وہ کوئی بادشاہ صاحب ہیں
 کیا نا آدمی میں اپنے ہی عذر کیے جاتے ہیں۔
 انہیں جمع کرنا چاہیے۔ وہاب نے اسے سے ہے
 لڑکیوں کی کی گئی تھی۔ آپ کو عقیدہ ہے۔ وہاب
 کو اعتبار سے کہ وہ جہاں چاہے اپنی می سے پھر
 مستقبل کا فیصلہ کرے۔ وہی پٹنا شہر میں آپ کے
 خاندان پر داری، لوگوں کی طرف سے رشتہ آئے
 کی نامیدی، تو کیا ہوگا۔ سطوت پرستی رہی،
 پرستی رہیں۔ اس دوران کوئی نہ کوئی انہیں خود
 پسند آسکتا ہے۔ مگر پھر آپ کو کوئی اعتراض
 ہوگا۔"
 "ہاں نہیں صاحب، قطعاً نہیں۔ ہم سنجیدہ اور
 کشادہ دلی سے غور کریں گے۔ ہمیں خاندان
 ذات پر اداری سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہمیں تو سطوت
 کے پسند کیے ہوئے فرد سے غرض ہوتی کہ وہ کیسا ہے
 اور سطوت کی پسند کیسی انکی نہیں ہوگی۔"
 "اور کیا شادی کی ہی ضرورت ہے؟ میرا
 نہاں بہک گئی۔
 اکبر علی خاں چونکہ بڑے اور پختہ وقت
 بعد ہوئے "ہاں میاں، یہ بھی غور طلب بات ہے۔"

یہ شادی وادی کا رواج تو ابھی ابھی کا ہے۔ زندگی تو
 گراؤ اور مہار کی ہے۔ لاری تو دس روپے
 پہننے کی، دسم دیکھ، تار و فراس کی جیا
 ہے۔
 "مگر شادی مانا ہوں ضروری ہے کہ اس
 رواج کا دستور ہے۔ ہر رواج کا اپنا دستور
 ہوتا ہے۔ اور وہی بات ہے، دلی نہ داسی میں رہ
 سکتا ہے نہ مستقل میں۔ وہ تو شخص اپنے حال میں
 رہتا ہے۔ ہر موجودہ رواج اس کا حاکم ہوتا ہے اس
 کے قواعد، قوانین، ضابطوں اور مطالبوں کی قیام
 کرنی پڑتی ہے۔ ہر موجودہ رواج کے اپنے بچے
 رہا، رہاں اور اپنا ایک رکن کہن ہوتا ہے۔ ہر
 موجودہ رواج کی اپنی ایک منطق ہوتی ہے یا اس
 کہ جسے جو چاہے جس مہر میں ہے، وہی منطق ہے۔
 آپ نے خود ہی سن لیا اور خود ہی جواب
 دے رہا ہوں۔ "وہ منطق سے بولے۔" یہ فکر ہی
 "دلی کو بھنگا ہے اور فکر ہی رستہ دکھائی ہے۔ بہر
 حال آپ کا مشورہ صاحب ہے۔ مجھے بوجہ یہ
 دلوں پر شے منظور نہیں ہیں تو کوئی ہذر تو پیش کرنا
 ہی ہوگا۔ آپ سے بات کر کے میرا سینہ ہلکا ہوا اور
 مجھے صدمہ نہ۔"
 انہوں نے کافی کے چند ہی محوٹ لیے تھے اور
 پانی باتوں میں گم ہو گئے تھے۔ کافی ٹھنڈی ہوئی۔
 بہت دیر بعد ایک نے سبزہ زار کا رخ کیا تو اس نے
 ہم دونوں کو دودھ بارو گرم کافی بنا کے دی۔ مجھے کافی
 میں سرخوب نہیں تھی لیکن اکبر علی خاں کے سامنے منع
 نہ کیا جا۔ کچھ شہم بھوسوں ہونے لگی تھی۔ ہر طرف
 مٹا پھینا ہو تھا۔ دور دراز میں وقفے وقفے
 سے قدموں کی بہت گونگی اور خاموشی میں ڈاب
 جاتی۔ میرا کچھ کہنا مناسب نہیں تھا۔ اکبر علی خاں کو
 گھر و ہنس کا کچھ خیال ہی نہیں تھا۔ کافی ختم کر کے
 کے بعد حیدر سے سوں سے کڑھ ہوا۔ کسی کپڑے
 کا بنا کار۔ "اس جیسے سے شوق کریں گے؟" پان

مجھے اچھا لگتا ہے لیکن رہت کو پسند نہیں اور
 اس میں نہیں تو مجھے بھی انہوں سے بوا میر۔
 آگے کرو۔ "بیبا بوا سے ہی دھبہ کیا جاتا ہے
 کئی چروہ کا مرکب ہے، منہ میں خوشبو کھڑی
 ہے۔ معصوم نہیں آپ اسے کیا کہتے ہیں۔"
 میں نے ایک دو چٹکیاں لیں۔ عموماً شادی کی
 تقریبات میں جو مہمان ہاں نہیں کھاتے، انہیں یہ
 سناٹا پیش کیا جاتا ہے۔ وہی خوش رائد تھا۔
 "کیسا لگا؟" انہوں نے اشتیاق سے پوچھا۔
 "دل چسپ ہے۔"
 "دل چسپ کی خوب کئی" وہ ہنس پڑے۔ "یہ
 نزہت میری بیوی کے علاوہ، میری گراں بھی ہیں۔
 اب خیال رکھتی ہیں کہ خود پر میرا اتنا متحرزل ہو گیا
 ہے۔ ہر وقت انہیں یہ غم شہر رہتا ہے کہ کچھ سے دلی
 ہلک ہو جائے گی اور ہوں بھی ہے۔"
 "آپ بھی کیا کمر اس کا خیال رکھتے ہوں
 گے۔"
 "بھئی بیوی دت یہ ہے بڑے چٹن کرتے اس
 حاصل کیا ہے۔ عقل سے حاصل کی ہوئی چیز تہہ
 بھی بہت ہوتی ہے، بھر۔ بہت تو ہیں ہی قابل تہہ۔
 قابل ستائش۔ اس کا بھی یہی حال ہے۔ میرے
 لیے انہوں نے بڑی دیواریں پھلائی ہیں اس میں لانا
 ہے کہ میرے بغیر وہ اور اس کے بغیر میں، کم
 دووں ہی ایک دوسرے کے بغیر ناکمل ہیں۔"
 "اب تم کم ہوتا ہے۔" میں نے تعجب سے
 کہا۔ "اس لحاظ سے آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ
 آپ کو اپنا کوئی مطلوب مل گیا۔ کسی کو اس کا اپنا
 مطلوب مل جائے تو دنیا میں حالی ہے۔"
 "میں وہی خود کو خوش قسمت تصور کرتا ہوں۔"
 "خدا کرے، آپ دونوں میں یہی کائنات
 رہے۔" مجھے شاید یہی ہونا چاہیے تھا۔
 "ہاں" اس کا لہجہ سرنی سا ہو گیا۔ "میں دعا
 کرتی ہوں، ایسے ہی سارا اچھا ہمارا ہے۔"

"انہوں سے دلی غمزدگی دیکھی اور انگریزی سی
 لے کے بولے۔" میرا خیال ہے، مجھے اب چن
 چاہیے، آج میں سوچ کے تباہ کر کے ایک آپ کے
 پاس بیٹھوں گا مگر کچھ پوچھنے تو ہی ہر نہیں۔"
 "تو چینیہ؟" خود ہی اور۔ "میں نے یہ ہر نکلتا
 کہا، خود میرا ہی مگر ان کی زبان میں لگ رہا تھا۔
 ان کے چلے جانے کے بعد تو مجھے اپنے ساتھ ہی
 رہنا تھا اور چاہتے کیوں میں اپنا سامنا نہیں کرنا چاہتا
 تھا۔
 "آپ تو اپنے بارے میں کچھ بتاتے نہیں۔
 میں ہی فضول گوئیوں کر رہا رہتی ہوں۔" ان کے
 دکھائی لگے میں بار بار دلی بھی شرم لگی۔
 "کیا جانا پتے ہیں آپ؟"
 "بہت سے دوائی دانا میں لکھتے ہیں۔"
 "مثلاً کیا؟"
 "کیا کہ میاں۔ اب ایک بھی آپ کی مرضی
 ہے۔ ماشاء اللہ لا حواں ہیں مگر ایک جب پیش کی،
 ایک عالم ساجو میں نے آپ کے ہرے پر غصوں
 کیا ہے۔"
 "میں میں کیا ہر سکتا ہوں اس غامی پر۔"
 "نہیں صاحب۔ ہوں نہیں، ایسے مت مان لے۔"
 یہ خطر اب نے سب تو نہیں ہوگا۔ ہونے کو کچھ
 قابض، اور اگر تدارکی کا باعث ہو تو بخدا، نکل
 نہیں۔ آپ سے میرا عشق آپ کے بارے میں
 مگر وہ اقلیت سے بندھا ہوا نہیں ہے۔"
 "یہ تو آپ کی بڑائی ہے۔"
 "بڑائی کیا۔" وہ بولے، "دوب لیا کے نہ انداز میں
 لے۔" کوئی اچھا لگ جائے، پھر اور کیا رہ جاتا
 چھا چھا لگنے نہ لگے کا سعادہ نول کا ہے، دماغ کا
 گھبرا۔ اور کچھ جاننے کا اشتیاق تو فطری ہے نہیں
 لازم نہیں، کم از کم میرے لیے۔"
 "کیا بتاؤ؟" میں نے تنگی ہوئی تدار میں
 کہا۔

کچھ نہ بتائیں۔" انہوں نے سر جھٹک کے
 کہا۔ "حالت دیکھئے۔"
 "تو کچھ اچھا نہیں ہے۔"
 "اب بھی نہیں ہوگا۔"
 "شادی کو اس میں کیسے ہیں۔"
 "نہیں، یقین ہے، برا کچھ نہیں، مختلف ضرور
 ہوگا کچھ لگ ہوگا صاحب۔" ان کے ہونٹوں پر
 مٹی خیر مسکرت ہنسنے لگی۔ "میں تو کہوں گا، میں
 سے آپ جیسا کہ جو رہیں دیکھیں اور یہ نہیں
 کہ دنیا میں دیکھی دیا کو بھی اچھا خاصہ دیکھ، بڑھا
 ورتا ہے۔ دکات میں تو آئے دس چرن کن
 وقت سائے تے رہتے ہیں۔ لیکن
 میں چپ رہا اور سوچتا رہا، انہیں کیا بتاؤں،
 کیا نہیں۔
 "یہ آپ کے سر کا مشغلہ ہے جو تو کہیں ہونا
 چاہیے۔ میری خاموشی پر انہوں نے جیسے مجھے ٹکا
 دیا۔
 "میرا غرض بھی تو یک جواز ہوتی ہے۔"
 "تو کچھ کہیں۔" انہیں صاحب نہیں۔
 "کسی کی تلاش ہے۔" میں نے سانس بھر کے
 کہا۔
 "تلاش؟" ان کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔
 "ایک صاحب کی۔" ان کا نام مولوی محمد شفیق
 ہے۔
 "مولوی محمد شفیق" انہوں نے تجسس سے
 دہرایا۔ "کس وجہ سے؟"
 "ان کے پاس ایک امانت ہے۔"
 "امانت" اردو بے پیسے کی تو نہیں ہوگی۔
 ان کے دھوکے پر مجھے حیرت ہوئی۔ میں نے
 سر ہلا کے تائید کی۔
 "کب سے وہ کھوتے ہوئے ہیں؟"
 "دس سال سے اوپر ہو گئے۔" میں نے دیکھی
 آوار میں کہا۔

”اور“ اور اس ماں سے سب اس میں
 احوال رہے ہیں
 ”میں نے کون تمہیں چار ماں سے سات
 ماں میں سے میل میں گرا رہے تھے۔ سب سے
 اس میں تاش میں کر سکتا تھا۔
 ”جیل میں“ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔
 ”کیا یہ بہت ہے؟ میں یہاں آپ؟“ اس کے جرم
 میں سات سال کا مطلب ہے کوئی بڑا جرم
 اس کی آواز پر ہوئی۔
 ”وہاں سے کل کے جرم میں۔“ میں نے سر جھکا
 دیا۔
 ”اس کا جسم بھل کھا گیا۔“ آپ مذاق کر رہے
 ہیں۔
 ”میں نے قتل کی وہ دوسرے کانٹے کے بارے
 میں مختصر نہیں بتانا شروع کیا تو اس کے چہرے کا
 رنگ بدلتا رہا۔ وہ ہلکے ہلکے رہے۔ میں نے
 انکس میں سے انتہا کیا تو انکس کی حالت میر
 ہوئی تھی۔
 ”تو تک وہ کم م مجھے دیکھ کے“ سب کا تعلق
 کیا شہر سے ہے؟“ اسوں نے مضطرب آواز میں
 پوچھا۔
 ”جس جی تھا۔ سب تو کئی شہروں سے ہے۔“ وہ گھر
 میں رہے کا موقع تو کم ہی ملتا ہے۔ سن گھومتے
 رہتے ہیں شہروں شہروں کی گلی اور سووی
 صاحب کے نام کی حد میں لگاتے پھرتے ہیں۔“
 میری آواز جیسے تھی۔
 ”اور“ وہ۔“ اسوں نے بھر پوری
 ”اور“ اور اس کا کوئی نام دوش نہیں ملتا۔“
 ”کی جگہ۔“ مر آواز جیسے میرا۔
 ”یہاں سے روم پور سے قصبے گریا سادات۔“ اس کا
 چوٹی کی ہان رانی جہاں جہاں بھی تم پہنچے اس
 جگہ سے وہ چاہتے تھے حیدر آباد میں یہ مدارہ ہوا
 کہ وہ مجھ سے ملنا ہی نہیں چاہتے۔ ملنا چاہتے تو

کے بے ٹھکانہ میں تنہا رہتا تھا۔ کئی تھ
 اپنا پنا چھوڑا ہے۔ قندیل سے نکل کر اٹھ اٹھ
 وہاں سے مجھ تک۔ وہ آسانی سے مجھ تک پہنچا کرتے
 تھے مگر وہ یہ پتہ ہی نہیں جانتے تھے وہ جگہ میں
 کہ میں نہ ادا کرتا۔ میں اب اس کے لائق نہیں
 رہا۔ اور اب وہی اس کے سب جو
 ہیں۔ بہت حال کی دن ہم اس تک پہنچا ہی جائیں
 گے۔ خود ہی تھکے۔ وہ میرا راجہ کریں گے۔
 جیسے میر میں مجھے معلوم ہوا کہ اسوں نے اس کا
 بدن کے سر جس باغیچہ دیا ہے اور اس کی تعلیم
 و تربیت میں کون سر نہیں چھوڑی ہے۔ وہ عمارت کی
 گرا رہے ہوئے تھے ظاہر ہے اتنے اچھے اچھے اسے
 اپنی چھوڑیں اپنی پتا میں رکھے کے بعد اس سے
 چھوڑی کا تصور ہی اس کے لئے حداب ہوگا۔ وہ
 اس بات سے کہہ گئے۔ اس کا ملنا اپنی بی بی۔ اس
 کی دوری نہیں ہے۔ اس کا بڑا احساس ہے۔ وہ
 تھے اور مجھے تک اس کی پاس بلی کرتے رہے۔ وہ
 اس وقت اس سے روم ہاتھ نہ دیتے تو اس کا پا
 حال ہوتا۔ وہ تو شاید وہ دورقی پھر میں گس ماں
 جاتا۔ مولوی صاحب اچھی طرح یہ بات جانتے
 ہیں۔ ان کی گرائی اور اچھا رہتی تھی۔ وہ تو میرے
 آگے سے پر رہ رہ رہی ہے۔ وہ اس میں کاش
 کے بہتے جاتے رہے ہوں گے میں اب
 تک ایک دن اسیں مجھ چاہے ایک دن
 اس کی امید نوٹ بھی سکتی ہے۔ جس دن یہ ہوا
 تھا تب ”میری آواز حق میں پھس گئی اور میں
 سے اپنا منہ پھپھایا
 ”تانا“ کامیوں۔“ اکبر حق خاں“ ان سے
 انھوں نے بے تابانہ میرے پاس آگئے اور اسوں سے
 میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھر پایا۔ میرے
 پیار سے میری جان“ آپ نو۔ آپ تو بہت ماہر
 ہو جواب میں۔ یہ کیا ہے؟ یہ نہیں میں باگی
 نہیں۔ آسوا آپ کو دیکھ نہیں دیتے۔“

مخبرکہ

تحریر حفیظ اقبال
 راوی عارف چوہدری
 قیمت فی حصہ 80 روپے
 ایک خرچ فی حصہ 23 روپے
 4 حصوں میں مکمل

ایک ہزار نو سو اسی روپے کے ساتھ اس کی روانہ ہو
 جس میں سے کئیے جرم کی دلیل میں سن کر کیا
 اصل میں سنکر لے کر 250 روپے

کتاب کی قیمت بذریعہ قلمی ڈرافٹ بھی آرڈر یا کراسڈ چیک اور سرفراہ نہیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
 فون 5802551-5895313-5802551
 kitabiat1970@yahoo.com
 رابطہ کے لئے C-63 میز III سٹیشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ کراچی 75500

ان کی تیلی والا سے میری آنکھیں اور وحلہ لائے
لگیں

انہوں نے رہ رہی میں ایک کی سو بونی کا
جس دماغ کے لیے مجھے کئی ماری۔ جانے مجھے
کہ ہو گیا تھا مجھے خود پر قادی نہیں رہا۔
پہچ نہیں، کون بات نہیں۔ "وہ میری کمر
مٹو کلتے ہوئے ہوئے۔ "دیکھا، ایک دن بہت
جہد... نشا اللہ جلد ہی آپ کی مراد برآئے گی۔
"آپ کی لگن کی ہے۔ آپ کا ایک عزم ہے تو یہ
عزم بے پناہ نہیں جائے گا۔"

"مگر یہ سب میں، جہد جگہ بار بار یہ رکاوٹیں جو
آجاتی ہیں۔ ہم کسی سے سرکاری رکنہ چاہتے مگر
اچانک دیواریں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ جیسے یہاں،
بتائے میرے لیے قصور تھا۔ کیا کیا بتاؤں آپ
کو کہیں جیسے کیسے حادثوں، ان ہونٹوں سے
دہلے پڑا ہے۔"

"کچھ نہ بتائیے ب۔ پھر بھی، کل سہی۔
بہنا مجھے اندر نہیں تھا، یہ ذکر آپ کے لیے کتنا
تکلیف دہ ہو سکتا ہے۔ یہ سارا کچھ بن کے میری
حالت اضطراری ہے۔ آپ پر کیا گزرتی رہی ہوگی۔
ب میری سمجھ میں بہت کچھ چکا ہے۔ خدا آپ کو
سکون دے۔ میرا تیس غلط نہیں تھا۔ "آپ کی
"گتھوں اور چہرے پر یہ غور خالی از عینت نہیں ہوگا۔
لیکن تھا کچھ۔ مجھے سناں و گمان میں نہ تھا۔
کاش میرے پاس کون مراد ہوتا میں کچھ کر سکتا
مگر مگر یہ ممکن ہے کہ اب میں بھی آپ
کے ساتھ چلوں جیسے بھائی صاحب آپ کے ساتھ
رہتے ہیں میں بھی جاؤں، شہر شہر، کئی کئی انہیں
لاٹش کروں گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ یک سمت
جائیں میں دوسری سمت کو میں یہ سارے کچھ
بتاؤں گا تو وہ بھی مجھے نہیں روکیں گی بلکہ حوصلہ
افزائی کریں گی۔"

میں بھری ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھتا رہا۔

ایک نے آکے بتایا کہ ایک راج چکا ہے اس کا
اشہ و واضح تھا اسٹری جس سے وہی گزری، منجی
اور اسٹری کی لہجہ میں بولے۔ "مجھے اب چنا
چاہیے۔ جاؤں کوئی تو نہیں چاہتا۔ دیکھا کہ نہ آیا
تھا، نہ آئے گا بہر کے آتا تو بات دوسری ہوں۔
خاصی رات ہوئی سے کل صبح جلد ہی آج آؤں گا
صبح تک کھلتے سے بھی کوئی نہ کوئی آجائے گا۔ برائی
صاحب بھی، اللہ کا شکر ہے، ٹھیک ہو رہے ہیں۔
اب تشویش کی کوئی بات نہیں۔ کل آپ کو باج
فراغت ہو جائے گی، پھر نہیں گے اور سہیں
گے۔ میں اچھا منتظر مٹی ہوں۔ دیکھیے کیا جھوٹا
جاسکتا ہے۔ ان کے ساتھ میں بھی کھڑا ہو گیا۔ وہ
مجھے سکون کی تلقین کر رہے تھے۔ بس خود اس پر ہتھوں
سہا رہی تھا۔ حرکات و سکنات میں بڑی بے ڈاری
تھی۔ وہ صبح کر رہے تھے سین صدر دروازے۔ ہم
مجھے اس کے ساتھ جانا چاہیے تھا۔ راستے میں اس کی
دس جوتی کے لیے میں نے کہا۔ "آپ یہاں،
مگر دوپٹے کے مائل کے بارے میں شکوک کر رہے
تھے۔ اس وقت میں کہتے کہتے رہ گیا، پتھر دلوں کے
پچے کی، آپ بھی صلیب اور بچے فیض آباد
آئیں۔ وہاں ہاری حویلی میں شاید وہ ہوگ ل
جائیں جن کی آپ کو تلاش ہے۔ وہاں آپ کا دل
سرور لگے گا۔"

میری کوشش کامیاب ہوئی، انہوں نے جو شیے
انداز میں ہائی بھری۔
میں نے کہا "وہاں ایک گھر ہے، بہت سے
گھروں سے الگ یوں سمجھتے کہ خود بخود آیا کچھ
س گویا ہو گیا ہے۔ وہاں ایک زمین ہے میں بچہ
رہتا ہوں کہ پھولوں کے خمیر سے اس کا نام بتا ہے
اور کس کس میں اس کی شہد پایا ہوا ہے۔ اور وہاں
ایک دریں ہی نہیں، چھوٹا بھائی جس کی سیر بھی
ہے، خاتم ہیں اور میراں ہے۔ دونوں بہت اچھا
گاہ ہیں اور سلی ہے، رہ رہا ہے، اور فرور اس

یا نہیں ہیں۔ سب کی اپنی ایک داستان ہے۔
"کیا آپ آپ سے "آخری نام" وہ چلتے
چلتے رک گئے
مجھے یاد آیا، فرور اس اور یا نہیں کے باپ بنے
ہی سے آس سول گئے تھے اور دس وندر نہیں ہی
سے وابستہ تھے۔ "شاید آپ جانتے ہوں۔ وہ پہلے
اسی شہر میں رہتی تھیں۔ ان کے باپ یہاں پر و فیض
تھے۔"

"ہاں ہاں یہاں۔ آپ بھال الدی ہی سہی کی
بہنوں کی بات تو نہیں کر رہے۔ اس کے والد ایک
جید عالم تھے، فارسی اور شرعی علوم کے ماہر۔ اس
کے گھر تو ہمارا خوب آتا جاتا تھا۔ اس کی دو بیاری،
بہت پیاری بچیوں سے اپنی بچیوں کا بڑا سلاط
تھا مگر وہ آپ کے ہاں، فیض آباد میں "وہ جزیر
ہوئے گئے۔"

"ہم نہیں آس سول سے فیض آباد لے آئے
ہیں، بہت لمبا تھا۔ ہے۔ آپ کو ادھر ہو رہی ہے، کل
گاہوں گا۔"

"پر و فیض صاحب کا تو آسن سول میں انتقال
ہو گیا تھا۔ ان کے دوست سید محمود علی انہیں آسن
سول لے گئے تھے۔ انہوں میں گہری دوستی تھی میں
بھی ایک دو روز کے لیے سید صاحب کے مہمان
خانے میں مہمان رہا ہوں، کیا مہمان خانہ ہے۔
بہت متواضع آدمی ہیں وہ بڑے مرنے والے صریح۔"

"اسی نے اپنے دوست فرور اس اور یا نہیں
کے باپ کو ختم کروایا تھا۔ اس کے بعد اس نے اس کی
ہاں خاتم فرور اس سے شادی کر لی اور اسے بھی ختم
کر دیا۔"

وہ اچھل سے گئے اور ان کی "واد میں تندی
آگ۔ "کیا کہہ رہے ہیں آپ" مجھے پوری بات
بتائیے۔
"کل صبح، آپ کو بہت دیر ہو گئی ہے۔"
"مجھے اب جیڑ نہیں آئے گی میں۔"

کچھ بتائے بغیر چارہ نہیں تھا میں نے توں کی
وحدہ دور کس کے لیے حویلی کا ذکر چھیڑا تھا۔ کیا
معلوم تھا کہ وہ فرور اس اور یا نہیں سے واقف ہوں
گے۔ میں نے سرسری طور پر آسن سول میں پیش
آنے والا احوال بتا کے انہیں مطمئن کر کے کی
کوشش کی۔ اس شخص سے وہ اور ہے نہیں
ہو گئے۔ میں نے کہا۔ "ب کوئی بات نہیں جو ہونا
تھا، ہو چکا ہے۔ پہلے فرور اس اور یا نہیں کو سید محمود
علی کے چنگل، اس کے رنداں سے نکال ضروری
تھا۔ اس لیے اسے کچھ مہلت مل گئی۔ اس کا حساب
باقی ہے اور ہمیں دوبارہ جانا ہے۔ پر و فیض کے
اجاڑوں کا حساب دینا ہے کہ وہ فرور اس اور یا نہیں کا
حق ہے۔ عدالتی کارروائی کی ضرورت پڑی تو
فرور اس، یا نہیں اور سید باپ کے علاوہ کچھ اور
شہادتیں حاصل کرنا ہیں۔ سید محمود علی کو اس کے
اب ہم تک نہیں پہنچا تو فرور اس اور یا نہیں سے تا
انصاف ہوگی۔ اب وہ ہماری دے رہی ہیں۔"

دیکھئے، سنئے، بولے اور سوچنے کی ایک
استطاعت ہوتی ہے۔ "وہ اتنی حیرتیں ہی
برداشت کر سکتا ہے جتنی سب کی سالی ہے۔ فرور اس
اور یا نہیں کا واقعہ منتشر تھا۔ کبھی خاب شدہ کس
کشت سے دوچار نظر آتے تھے۔ اب انہیں سول
کرے کا بھی پتا نہیں تھا۔ انہیں کچھ پریقین تھا کہ
میں ان سے کچھ مدد نہیں کہوں گا۔ مجھ پر س کا یہ
یقین ان کے لیے مزید رنج اور صطرب کا باعث
ہو چاہیے تھا۔ کس جھوٹ و مہابت کا شہد ہو تو
آدمی اتنا حیران و پریشان نہیں ہوتا۔

میری گزارش پر کہ ہم دوبارہ بھی ملیں گے اور
کل صبح ہی، انہوں نے صدر دروازے کا رخ کیا
ور پھر کچھ نہیں کہا۔ سب خاموشی کا ظلم اور شور
میری آنکھیں اچھڑ رہی اور میرے کان سن رہے
تھے۔

صدر دروازے کے اندر دروازے کے پتھوں

نچ وادی پوش رہا۔ سوئے تھے پر ہنٹ دنگ رہا تھا دور سے اس سے ہماری آنکھیں کس میں۔ سنت پتا تھا کھڑا ہوا۔ ہیڈوٹ کے انداز میں سلام کیا اور دروازہ کھول دیا۔ دروازے کے باہر پولیس کا سپرو تھا۔ بائیں طرف پتھروں پر چار دیواری سے کمر لگائے دنگ تھے۔ دنگ سے چلتے ہوئے چند ہی بھی مستعد ہو گئے۔ ہر طرف ہلکا عام تھا۔ ارد گرد کی حالتیں بھی جیسے سو رہی ہوں، کچھ فاصلے پر دو تانگے موجود تھے۔ ایک کو میں نے آدھی تو دوسری بھی پھر رہی ہوگی۔ اس پاس چھپنے کی کھوت سے مجھے گھبراہٹ ہوئی۔ درمیان میں نے اکبر علی خاں سے کہا کہ میں بھی ان کے ساتھ چلتا ہوں۔ انہیں گھر پہنچا کے اس تانگے میں واپس آ جاؤں گا۔ انہوں نے نگار کر دیا۔ "اڈا سے پوئے۔" یہ میرا شہر ہے یہاں۔" مجھ سے گلے ل کے تانگے میں پہنچا پتہ تھے کہ رک گئے اور پھر دھتھ تم کر گئے ایک قدم دور بے گئے اور سر کوئی میں کیسے لگے۔ ایک ہات کئی بھی آپ سے اس یوں ہی۔" کچھ تک گلے سے تو کوں "اسی جائے گا کیا یہ ممکن ہے کہ آپ میدا کے لہکانے پر جانے کا خیال ہی چھوڑ دیں۔ میری درخواست ہے۔"

"مگر میرا تو اس کے پاس ہے۔ اسے واپس لینا ہے۔ یہ ڈاک کی روپت ہے وہ لوگ کیا سمجھیں گے۔" میری ڈر بیٹھ گئی۔

"کوئی اور صورت نکال دیجیے۔ مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔ سوچ دیجیے۔"

"لیکن آپ کو میری ناکامی کا اندیشہ تو نہیں ہے شک یہ بھی ہو سکتا ہے لیکن جانتا تو ہے جانتا تو ہے۔" درمیان کچھ ٹپک ہوگا۔ آپ اطمینان رکھیں۔"

"ہوئے تو نظر ثانی کیجیے، میری التجا ہے۔"

"آپ کسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"لٹیک ہے۔" کچھ بات ہوگی۔ کسی دوسری

صورت پر غور کریں گے۔ انہوں نے میرے کان کھینچے اور تانگے میں بیٹھ گئے۔ سنانے میں تانگے کی آواز دیر تک کوئی نہ رہی۔ جب تک تانگہ نظر ان سے اٹھ نہ ہو گیا، میں وہیں کھڑا رہا۔

ایک جاگ رہی تھی اور میرا انتظار کر رہی تھی۔ کمرے میں میرے داخل ہوتے ہی ناراض ہو گئی۔ "اب تم بھی کچھ دیر آرام کرو، میں دیکھ رہی ہوں تم اپنے آپ سے بہت زیادتی کر رہے ہو۔ نو جوانی کو اتنا ریر بار نہیں کرتے میرے پیارے بچے۔"

میرے پر بیٹھ کے میں نے جی پھیلا دیے اور میرا جسم بکھر گیا۔ ایسی بھی میرے پاس بیٹھتی اور اس سے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سر میں در دو تانگے "اس کی آواز سے شفقت چٹک رہی تھی۔"

"نہیں، اس کچھ تحقیق کی جوری ہے۔" میں نے کہا۔

"دوڑو ہوگی؟ گوشت پوست ہی کے سے ہو۔ تم پیسے نہیں آرام کرو گے۔ میں نہیں جیہ کی کوئی بات کرتی ہوں، انہیں ایک گہری جینڈ ضرورت ہے۔"

جبری آرام، آرام تو نہیں ہوا۔ "میں نے اس کے کہا۔"

جو بچے کہا نہیں ماننے، انہیں اسی طرح تباہ میں کیا جاتا ہے۔ اب سیدھی طرح اللہ کے اپنے بستر پر جاؤ۔ چھوٹو۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھے اٹھا دیا اور بستر تک لے آئی۔ میں بستر پر دراز ہوا تو اس سے میرے جی چار رہے وہ عذاب دیے اور سر جانے جینے کے میرے کپڑے پٹائی اور بال سہلا گئے۔ مجھے اسی کی یاد آئی۔ ابھی بھی بستر پر لیٹا میں صحت اور دیواری تکتا رہتا تھا۔ رات کو میری کئی آنکھیں دینگے کے امی بھی کچھ اسی طرح میرے سر جانے کے سرد ہائی اور ڈانٹ ڈپٹ کرتی رہتی تھیں۔ اسی میں مجھے مینڈا جاتی تھی۔ آج بھی جی

ہوا۔ مجھے جبری نہیں ہوئی، کب تک لگی اور کب ایسی صبر ماننے سے لگی۔

صبح ہونے میں چند گھنٹے وہ گئے تھے۔ جیہ کا در اندیشہ زندگی میں کیوں شمار کیا جاتا ہے۔ نیدر تو خف موت ہے۔ صبح کمرے میں وارڈ ہوائے کی کٹ پٹ سے میری آنکھ کھلی۔ منہ ہاتھ دھو کے میں باہر آیا تو امی نے ناشتہ تیار رکھا تھا۔ آٹھ بج رہے تھے۔ ابھی تک جامو، جھرو اور دراز میں سے کوئی نہیں آتا تھا۔ شاید انہیں وقت پر تیار نہیں مل سکا ہو۔ ہر حال میں غسل کی حالت پتہ اور بہتر نظر آ رہی تھی۔ میری آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں اور اس کے ہونٹوں میں جھنجھٹ ہوئی۔ میں نے داست اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر رائے کو آنا ہی تھا۔ میں نے غسل کو تانا چاہا تھا کہ گلے تاروے دہانے وہاں سے کوئی آئے والا ہی ہوگا لیکن اس کے دماغ پر زور پڑنے کے خیال سے میں رک گیا۔

ڈاکٹر رائے ٹھیک دس بجے آیا۔ اس کے ساتھ دو جوان ڈاکٹر بھی تھے۔ جاے کیوں اس نے کچھ دم کے لیے مجھے کمرے سے باہر چلے جاے کی ہدایت کی۔ کسی ایک سوال کا کل نہیں تھا، میں خاموشی سے باہر آ گیا اور میرے نکلے کے بعد امی نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

میں راہ داری کے ساتھ مجھے ہنرہ رار پر آ کے بیٹھ گیا۔ اکبر علی خاں کی وقت بھی آ سکتے تھے۔ رات انہوں نے کہا تھا کہ ساتھ ہی ناشتہ کریں گے۔ ڈاکٹر رائے کو کمرے میں صبر سے چند دھنٹ ہوئے ہوں گے۔ آواز داری کے کونے پر اکبر علی خاں کا ملازم لڑکا کھڑا آیا۔ اس کے ہاتھ خالی تھے اور وہ خاصہ خواص نظر آ رہا تھا۔ میرا ہاتھ ٹکا اور میں فوراً کرسی سے اٹھ گیا۔ لڑکا کمرے میں داخل ہوا چاہتا تھا کہ دروازہ بند دیکھ کے منتشر ہوا۔ میں نے اسے آواز دیکھ کر وہ بھاگا بھاگا میرے پاس آیا اور اس نے فونی

پھونی آواز میں بتایا۔ "بڑے صاحب کا خون ہو گیا۔" یہ کہتے ہی وہ روئے اور ہلکے لگا۔

مجھے سے ہوش و حواس پر ہنٹ ہوا، لیکن لڑکے نے دہلی کہا تھا جو میں سے سنا تھا اور وہ وہی لڑکا تھا جو اکبر علی خاں کے ساتھ آتا رہا تھا۔

"بڑے صاحب کا خون ہو گیا صاحب!" وہ جگ رہا تھا۔ درمیری لڑکوں سے پٹ کے اس نے دوا بلا شروع کر دیا تھا۔

"کیا کیا؟" میں نے پھنی ہوئی آواز میں کہا: "کیا کیا؟" یہ کہہ رہے ہو؟ کون بڑے صاحب؟"

اس سے پیسے کے میں اسے ٹھوکر مار کے خود سے دور کرنا۔ اپنے پیروں سے ٹھا کے اسے ملنے لپے مارا، اس نے ہڈی ادا رہیں بتایا کہ صبح لڑکے وقت مسجد جاے کے سے لوگ باہر نکلے انہوں سے مسجد اور کبر علی خاں کے گھر کے نزدیک دھینگے کی ہڈ میں ن کی لاش دیکھی، خون میں ست پٹ لڑکے کی، ہاں کڑھلی اور وہ میرے قدموں پر سر پھینکے لگا۔

وہ جانے گیا کہتا رہا، میں گنگ کھڑا اسے دیکھ گیا۔

"آپ چلو صاحب بھی بہتیم صاحب کی حالت بہت خراب ہے۔" اس نے ٹھکھٹ کر کہا۔

میں اس سے کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ میری رنگوں میں خوب جم گیا تھا۔ درمیانوں پر اندھیرا چھانے لگا تھا۔

کسی سے رس کی کمرے کے دروازے سے مجھے پکارا ہوئی دیر لگی اور میرے پاس کے ٹھک لگی۔ اس کی آمد پر لڑکے سے میری ٹانگیں چھوڑ دیں اور مجھ سے دور ہو گیا۔ اس کی چٹکیاں بدھی ہوئی تھیں۔

"کیا۔" کیا بات ہے؟" امی نے جڑ کے پوچھا

میں اسے کیا بتانا۔ میری خاموشی پر وہ لڑکے کا

کندھا جھوڑنے لگی۔ ”کیا ہے؟ کیا بات ہے؟ تم رونا کیوں ہے؟“

”اے سے پہلے بزن طرف دیکھ رہا سکتی آواز میں ایسی کی ساحت کو آزمائش سے دوچار کیا۔“

”کھا کا بولتا ہے؟“ بی سراسیمہ سے بول۔ ”ایسا کیسے؟ نہیں نہیں۔“ لڑکا سر جھکائے راتا رہا ایسی نے مجھے لہو کا دیا اور تھک جاتی میری جانب دیکھ کے کسی کی نکلیں نکلیں نکلیں۔ وہ ایک جہاں دید و محورت تھی۔ عمر سید کی سے برداشت شرط ہے۔ اس سے لڑکے کی کمر چمکی، اس کے سر پر تھو پھر اور آدھی گریزی، ”وہی ہندوستانی میں سلی دل سے دینے لگی۔ اس نے لڑکے کو گھر واپس جانے کی ہدایت کی۔ لڑکے سے مجھ سے کچھ پوچھنا چاہا۔“

”تم بھی ابیر سے جاؤ۔“ ایک سے صغیر نثار میں کہا، ”چاؤ بھی۔“ لڑکا کچھ دیر شاہ میرے کچھ کہنے کے انتظار میں کھڑا رہا۔ میرا لڑکی کام نہیں کر رہا تھا۔ میں اس کے ساتھ چل پڑ کر ایسی نے میرا ہاتھ جکڑ کے مجھے روک لیا اور لڑکے کو چمکے جانے کا اشارہ کیا۔

”بہنے کو سنبھالو۔“ تھو اس کی آواز کھری ہوئی تھی۔ ”یہ کیسے ہو گیا، ابھی رات کو تو وہ نہیں نہیں۔“ دوسرے چمکے لگی۔ ”ایسا کیسے؟“ میں پھر کی آنکھوں سے سے دیکھتا رہ گیا۔

مجھے نہیں چھوڑ کے وہ میرا بھاگتی ہوئی کمرے کی طرف گئی۔ کمرے میں داخل ہوتے جاتے اس نے کئی بار مجھے مڑ کے دیکھا۔ مجھ سے اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوا چار ہاتھ میں نے وہیں ”اداری کے چوڑے پر بیٹھنا چاہا لیکن دوسرے سے دو تین ڈاکٹروں کے ساتھ ڈاکٹر رائے کمرے کے دروازے پر مودار ہوا اور میری جانب نہیں آیا۔“ ”کیا کہتی ہے یہ ایسی؟“ اس سے وحشت آمیز لہجے میں کہا اور ایک سانس میں چائے کیا کچھ کہنا اور پوچھنا رہا۔

میں نے کچھ سنا، کچھ نہیں اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ ”جہیں کیسے معلوم ہوا؟“ اس نے چھینکی اور میں پوچھا۔

ایسی بھی کمرے سے آگئی تھی۔ سکی ڈل اداری پر ڈاکٹر رائے نے پھر مجھ سے ”وہاں رہا نہیں کیا۔ ایسی ہی اس سے کچھ کھس پھس کرنی رہی۔ کچھ لمحوں تک ڈاکٹر خاموش رہا پھر میرا رو تھام کے مجھے کمرے میں لے جانا چاہتا تھا کہ لوٹ پڑا اس سے ہاتھ اٹھ کے ”اپنے سامنے ڈاکٹروں کو آگے چمے جانے کی تاکید کی اور تھوڑے لمحوں سے اداری میں چلا ہوا کچھ دیر بعد ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ ایک مختصر اور صاف ستھرا کمرہ تھا۔ وہاں موجود کرسی اور ڈاکٹر کھڑے ہو گئے۔ ڈاکٹر رائے کے چور سے اس کی اس کا عندیہ سمجھنا اور بہت بچاے ہوئے باہر نکل گئے۔ میرے اطراف رہی ہوئی کرسیوں میں سے ایک پر مجھے بندھ کے ڈاکٹر رائے میرے برابر کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ”مجھے معلوم ہے، یہ کن کے قہر پر کیا تڑ رہی ہوگی؟“ ”اصطلاحی لہجے میں بولا۔ ”لیکن یہ ایسا واقعہ نہیں جو تم اس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو۔ مجھے بتاؤ یہ سب کیوں اور کیسے ہوا؟“

”کیا بتاؤں ڈاکٹر صاحب؟“ میں نے ٹوٹی پھوٹی آواز میں کہا۔ ”مجھے کچھ نہیں معلوم۔“

”مجھ سے ذرا جوش میں آ کے بات کرو۔“ ڈاکٹر رائے کا لہجہ ترش ہو گیا۔ ”رات کو کتنے بیچے تک وکیل صاحب تمہارے ساتھ تھے؟“

”وہ ایک بجے کے بعد یہاں سے اٹھے تھے۔“ ”ایک بجے کے بعد؟“ وہ جڑ بڑو کے بولا۔

”کس ایسی؟ آگے میں نو کا تھا کہ ایک بج چکا ہے۔ وہ فوراً اٹھ گئے، لیکن اس کے بعد بھی وہ کوئی نہیں چھینکے مٹ بعد اسپتال سے رخصت ہوئے تھے۔ اس دوران صدر دروازے کے راستے میں وہ رک رک کر ہاتھیں کرتے رہے۔ یہاں سے جاے کو ان کا ہائی ٹیکس چاہتا تھا۔ مگر کھڑک کے نہیں آئے تھے وہ۔ صدر دروازے پر میں نے ان سے کہا بھی میں ساتھ چلا ہوں، اسی ناگے سے واپس آ جاؤں گا۔ اسوں نے انکار کر دیا۔ کہنے لگے، یہ میرا شہر ہے سارا، بہت اہم واقعہ، انہیں اپنے میری آواز سن سکے گی۔“

”پھر تم اپنے کمرے میں واپس آ گئے؟“ ”جی ہاں، رات بہت ہو گئی تھی۔ کچھ دیر میں ہاتھ رہا، پھر بیٹھا آگئی۔“

ڈاکٹر چند لمحوں سے چپ رہا، پھر بولا، ”اسوں سے کئی کا کیا بنا ڈاکٹر؟“ وہ اس شہر کے مشہور وکیل تھے، جس کے رہنے والے، بہت خاندانی آدمی۔ کون ان کا دشمن ہو سکتا ہے؟“

میرے سے میں ابھی کسی چیز کی میں نے کچھ کہا تھا اور مشکل سے اپنی زبان بند کر لی۔

”تمہاری ان سے اس شہر میں آئے کے بعد کیا بات ہوئی تھی؟ ڈاکٹر کے تھوڑے تھوڑے لہجے سے مجھے اور کئی ہونے لگی۔ ”اس سے پہلے تم انہیں نہیں جانتے تھے؟“

”دونوں ہی۔“ میں نے مختصر کہا ”میں دونوں صاحب“ ”پہلے بھی کسی ایسا ہو چکا ہے۔ یہاں بھی

رات دہم سے کیا باتیں کرتے رہے؟“ ”میں نے گھر بیوی بچوں کی۔“ ”اور تم کیسے ہو، تمہاری جان پہچان کو دوسری

”میں نے گھر بیوی بچوں کی۔“ ”ڈاکٹر کی آواز میں کئی مہیاں تھیں۔“ ”لیکن اس مختصر مدت میں وہ مجھے بہت قریب مجھے لگے تھے۔ وہ بہت اچھے، بڑے صاف دل والے تھے میں سے سے کب بہت کم دیکھے ہیں۔ لگتا تھا، جیسے ہم برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔“ ”میرا جی اٹھنے لگا اور آنکھوں سے آنسو پھوٹ پڑے۔“

”نا، نا اس طرح نہیں۔“ وہ تنہی آواز میں بولا۔ ”تمہیں نہ رہے، پولیس کسی بھی وقت یہاں آ کے تم سے گفتگو کرے گی۔ ممکن ہے، راستے میں ہو۔ ہر ہو گا کہ اس کے“ ”نے سے پہلے مجھے صاف صاف بتاؤ۔ مجھے شبہ ہے تم نے مجھ سے کچھ چھپایا ہے۔“ ”اب بھی کچھ کر رہے ہو۔ اصل بات سے واقف ہو کے شاید میں تمہارے کسی کام“ ”سکوں۔“

میں سر جھکائے بیٹھا ”آپ کو کون چنارہا۔“ ”تمہارا کسی پر شبہ ہو تو بتاؤ۔ تم سے رات اسوں نے کئی باتیں کیں۔ کئی کی طرف انہوں نے کوئی اشارہ کیا، کوئی ایسی بات؟“ ”ڈاکٹر کی پیشانی پر ٹھنکیں پھیل گئیں۔“

میں سے کیا بتانا، کیا نہیں۔ خاموشی کا ب کوئی ٹھل بھی نہیں تھا۔ جلد ہی میرے سب کچھ میں ہو چکا تھا۔ میں نے کئی ہوئی آواز میں کہا۔ ”سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے۔“

”کیا؟“ ڈاکٹر رتے جھل پڑ۔ ”کیا کہتے ہو تمہاری وجہ سے؟“

”میرا کچھ سہارا پر پڑ گیا تھا۔“ ”کیا معلوم ہاتھ کر رہے ہو۔“

ایک حذر و نگاہ آدمی کی بات میں ڈاکٹر صاحب ”پہلے بھی کسی ایسا ہو چکا ہے۔ یہاں بھی

”میں نے گھر بیوی بچوں کی۔“ ”ڈاکٹر کی آواز میں کئی مہیاں تھیں۔“ ”لیکن اس مختصر مدت میں وہ مجھے بہت قریب

مجھے لگے تھے۔ وہ بہت اچھے، بڑے صاف دل والے تھے میں سے سے کب بہت کم دیکھے ہیں۔ لگتا تھا، جیسے ہم برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔“ ”میرا جی اٹھنے لگا اور آنکھوں سے آنسو پھوٹ پڑے۔“

”نا، نا اس طرح نہیں۔“ وہ تنہی آواز میں بولا۔ ”تمہیں نہ رہے، پولیس کسی بھی وقت یہاں آ کے تم سے گفتگو کرے گی۔ ممکن ہے، راستے میں ہو۔ ہر ہو گا کہ اس کے“ ”نے سے پہلے مجھے صاف صاف بتاؤ۔ مجھے شبہ ہے تم نے مجھ سے کچھ چھپایا ہے۔“

”اب بھی کچھ کر رہے ہو۔ اصل بات سے واقف ہو کے شاید میں تمہارے کسی کام“ ”سکوں۔“

میں سر جھکائے بیٹھا ”آپ کو کون چنارہا۔“ ”تمہارا کسی پر شبہ ہو تو بتاؤ۔ تم سے رات اسوں نے کئی باتیں کیں۔ کئی کی طرف انہوں نے کوئی اشارہ کیا، کوئی ایسی بات؟“ ”ڈاکٹر کی پیشانی پر ٹھنکیں پھیل گئیں۔“

میں سے کیا بتانا، کیا نہیں۔ خاموشی کا ب کوئی ٹھل بھی نہیں تھا۔ جلد ہی میرے سب کچھ میں ہو چکا تھا۔ میں نے کئی ہوئی آواز میں کہا۔ ”سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے۔“

ہنسی ہوا۔

”تم اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہو شاید۔“
ڈاکٹر دائے کا چہرہ گڑبڑ گیا۔

”نہی کچھ ہے ڈاکٹر صاحب۔“ ام یہاں
آتے۔۔۔ انقولی اپنی جان سے جانتا۔۔۔ اکبر علی خاں
ورنہ کوئی اور۔

”انقولی انقولی کا اس سے کیا تعلق ہے۔“
ڈاکٹر نے پھر کے پور۔

”پ نہیں سمجھیں گے۔“ میں نے ڈوقی آواز
میں کہا۔ ”میں آپ کو کیا بتاؤں، ام بہت برے لوگ
ہیں ڈاکٹر صاحب۔“

ڈاکٹر نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور
جبری سہیلہ کرتے ہوئے بولا۔ ”مجھے کل کے بتاؤ
دوست! میں واقعی کچھ سمجھتا چلتا ہوں۔ میں نہیں
سمجھتا تم کوئی برے آدمی ہو تم بہار بھائی۔۔۔

”آپ ایک دوسرے، ایک مثبت آدمی ہیں،
بہتر ہوگا، آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ آپ
بہت بڑھ چائیں گے۔ یہاں بہت سے لوگوں کو آپ
کی ضرورت ہے۔ اسکی، تم ہمارے لیے ہی ہیں
ہیں۔ ہم سمجھتے رہتے ہیں، لیکن آپ۔۔۔

ڈاکٹر جھپٹتی لگا ہوں سے تادیر مجھے دیکھا
۲۔ ”تم کون ہو؟“

درستی کے باوجود اس کے لہجے سے ہیبت جیاں
تھیں۔ کچھ وقف کے بعد وہ بے احتیائی سے
بولا۔ ”ٹھیک ہے۔ مجھے کچھ بتانا چاہتے ہو تو کہو۔
ورنہ مجھے اور بہت سے کام ہیں۔ میرا کوئی زبان
نہیں کہ میں تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دوں۔ تم
یہاں اس اسپتال میں ہو اور کسی طور اس انسوی
ناک و حقے کا تعلق اسپتال سے بھی کل آتا ہے اور
اسپتال کا بنایا ایک نام اور اپنی ایک عزت ہے مجھے
تم پہلی نظر میں بہت سے جوانوں سے ایک غلط
نوجوان نظر آئے تھے، اس لیے ”وہ کہتے کہتے
رک گیا اور پھلو بد لئے گا۔“

”اسکی نام۔۔۔ مجھے ڈاکٹر صاحب“ میں نے
عاجزی سے کہا۔ ”آپ سے مجھ ایک حصی کو بہت
عزیر رکھتا ہے، اچھا سلوک کیا ہے مجھ سے لیکن
میری بد قسمتی ہے، عزت مجھے رک نہیں آتی۔ میں
آپ کو بتاتا ہوں۔ کچھ بھی غلط نہیں تھا۔ بہت سیدھی
کی بات ہے۔ اپنے بھائی کے علاج کے لیے مجھے
یہاں آنا پڑا تھا۔ بھائی کی کیا حالت تھی اور آپ کیا
ہے، یہ آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ ام تو نہیں
اور چارے تھے کس یہاں آ کے مجھ سے ایک
چھوٹی سی مطلق ہوئی۔ مطلق کس بھی یا نہیں۔ مجھے کچھ
ادارہ نہیں تھا کہ ایک درسیات، اتنی دور تک
چلتی ہے، پھر ایک کے بعد اس ہونی مانگہاں سے
واسطہ بنانا ہے گا۔ میں آپ کو کیا کیا دوسرے حد تک
بتاؤ کہ پرسوں آدھی رات کے بعد آئے وہ
لوگ کسی اور کی نہیں، میری جستجو میں آئے
تھے۔ سر اسکی نے احتیاط کی، جانے کہا سوچ کے
اس نے منع کر دیا کہ میں کمرے میں موجود نہیں
ہوں۔ انہیں حجت کرنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ دھر
سے اسپتال کے محلے نے شور مچا دیا۔ ان کے نقاب
سے وہ دروازے پر کھڑے تھے اور بھاگ کھڑے
ہوئے۔ مگر صدر دروازے پر انقولی ن کے ٹوٹے
آگیا اور اپنی جان دے بیٹھا۔ وہ لوگ تو مجھے ختم
کرنے آئے تھے۔

میں کل صبح بھی آپ کو اصل بات بتا سکتا تھا کہ
انقولی کیوں مارا گیا۔ وہ غریب تو ایک طرح سے
چارا بن گیا۔ اور اس نوجوان سے رشتہ چھیننے
والے ہی نہیں، اس سے پہلے، آپ کو یاد ہوگا
کمرے میں آپ کی موجودگی کے درمیان جو
پولیس اصرار آئے تھے، وہ بھی اس سسٹن کی کڑی تھے۔
پردہ پوشی نے مصلحت نہیں تھی ڈاکٹر صاحب! آپ
میرے بھائی کا علاج جس تین دنوں سے کر رہے ہیں
آپ بے میری سچ نامی جس شکل اور مار سے
برداشت کیں، میرا تو رونا دھنا آپ کا حنا

مدد سے میری جگہ تب ہوتے تو شاید کچھ کھڑے کرتے میرے اور بھائی کے بارے میں سب کے کسی باغوش گوار تاثر سے بھائی کا علاج متاثر ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تھا بھائی بیمار سے اور آپ ڈاکٹر ہیں۔ کسی درجہ سب کی توجہ بھٹک جائے۔ ان ناگفتی سے آپ کو دور رکھنے خواہ مخواہ آپ کے منتشر اور ہریشان ہو جائے کہ خیال سے میں سے رہن بند رہی۔ یہی کوئی سہارہ کچھ بتا دیا تھا۔ در بہت کچھ رک سیو۔ یہی کو بھی۔ میری تھا پردہ خاموش رہیں۔

”تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔“ ڈاکٹر نے کچھ کے یوں۔ اس کے چہرے پر وحشت چھائی تھی۔

”چائے گاہ بھی کچھ۔“ میں نے نا توانی سے کہا۔ ”مجھے آپ سے بات نہیں چھپانا۔ پردے کا اب کچھ حاصل نہیں۔“ آپ جو چاہیں، فیصلہ کریں۔ جو ہو چکا ہے، اس سے ہٹ کر یہ ہو سکتا ہے۔“

”میں، میں جانا چاہتا ہوں۔“ ڈاکٹر حتی کچھ میں یوں۔

میں نے سے نکل کو اسپتال میں داخل کرنے کے بعد دوسری صبح بس تبدیل کرنے لیے ہوئی جانے در ڈاک خانے جا کے گھر تار دینے، ہر چمن چائے پر چڑھ کر کچھ کرنے اور وہاں بیٹھ آنے سے حادثے کے متعلق بتایا۔ میں نے کہا، ”مجھے جلد راجد پستان، واپس بچھنا چاہیے تھا۔ لیکن ادھر پوسٹ سے جب خبر شروع کر دیا تھا۔ میری کون غلطی نہیں تھی، لیکن سہ سے جے کے بعد پوسٹ کے طریق کار، رکی کارروائیوں، تحقیقی مرحلے سے گزرے میں وقت لگ سکتا تھا۔ شہر میں میرا کوئی شٹا نہیں تھا ایک جھوم تانگے کے چھپے تھا، پوسٹ سے علاوہ نام ہوگ بھی۔ ایک جگہ سڑک کے سوا ہر ٹانگا جھوم سے دھس دھا تھا کہ تانگے سے کود کے میں قریب کی یک کلی میں داخل ہو گیا۔ راستے

مصور نہیں تھے، گلیوں گلیوں بھٹکارا، پھر ایک تھہ ہجوم کا سورن کے اور کوئی چارہ نہ دیکھ کے میں سے ایک مکان کے دروازے پر دستک دی۔ جواب میں آہے والے شخص کو اپنی مشکل بتاے اور کچھ دیر کے لیے باہر کی بھیک مانگے کا نتیجہ نہ دیکھنے کی توقع نہیں تھی۔ اپنی معنیوں اور صراحتوں کے لیے وقت بالکل نہیں تھا۔ کئی کا کوئی راہ گیر مجھے ایک مکان کے دروازے پر کھڑا، مکان کے کین سے جھپٹ کرتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ پولیس والوں کو تانگے والے نے یقیناً بتا دیا ہوگا کہ میں کس جگہ، کس طرف کی گلیوں میں گم ہوا ہوں گا جوں کا رنگ اس طرف ہو گیا تھا۔

دستک کے جواب میں دروازے پر مسودہ ہونے والے شخص کو مجھے چاقو کی رو پر لین پڑا۔ اسے وہ میں دھکیلتے ہوئے میں سے دروازے کی کھڑکی لگا دی۔ وہ صاحب اکبر علی خاں تھے۔

”اکبر علی خاں! اوکھ صاحب؟“ ڈاکٹر اسے حیرتی سے بولا۔

”وہ بیوی بچوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ سبھی کا جوش ہوتا تھا، وہ ہوا۔ کیوں کی بود باش طوراً طور اور اپنے لیے اس گھر کی صورت حال سے مطمئن ہو کے میں سے اس طرح اس کے گھر میں ٹھننے پر معذرت چاہی۔ اپنی تہ کا مقصد بتایا اور کچھ دیر پیسے ڈاک خانے والی میں پیش آئے والا واقعہ بتایا۔ میں نے گھر کی کسی چیز کو ہاتھ لگا تھا، نہ کسی کو رک چھوئی تھی۔ پناہ کے سوا میرا کوئی اور مطالبہ بھی نہیں تھا۔ وکیل صاحب نے میری روداد توجہ سے کی۔ وہ دنیا دہے ہوئے ایک بچے اور کھرے دی تھے۔ انہیں مجھے پریشانی نہیں۔ میں نے بھی پھر اس پر اعتماد کر کے چاقو جیب میں رکھ لیا اور بیوی بچوں کو بھٹک سے گھر کے اندر جانے کی اجازت دے دی۔“

”تم جاکر بول رہے ہو؟“

”میرے پاس بھی کچھ ہے کہنے کے لیے۔“ میں نے تشیدہ لہجے میں کہا۔

”تم ہمیشہ چاقو پاس رکھتے ہو؟“

”جی، سے گھر چھکا ہے پراکتا کی۔“

”مگر کیوں؟ کس لیے؟“

”میں ایسے واقعات سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔

ڈاکٹر کی پھیلی ہتھکڑیوں پر سرگرم ہو گئیں۔

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔“ وہ میری سانس بھر کے بولا۔ ”تو تم نے اکبر علی خاں صاحب کو قاتل کر لیا۔“

میں نے اسے بتایا، یہ اتفاق تھا، یہ یوں کہیے، میری خوش قسمتی تھی کہ میں سے اکبر علی خاں جیسے صاحب ال کے مکان پر دستک دی۔ انہوں نے مجھ سے ہم دردی کا اظہار کیا، مجھے اس عذاب سے صحت دلائے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں رچھڑ گرتے رہے۔ ڈاک خانے کی کل میں جس آدمی کی پہلی میں ہاتھ پھوست ہو گیا تھا اور جس پر جوش آدمی نے ہاتھ لگائی اور نادانستی میں اپنے ہی ساتھی کو زخمی کر دیا تھا وہ، تیسرا بھی، جس نے میری جیب سے ہوا چاڑھا تھا، جنوں شہر کے نامی گرامی استاد میدا نے آدمی تھے۔ اس میں سے کسی ایک کی رہائی مجھے میدا استاد سے اس کی دانگی کی علم ہو چکا تھا۔

ڈاکٹر نے بولنا چاہتا تھا، لیکن خاموش رہا۔ میں نے کہا کہ ہر جگہ شہر کے دادا، یا استاد کے ڈاکے کی اہمیت چھٹی رہتی ہے۔ پولیس بھی کسی سنگین واردات میں دادا اور اس کے ساتھیوں پر ہاتھ ڈالتے ہوئے دس مرتبہ سوچتا ہے، ظاہر ہے، میدا استاد کے آدمیوں کے اشارے پر پڑے ہیں حرکت میں آئی تھی۔ میدا کا ایک ساتھی رنجی ہو گیا تھا اور کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ زندہ بھی رہے گا یہ نہیں

”تو فوراً کھلی سے چلا آیا تھا۔ اس تمام واقعے کے وہاں گئی کے کین اور راہ میرے تھے، لیکن یہ میدا استاد کے

ڈاکے کا معاملہ تھا۔ گلی کے لوگ اور وہ میرا اس کے زور و اثر سے واقف تھے۔ طاقت سب سے بڑا راج ہوتی ہے۔ ڈاکے کے ساتھیوں اور عام لوگوں کی نظر دلوں میں اپنی ساکھ پر قرار رکھنے کے لیے متاد میدا کو نور اس گرم ہو جانا چاہیے تھا۔ پچیس اور شہر میں ٹھہرے ہوئے میدا کے ساتھیوں سے اپنے آپ کو چھپاتے ہوئے اسپتال پہنچنا ممکن نہیں رہا تھا۔

اکبر علی خاں سے معاملہ دب جانے تک مجھے اپنے گھر میں رو پڑش ہوئے کا مشورہ دیا اور میرا ہی کی انتہا کر دی۔ نبیوں نے کہا کہ میری عدم موجودگی میں وہ اسپتال چا کے شخص کی خبر گیری، گھرائی کرتے رہیں گے۔ اس دوران بہتر ہوگا کہ میں تار دینے کے لیے عزیزوں اور دوستوں میں سے کسی کو یہاں بلاؤں، مگر ان کا کوئی مشورہ صاحب نہیں لگتا تھا۔ مجھے یہ تھا ڈاک خانے والی گلی میں، میں نے میدا کے بد باغ ساتھیوں سے اسپتال کا کرکٹ تھا۔ تانگے دار بھی مجھے اسپتال سے ہوئی، پھر ڈاک خانے سے گیا تھا اور وہاں میں بھی اس کا رخ پستان ہی کی طرف تھا۔ ان شو بد اور پستان سے میرے قریب اور اکبر علی خاں کی موجودگی سے وہ ساری صورت حال بھانپ سکتے اور یوں اپنے گھر میں مجھے پناہ دینے کی یا کسی اکبر علی خاں کو بڑی ہتھی پر سکتی تھی۔ نکل کو اس حالت میں تھا چھوڑ بھی نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ مرہٹوں کو پھوڑ کے تار دے کے غائب ہو جائے پر سب سے زیادہ وحشت اسی کو ہوئی، اس کے داغ میں جانے کیسے کیسے وہم نہوئے، اسپتال کے محسے میں بھی چھٹکویاں ہوئے، لیکن، ویسے بھی مجھے یوں تھا میں پستان بچنے میں کامیاب بھی ہوا ہوں تو جلد ہی بد دیہ میدا اور اس کے حاشیہ بردار سر کچھ کئے ہوئے میرے سر پر آدھکیں گے۔ میں نے اکبر علی خاں کے سارے مشورے مسترد کر دیے اور

میدار سے۔ دت جوڑنے کا زور دیا۔ کبرئی صاحب۔ مجھے بہت کھانا تھا۔ میدا جیسے خطرناک آدمی ہے۔ اور رہے کی عقلیں کی۔ لیکن پھر اور کیا صورت تھی۔ میرے اردے میں کون بلک نہ دیکھ کہ نہیں۔ خود بھی میرے ساتھ جیسے کی جرأت ہے۔ میں انہیں اس معاملے سے الگ ہی رکھنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں مے اور ہم وہاں میدا کے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔

میدار کے ٹھکانے پر؟ ڈاکٹر رائے اچھل پڑا۔ یہ جاننے ہوئے کہ میدا کون آدمی ہے۔ پھر میں کیا کرتا۔ یہی ایک آخری راستہ رہا تھا۔ میں خود اس کے پاس پہنچ جاؤں اور اسے بتا دوں گا کہ میں نے اس کا کوئی آدمی نہیں کیا ہے۔ میں ایسے وقت جب میری بھائی زندگی کے لیے ہمدردی کر رہی ہے، کس طرح کسی عداوت کا خطرہ مول لے سکتا تھا۔ میرا خیال تھا وہ اڈے کے طور پر بیوقوف نہیں کھر ہے جیسا کہ اڈوں کی چوکی پر بیٹھنے والے ہیں تو دادا، ستاد لوگ ہوتے ہیں تو وہ میری دست سے گا۔ میں میں اس سے کہوں گا کہ گئی کے لوگوں سے تصدیق کیے بغیر سے کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ میرا بڑا چچن گیا تھا۔ چوروں کا تعاقب کر کے اور سے زہر کر کے میں نے بڑا حاصل کر لیا۔ کیا ملد کیا تھا۔ پھر اس کے دو ساتھی اپنے چور ساتھی کا جام دیکھنے کے باوجود ریڈن پر کیوں اتر گئے۔ انہیں چاہنا چاہیے تھا کہ کوئی آدمی، چور کو قابو کر سکتا ہے تو ان کے لیے بھی بھاری پڑ سکتا ہے۔ چند ہفتہ کے بھی نہیں تھے۔ دت بڑھ جانے کے خیال سے میں نے تمہارے دے رکھے، اپنا چاقو بھی نہیں نکالا۔ وہ وہاں جا کے کس غدار میں تھے، بے گھر کی بریت سے ہوشی و جاں کو بیٹھے تھے۔ نے، نے پر گل پڑے۔ ریشہ شر کے بے میں نے پناہ بھی ان کی نذر کرنا چاہا۔ مگر ان کے لوگوں میدا کی بیعت و ہشت سے امان لے تو ضرور چ

وہیں تھے۔ میں نے سوچا، میدا سے کہوں گا کہ میری اس کی کوئی عداوت نہیں ہے۔ مجھے وہ اپنے بھائی کی وجہ سے اس شہر میں رکنا پڑا حقیقت اس سے کچھ اور نہیں ہے۔ اسے پناہ دینا بلکہ گارج کے اسپتال تک جا کے ہی رحمت کرنا پڑے گی لیکن میدا کے سامنے جا کے میں نے یہ کچھ نہیں کہا۔ ایک نظر میں اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے بہت عرصے سے چاقو غماص کی ضرورت نہیں پڑی ہے۔ جسم پر چربی کی ہلکی سی تہہ جم چکی تھی۔ آدمی کے جسم پر ان کی چربی لوہے سے چپنے والے رنگ کے مانند ہوتی ہے۔ میں نے ستاد میدا سے کہا، میں اڈے کی چوکی و دعوے دار بن کے آیا ہوں۔ اڈوں کی جو ریت ہے، وہ چوکی سے خود اتر جائے یا پھر چاقو نکال کے تمام ساتھیوں کے سامنے دعوے دار سے رو کر رہے اور چوکی پر موجود رہے کا حق ثابت کرے۔

تم نے اس کے ٹھکانے پر جا کے اسے چاقو زنی کی دعوت دی؟ ڈاکٹر رائے بیانی آوار میں بولا، تم۔ تم۔ وہ بھڑانے لگا اور اس سے پوچھا، کس اعتماد میں؟

کہ میں اسے ریم کر لوں گا۔ میں نے سرد لہجے میں کہا۔

یہی تم اسے زہر کر سکتے تھے؟ کسی قدر امکان مغلوب ہو جانے کا بھی تھا۔

تو تو کیا ہوتا؟ ڈاکٹر رائے نے تلخی سے پوچھا۔

میں زہر ہو جاتا۔ یوں بھی تو اس کے خنبے میں تھا۔

جہیں اپنی چاقو بازی پر اتنا اعتماد کس وجہ سے ہے؟

صرف چاقو نہیں، اور بھی ایسی کئی چیزوں کی مجھے تربیت دی گئی ہے۔

تربیت دی گئی ہے؟

ہاں۔ میں نے کسی چنگی ہٹ کے بغیر اقرار کیا۔ میری زندگی میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ مجھے یہ سب کچھ سیکھنا پڑا۔

تم تو ایک پڑھے لکھے جوان معصوم ہوتے ہو۔

یہ بھی ایک قہیم ہے، اپنے آپ کو خطروں سے بچنے کے لیے تیار رکھنا۔ یہ بھی تو زندگی کا ایک حصہ ہے۔

اس کے ہونٹ مسکرائے اور اس نے سر ہلا کے تذبذب سے تیری تو میرا چوکی سے اتر آیا۔

اتنا آسان نہیں تھا اس کے لیے۔ وہ جاے کب سے اڈے کی روٹی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ڈاکٹر رائے کو رسی سمیٹ دینی کہ اپنے ٹھکانے پر ایک اچھی کی اس طرح اپنا تک آمد اور سوارز کے لیے مسلسل اصرار سے اسے چوکی اور غماص ہو جانا چاہیے تھا۔ ڈاکٹر خبہ والی گئی کا واقعہ بھی پیش نظر ہو گا۔ اڈے پر اس کے نظر پناہ سارے ساتھی موجود تھے۔ اس کا تو سب کچھ داؤ پر لگ چکا تھا، منصب، عزت، وید۔ اس نے میرا مذاق اڑاے،

بھینٹاں کئے اور دروازہ زنی کے نتیجے میں اہل دروہائی سے دوچار ہو جانے، طرح طرح سے میرا عزم شکستہ کر کے اور خبردار کر کے کی کوشش کی۔ اس دوران اکبر علی خاں سے دھن اندازی کی اور جیتنے

سوڑ انداز میں میری پے روٹی کر سکتے تھے، انہوں نے اپنا ہنر آزمایا۔ انہیں احساس تھا، یہ عداوت نہیں ہے۔ وہ ایک خفقت قہر پر اور خفقت لیگوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ انہیں نت نئی دلیلیں تراشے

اور بیان میں سوڑ و گداز پیدا کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ دلیل و بیان صداقت پر بھی ہوں تو ان کی توانائی ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ ان کا انداز غیر قابل

دار اندازہ نہ تھا اور جو کچھ میں نے ان سے کہا تھا اور انہوں نے یقین کر لیا تھا، تبھی اسی کے مطابق تھا۔

جو کچھ اڈے پر جا کے میں استاد میدا کو باور کرایا چاہتا تھا۔

تو اور میدا کو کچھ کے جس سے اراہ بدل ہوا۔ وہ کام بہت خوش و خرم تھی سے اکبر علی خاں سے ہم

ہے۔

اڈے کے لوگوں کے ہجوم میں میدا کو اپنی بات

سنی رہے گی بے چینی شدید ہوگی۔ اکبر علی خاں کے بیان سے اسے کئی جوار غم گم کر دیے تھے، مجھ سے کشادہ دل کا سلوک کرنے اور ضرورت پر تازہ

مرحہ حسن و خوبی سے گل جانے کے جواز۔ میدا کے پہلو نہیں مگر سیدہ ختم سے یہ موقع ہاتھ سے جانے

نہیں دیا۔ اس آزمودہ کار نے ورپا دی کے اظہار میں ہلکی اور درمیان کی راہ نکالی اور میدا کو بظاہر

بادل باخراستہ ایک فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ میدا نے اپنے ساتھیوں کی دل جمعی کے لیے چاقو نکال دیا

تھا اور چوکی سے اتر چکا تھا کہ بزرگ ساتھی نے اس کا ہاتھ پکڑ کے چاقو کی تحویل میں سے لیا اور کوئی

مہ گواہ بغیر نشانہ لے کے میری طرف چھل دیا۔ میں نے اسے اچک بیا۔ میں ٹکار کر سکتا تھا،

لیکن میں نے وقت کی یہ رعایت غنیمت جانی کہ مجھے میدا کے اڈے چوکی سے کوئی دل چسپی نہیں

تھی۔ مجھے تو اسپتال پہنچنے کا راستہ صاف کرنا تھا۔ جواب میں میں نے بھی اپنا چاقو بوڑھے آدمی کی

طرف اچھال دیا جو اس نے مہارت سے گرفت میں لے لیا۔

اس کا کیا مطلب ہوا؟ ڈاکٹر نے بے چینی سے پوچھا۔

میں نے اس کٹائے کا مطلب اسے سمجھا دیا کہ ضرورت مہارت ملتی کی جاتی ہے۔ ایک

دوسرے کے چاقو ایک دوسرے کے پاس اس وقت تک امانت رہیں گے جب تک میں یہ چاقو اس

بیٹے سے چاؤں۔ بزرگ نے میدا کی طرف سے اعلان کیا کہ میدا مہارت کے لیے آمادہ ہے، لیکن

ایسے وقت میں جب اس کی ہم سری کا دعوہ کرے والا، اڈے کی چوکی کا طلب گار اپنے بھائی کی

عدالت کی دہ سے پریشان و مستحضر ہے، معرکہ
سرمساب معصوم نہیں ہوں۔ یہ مقابلہ کو
جی پرانگی سے چھٹکار پائے کی مہلت دینا سے
کہہ کر پر مخالف کی معطر۔ حالت سے مدد
انھیں کا اثر کم۔ اے پاس یہ میدان کے پاس
اطمینان کا معاملہ بھی ہے کہ کسی ایک سو فی صد سے
پتہ آزمائی کر کے ناکامی اور کام پائی، دونوں
صورتوں میں اسے خود سے کوئی شکایت اور اپنے
ساتھیوں کے سامنے ندامت نہیں ہوگی۔ سن رسیدہ
آدمی نے مجھے یہ بتانا ضروری سمجھا کہ یہ مہلت میدا
کی خاطر فی پر محسوس کی جائے۔ میدان مبارزت کے
پیر میری جلد رجود و ہشی کا منتظر رہے گا۔

اس اتوار میں کئی پہلو معطر تھے۔ چوکی چمن بند
خطرہ میدان کے سر سے مل گیا تھا۔ اڈے کے آدمیوں
کی غمروں میں بڑی حد تک اس کا وقار بحال رہا
تھا۔ اس مہلت میں میری طرف سے چوکی کے
محلے سے دست برداری اور نظر ثانی کا ایک
مکان موجود تھا کہ بھائی کی محنت پائی کے بعد میری
جانب سے رومی ورم دون کی توقع ہو پر کی جاسکتی
تھی۔ میدان کو چوکی ہی کے اندر بروں پر غور کرے
کا وقت مل گیا تھا۔ اس عرصے میں میرے قصد تمام
کر رہے کی ایک کوشش بھی کی جاسکتی تھی۔ اس
مہلت کی بڑی ہیبت تھی۔ فیصلے پر میں نے کوئی
جستجی نہیں کی۔ چاہوں کہ ہڈی سے میری سرد
میرا اثر رہی تھی۔ ہم دونوں میں اور کبھری غاب
پھر وہاں سے چلے آئے اور راستے میں کوئی دیورہ
بنا۔

ڈاکٹر نے پتہ سے چپ رہا پھر بھاری دور
میں چلا۔ "گر یہ صورت نہ ہوگی" میدان درجہ ہر
درمیان ہوئے دلی رور آزمائی میں کامیاب
ہو چکے تھے۔ اڈے کے آدمی نہیں پہنچے اپنا استاد
تھوڑے کریتے؟
میں نے کہا، "خوشی تو شاید نہیں، لیکن اڈوں

کے لوگ اپنے رتی رواج کا بڑا خیال رکھتے ہیں
ڈاکٹر کا بھی دستور ہے کہ سب سے زیادہ روز اور
نہی چوکی کا روار اور ہو سکتا ہے مستعد، درست اور
جدید فیصلے کرے میں خلق اور اڈے کے آدمیوں پر
سایہ زور ہے کی خواہش مستزاد ہیں کسی ناخوش
درجہ پائل کو وہ چوکی پر دیکھا پسند نہیں کرتے بلکہ پسند
کی بات اور ہے، انھیں یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ
اڈے پر موجود استاد کو چوکی سے ہٹا سکیں۔ انھیں
جبر کی اس وقت تک اسے قبول کرنا پڑتا ہے جب
تک اس اڈے سے باہر سے چوکی کا کوئی نیا طالب
گار نہ آجائے اور چوکی پر بیٹھ نہ جائے۔ اڈے کی
چوکی کا فیصلہ فرد فرد کی درمیان ہوتا ہے۔
اڈے کے لوگ باہمی شدت سے کی ایک کوشش
نہیں کر سکتے۔ اگر اڈے کی چوکی پر قائم استاد کے
سر پر ہمیشہ تلوار لٹکی رہتی ہے۔ اسے کسی بھی نئے
دعوے دار سے مبارزت کے لیے ہر وقت کمر بستہ
رہنا پڑتا ہے۔ اگر وہ بھگتا ہے کہ دعوے دار سر بل
میں اس سے زیادہ توانا ہے تو۔ ترہیں ہوتا ہے۔ وہ
خاموشی سے خود ہی چوکی خالی کر دے۔ حداد، عیسے
سے اذیت کا بھی سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، بربر آدمی
نے میدان کی عزت رکھ لی۔ اس نے اڈے کے
لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کیا کہ میدان اس کی
بات مان کے اس کا مان رکھا ہے اور بڑا احسان کیا
ہے۔

انھیں اس اڈے پاؤں کی اتنی معلومات
کہیں سے حاصل ہوئیں؟ ڈاکٹر نے جب سے
چچا۔

"مجھے اسی سوال کی توقع تھی" میں نے کسی
نامل کے پیچہ جواب دیا۔ "میرا اڈوں پاؤں سے
تھوڑا بہت تعلق رہا ہے۔"
ڈاکٹر نے ایک لمحہ سا نہ سمجھی "تو کامیاب
ہو جانے کے بعد تم میدان کے اڈے کے مالک بن
جاتے" اس نے ٹھنکائی

"میں نے آپ کو بتایا ہے میدان کو دیکھ کے
میں اسی نتیجے پر پہنچا تھا میرا یہی خیال تھا کہ اس پر
قابو پا جا سکتا ہے۔"
"نہیں" اس نے کسمپانی آواز میں کہا،
"میں جانتا چاہتا ہوں۔ اڈے کے چوکی پر تم میدان
نہیں جاتے تھے، پھر تمہاری کام پائی کے بعد اڈے
کی سربراہی کی صورت ہوئی؟"
"میں اپنی جد کی کو بھی عارضی طور پر نامزد
کر سکتا تھا۔ اس سمر آدمی کو بھی، جو میدان کا عرب
معلوم ہوتا تھا، لیکن وہ اڈے کا سربراہ نہیں ہوتا۔ کسی
نئے دعوے دار کے اٹھنے کے۔۔۔ موقع پر بھی کو
اس سے مبارزت کر لی جاتی۔ اڈے کے جوہری
سربراہ نہیں۔"

"میرے لیے یہ سارا کچھ حیران کن ہے۔"
ڈاکٹر راستے آٹھنیں چڑھا کے بولا، "یہ تو ایک
دوسری دنیا ہے۔"

"میں اسی لیے آپ کو کھتے تھیں چاہتا تھا۔"
ڈاکٹر نے جبر بھری۔ "تم نے کتاب کا خطرہ
مول لیا تھا۔ اگر میدان استاد تیار ہو جاتا اور تم

میں نے اس کے اندیشے کی تردید کی۔ "چاقو
آرمی کے لیے مل سے علاوہ اور بھی بہت سی
وجہوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ حاضر، غی، نگاہ کی
برداشتی، مقابلہ کو جیلوں سے تہذیب کر دینے کی
مشافی اور بہت سی باتیں۔ میدان کو کچھ ابھی کے
زور اور مہارت کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اس کی جد
کوئی بھی ہوتا تو یہی تردید کرتا۔ اپنے تئیں آدمیوں کا
انجام دیکھتے اور اڈے پر میرے اس طرح آؤ گئے
کے بعد جسی طور پر رہی ہو جانا، اس کے لیے کسی
مساب تھا کہ مجھے مہلت دینے کی فیاضی کے
بجائے اسے کچھ مہلت مل جائے۔"

"تم نے سید بھی میدان مجھے کسی استاد سے چاقو
آزمائی کی ہے۔"
مجھے جھجک ہوئی، ایک نعل کے توقف کے بعد

میں قرار کر رہا۔
"واقعی؟" وہ حیرت سے بولا، "او ایچ ام؟"
"یہ۔۔۔ نہ ہو۔ کی توقع نہ ہو تو ہے خاص
کو دعوت نہیں دینی چاہیے۔"
چوکی پر بیٹھے رہے ہو؟
"نہیں" میں نے ہنسی سے کہا۔ "چند
روز ایک بار کچھ یہ وہ اپنا آرمی مقرر کر کے
میں ہر جگہ سے چل دیا۔ ڈاکٹر کے کوئی دروس
کرنے سے پہلے میں نے صرحت کی۔" کئی
اڈے حاصل کیے اور اپنی مرضی سے نہیں۔ کسی جگہ
اڈے کے استاد نے کوئی رکاوٹ کھڑی کی یا اس
نے کسی مظلوم شہاسہ کی دوست سے زیادتی کی، ظلم
روا کر کھتا تھا۔"
"اور اڈا حاصل کرنے کے بعد تم وہاں سے
چلے آئے؟"

"جی ہاں۔ اس لیے کہ میرا کام ڈیکری نہیں
ہے۔"

"کتنے اڈوں کے استادوں سے تم نے دور
رہائی کی؟" ڈاکٹر نے کی سبہ قراری بڑھتی
چاہی تھی۔

"کئی نہیں ڈیکری صاحب۔"
"یعنی بہت سے؟"
"بہت زیادہ تو نہیں۔"

"اور کئی میں تم سرخ رو ہوئے؟"
میں خاموش رہا۔ خاموشی ہی میرا جواب تھی۔
ڈاکٹر بڑے کاٹ کھد ہو تھا اور اس کی پٹلیں
پٹ چارہ تھیں۔ "تمہارا بھائی بھی قانون میں
کون درک رکھتا ہوگا؟" اس کا لہجہ طری تھا۔

"جی ہاں" میں نے مختصر آہا۔
"تم سے رہا؟"

میں کہا۔ وہ تو دوسرے آدمی ہیں۔ میں
سے یہ کیا کہوں۔ آپ نے تو انہیں صرف اس

حالت میں دیکھا ہے۔ میں نے انکی بے چارگی،
 انی غفلت میں انکی کبھی نہیں دیکھی وہ تو سونے
 میں بھی چائے پیتے تھے۔ یو یو پار کا انکی نظر
 آجاتا ہے دور دوری آریں ان تک رسا ہو جاتی
 ہیں اس کا یہ تو کوئی سہو ہے۔ ان کے بہت
 سے پردا ہیں وہ لوگ سیاہ ہیں بہت سول کے
 لیے اور وہ تو کسی چٹان کے مانند ہیں۔ اس
 حال میں انہیں دیکھ کے مجھ پر جو گزرتی ہے وہ آپ
 نہیں جان سکتے۔ وہ وہ سارے فلوں میں طاق
 ہیں۔ میں نے سب کچھ نیکی سے دیکھا لیکن اس کی
 برداشت نہ کا حوصلہ اس کا عزم میں تو کچھ
 نہیں ہوں ان کے آگے میں کیہ "میری
 آواز بند ہونے لگی۔

ڈاکٹر آگے نہیں چلے ریٹک چپ رہا، پھر یکایک
 ہڑک کے پور، تمہارا بھائی بھی کسی اسے پارے
 کار چاہے؟"

"نہیں۔" میں نے کسی اکراہ کے پیر جواب
 دیا، "لیکن اب تو بہت دنوں سے وہ میرے ساتھ
 مسلسل سفر میں رہتے ہیں۔"

"سفر اسفر کیوں، کاروبار کے سبب ہے؟"
 نہیں، کاروبار نہیں۔"

"پھر؟" مجھ سے نور کوئی جواب نہ دیا
 چسکا۔ مجھے مترود دیکھ کے اس نے کہا، "کوئی ایسی
 بات ہے جو مجھ سے نہیں کہنی چاہیے۔"

"نہیں، ایک کوئی بات نہیں۔ کچھ اور مت
 سوچیے۔ اس معاملے کا ڈسے پاؤں سے کوئی تعلق
 نہیں۔ یہ ایک طویل رود وے اور بہت دانی ہے۔
 اس کی تفصیل پھر کسی سبھی مختصر آئیہ کہ ہمیں اپنے
 کھوئے ہوئے کسی عزیز کی تلاش ہے، ہم ہر طرف
 اسے ڈھونڈ رہے ہیں، گلیوں، گلیوں، شہروں
 شہروں۔"

"کھوئے ہوئے عزیز کی؟" ڈاکٹر کے چہرے
 پر لکیریں نمایاں ہوئیں۔ "کون ہے وہ؟"

"ہے ایک، جو بچھا گیا ہے کیا جاناں ہے؟"

"کب سے یہ تلاش چاری ہے؟"
 "کئی برس ہو گئے، اب لا کوئی چار ہائیج

سال۔" میں نے بھی بولی آواز میں کہا۔ "اکثر
 صاحب اس میں بہت کچھ چھپا سکتا تھا، لیکن یقین
 کیجیے، میں نے کچھ نہیں چھپایا ہے۔ اس سے کہ
 آئندہ پیش آئے والے واقعات سے آپ منتشر نہ
 ہو جائیں اور میرے بھائی کا علاج آپ کے کسی
 سکھ، بریجی اور کسی سے متاثر نہ ہو جائے۔"

"بہت۔" ڈاکٹر رائے دھکارتی آواز میں
 بولا، "کیا فصول، مت کر رہے ہو۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے اس سے کہا کہ
 ڈاکٹر کے سامنے اس کا مریض کھنٹا اسٹا ہوتا
 ہے۔ وہ چور سو، یا ڈو، یا ڈسے پڑے کا ڈی،
 لیکن ڈاکٹر بھی اسٹا ہی ہے۔ اسٹا ناراض بھی
 ہوتا ہے، اسے حصہ بھی آتا ہے، دل میں گرد و پھول
 ہے۔

میں نے صاف صاف کہا کہ میں اسے یہ سب
 بتاؤں گا یا نہیں تھا۔ اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔
 اسپتال متروک نہ ہوئے۔ بھوت اچھوت، بھی
 کے لیے دروازے کھلے ہوتے ہیں میں یہاں ایک
 مریض لے کے آیا تھا۔ مریض اور ڈاکٹر کا جو تعلق
 ہوتا ہے، اسے وہیں تک محدود رہنا چاہیے تھا۔ کٹر
 رائے نے میرا بڑا الجھا لیا۔ پہلی رات معمول کے
 خلاف وہ میری درخواست پر مکمل کو دیکھنے لگا۔
 اس نے بدتمیزی اور گستاخی کی حد تک میری تند و تیز
 باتیں برداشت کر لی تھیں۔ اس سے پستان کے
 ترین کمرے میں ہمیں منتقل کیا اور علاج پر ہر ممکن
 توجہ مرکوز رکھی۔ کئی اور ڈاکٹروں کو بھی مدت میں
 شریک کیا۔ اس کا بھی احسان نہ ہوا کہ میں تو
 اس کے سامنے سر بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ پسے دن
 اسپتال سے باہر جانے کے بعد میں شام کو واپس آیا

تو اس مشفق اور نیک نفس آدمی کو یہ بتانے میں کیوں پریشان کرتا کہ میں کسی دیوار میں عبور کر کے اسپتال میں سے بھاگتا ہوں۔ جس سے تھوڑی سی موت مار گیا۔ میں سے بھاگتا کہ وہ لوگ مجھے ختم کرنے کے لیے تھے۔ لیکن اکبر علی خاں کے سامنے کے بعد صورت بدل چکی ہے۔ پولیس سے دان ہوگی۔ اسٹیشن میں ڈاکٹر راے کے ذہن میں میرے اور انھیں کے متعلق کیسے کیسے وہ مہینے کیسی بدگیاں نہ پونگتی تھیں۔

اس میں، میں، میں سمجھتا ہوں۔ ڈاکٹر راے سے ہاتھ اٹھ کے مجھے روک دیا۔ تم ٹھیک کہتے ہو، واقعی میں مجھے جبریت بھی ہوئی، اذیت بھی۔ پولیس یقیناً یہاں پہنچی ہوگی۔ تم نے کیا سوچا ہے پھر؟

میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ میرا تو دماغی کام نہیں کر رہا ڈاکٹر صاحب۔ میں کیا کہہ پاؤں گا، کسی طرف اشارہ کروں گا۔ شاید وہ مجھے ساتھ لے جائیں۔ تو ٹھیک ہے، اے میں سنیں بھی یہاں بھائی کے پاس کون ہوگا۔ کوئی تو ہونا چاہیے مرنے کے ساتھ۔

”اوتو ہم لوگ دیکھ میں گئے۔“ ڈاکٹر راے ہر دلی سے بڑا۔

”بھائی پوچھیں تو آپ کیا بتائیں گے؟“

”مجھ تو کچھ تو کہنا ہوگا۔“

”وہ نہیں، نہیں گئے۔ آپ انہیں جانے دیجئے۔“

وہ بہت کچھ بوجھ کے دی ہیں۔ بے کل ہو جائیں گے۔

”دیکھ میں گئے؟“ ڈاکٹر راے کے سو کہہ بھی کیا سکتا تھا۔

میں نے اسے بتایا کہ کل ہی اکبر علی خاں کے مشورے سے انہی کے ذریعے کھینچے ہوئے تھوڑا سا ایک ٹھیکس، دو اور جٹ تارہ یہاں کے مشکل حالات دیکھ کے اپنی مصرت کے لیے ایک دو آدمی بلائے تھے۔

”اب تک کوئی کو آ جانا چاہیے تھا۔“ کوں ہیں وہ؟“ ڈاکٹر راے نے چونک کے پوچھا۔

”انہیں بھائی کا خدمت گار مجھے۔“

”کیسے، کیا مطلب؟“ اس کے لہجے میں تڑپ تھی۔

”بھائی کے پروردہ ہیں وہ۔“

”اس کا تعلق کونسی اڈے پاڑے سے ہے؟“

”جی ہاں۔“

”کھینچے سے آ رہے ہیں وہ۔“ کھینچے ہی میں تھہر رہے بھائی کا اڈا ہے۔“

”بھائی تھا اور ہاں، ہے بھی۔ اڈا تو انہی کے نام سے قائم ہے۔“ میں نے بھی بولی آوار میں کہا، لیکن اب تو عمر سے وہ وہاں نہیں جیتے۔

میں نے آپ کو بتایا کہ وہ عمر سے میرے ساتھ سفر کرتے ہیں۔“

”یاد دیتا ہے تم نے شراع میں کہہ تھا کہ تمہارا گھر فیض آباد میں ہے۔“

”میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ ہر فیض آبادی سے آ رہے ہیں۔ وہاں سے بھی کسی کو بلایا جاسکتا تھا، لیکن گھر میں اظہار ایسے سے کئی پریشانی ہو جاتے۔“

”میں نے والے لوگ بھی جانتا، رہا ہوں گے۔“

”آپ کی اور میری طرح اڈے کا بہ آدمی، پہلے آدمی ہوتا ہے۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی میرا بوجھ میرا، دی طور پر تن سگیا۔

”ہاں، ہاں، پہلے آدمی، بعد کو چاقو بار۔“ ڈاکٹر راے نامواری سے بولا۔ ”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔“

اس کے لیے درجے والوں سے میری رہیں اینٹھنے لگی تھیں، لیکن اس کے ہر سوال کا جواب مجھ پر وجہ تھا کہ میں ڈراما ایسا مڑا جانے کی صورت میں اس کے دل میں شک کی کر پڑھ سکتی تھی۔ وہ سنا ہی نہ دیا کرتے۔ ہر ذہن آدمی کا دتیرہ شک ہوتا

ہے۔ وہ تو یوں بھی ایک نکتہ رس اور جزو میں شخص تھا۔ کوئی محتوی آدمی اتنا بڑا اور کامیاب ڈاکٹر نہیں ہو سکتا۔ میری دست میں اب بہت کچھ تھیں جو دیکھا تھا۔ مجھے اور کسی محضرت خودمانہ مجھے کی بھی ضرورت نہیں تھی، لیکن اس کے طرف کا خیال ہر لمحے ٹھوٹ رہا تھا۔ وہ ہر مار کسی گہری سوچ میں ڈوب جاتا۔ اس دوران میں خود کو کسی کے کسی ماردا سوال کے لیے آدھ کر رہا تھا۔ کبھی تو مجھے ایسا لگتا جیسے میں کسی شخص کے سامنے بیٹھا ہوں، یا عدالت کے سامنے کے رو بہ رو۔ اڈے کے کسی استاد سے زور آزمائی کرتے وقت شاید مجھے کسی اپنی کشاکش کا سامن میں کر پڑا ہوتی ڈاکٹر راے کی دھند دور کرے کے اس مرحلے میں مازکی کا خیال دیکھنا پڑتا تھا۔ ہر لمحے مجھے خود کو کتابچہ کی کڑی کا معائنہ ہے اور انھیں ابھی ستر پر ہے۔ ڈاکٹر راے اس اسپتال کا گھراں ہے۔ اسپتال کے روایتی سکوں کا محل میں ہماری آد کے بعد مسلسل کوئی نہ کوئی ان ہوتی ہوئی رہی ہے۔ اسپتال میں آدھی رات کے بعد سب آدمیوں کی بیٹھار، انھوں کی موت، پولیس کی آمد اور اب اکبر علی خاں کی ملکیت کے بعد ڈاکٹر راے میرے اور حمل کے لیے کوئی بھی انتہائی قدر ماحول کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

”تم نے کیا ہے۔ پولیس تمہیں ساتھ بھی لے جائی ہے، مگر یہ۔“ اس سے تیز آواز میں پوچھا۔

”پولیس کا اپنا طریق کار ہوتا ہے۔ یہاں میں اچھی ہوں اور بہت بے سہارا بھی۔ وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ پولیس کو اپنے اختیار سے سوا کرنے کی عادت ہوئی ہے۔ ادھر میدان کا اڈے سے آئے دن کے واسطے کی مصرت میں مجھ سے پولیس کا رویہ معاندانہ بھی ہو سکتا ہے۔ پولیس کے جانے کتنے لوگ میدان کے اڈے کا تنگ بھی کھائے ہوئے ہوں گے۔“

”اس وحیدہ صورت حال سے نمٹنے کے لیے تم

سے بھی کچھ عوار کیا ہوگا؟“ ڈاکٹر راے نے ہنسی بھری ہوئی

بولی تھی۔

”کیے بتاؤں۔“ میں نے سہارے سے کہا، ”شاید مجھے یک وکیل کی ضرورت پڑے۔“ وکیل

میں کام ہوتا ہے۔ سپر شہر کے کسی بہت بڑے وکیل کو ضرور جانتے ہوں گے۔ اطمینان رکھیے، کتنا ہی

مہنگا وکیل ہو، میں اس کی فیس اسے دے سکتا ہوں۔ اور

اخراج دے، یہ اڈے پاڑے کا میرا نہیں ہے۔ روپے پیسے کی انہیں ایک غلبہ نہیں ہوتی تھی۔ روپے

در پڑ سکتا ہے۔“

”تم تم ڈے پاڑوں کی بات کر رہے ہو مجھ سے۔“ ڈاکٹر راے جھلکا کے بولا۔

”میں آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کر رہا ہوں۔ آپ نے تنی ہاتھ جانی ہیں تو یہ بات بھی آپ پر صاف ہو جائے۔“

”وہ بولا ہے۔“

”ایک بات کہنی ہے آپ سے۔ اس کے کرے سے لکھنے سے پہلے میں نے کی رک ڈ میں کہا۔

”ایک بات کہنی ہے آپ سے۔ اس کے کرے سے لکھنے سے پہلے میں نے کی رک ڈ میں کہا۔

”ایک بات کہنی ہے آپ سے۔ اس کے کرے سے لکھنے سے پہلے میں نے کی رک ڈ میں کہا۔

”ایک بات کہنی ہے آپ سے۔ اس کے کرے سے لکھنے سے پہلے میں نے کی رک ڈ میں کہا۔

”ایک بات کہنی ہے آپ سے۔ اس کے کرے سے لکھنے سے پہلے میں نے کی رک ڈ میں کہا۔

”ایک بات کہنی ہے آپ سے۔ اس کے کرے سے لکھنے سے پہلے میں نے کی رک ڈ میں کہا۔

”ایک بات کہنی ہے آپ سے۔ اس کے کرے سے لکھنے سے پہلے میں نے کی رک ڈ میں کہا۔

”ایک بات کہنی ہے آپ سے۔ اس کے کرے سے لکھنے سے پہلے میں نے کی رک ڈ میں کہا۔

”ایک بات کہنی ہے آپ سے۔ اس کے کرے سے لکھنے سے پہلے میں نے کی رک ڈ میں کہا۔

”ایک بات کہنی ہے آپ سے۔ اس کے کرے سے لکھنے سے پہلے میں نے کی رک ڈ میں کہا۔

”ایک بات کہنی ہے آپ سے۔ اس کے کرے سے لکھنے سے پہلے میں نے کی رک ڈ میں کہا۔

”ایک بات کہنی ہے آپ سے۔ اس کے کرے سے لکھنے سے پہلے میں نے کی رک ڈ میں کہا۔

”ایک بات کہنی ہے آپ سے۔ اس کے کرے سے لکھنے سے پہلے میں نے کی رک ڈ میں کہا۔

”ایک بات کہنی ہے آپ سے۔ اس کے کرے سے لکھنے سے پہلے میں نے کی رک ڈ میں کہا۔

”ایک بات کہنی ہے آپ سے۔ اس کے کرے سے لکھنے سے پہلے میں نے کی رک ڈ میں کہا۔

”ایک بات کہنی ہے آپ سے۔ اس کے کرے سے لکھنے سے پہلے میں نے کی رک ڈ میں کہا۔

میں میرے حال پر اس کا کہہ کر مجھ سے اتنے قریب ہو گئے تھے مجھے اپنے کوئی بہت قریبی عزیز، یہاں مجھے گئے تھے اور مجھے بھی یہی محسوس ہوا تھا۔ کل رات بے گھر ہو کر بچہ کی ہمدردی پائی کر رہے تھے۔ لیکن کے یہ کسی جواب کے بیٹے کا شہید تھا۔ وہ بہت کش مکش میں تھے۔ صاف کار بھی نہیں کر رہے تھے۔ مجھ سے پوچھتے تھے کہ وہ کیا کریں کس طرح جواب کو مطمئن کریں۔ وہ اپنی بیوی کے شہداء کی تھے، بڑے احترام بہت محنت سے وہ بیوی کا ذکر کرتے تھے۔ لگتا تھا، دونوں ایک جاں ہیں۔ اور تو خود سراپا احترام، استقامت محبت تھے۔ میں نے اس گھر کی ایک جھلک ہی دیکھی تھی۔ کیا مٹائی تھی۔ مٹان ہوگ وہاں بیٹے تھے۔ "میری اور میرے قابو میں ہیں رانی۔ آنکھوں میں جیسے آگ بھڑک اٹھی ہو اور سینہ جیسے ابھی پھٹ جائے گا۔ میں نے پناہ تھ بجز لی۔ میری جاہ کا درد دواؤں سے سر بھونکوں۔

ہوا۔ ”جئے آپ کو سنبھلو۔“ وہ میری کمر چھپکے لگا۔
میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس نے دوبارہ
مجھے گری پر بٹھا دیا اور خود بھی بندھ گیا۔ ”تم وہاں نہیں
جاسکتے۔“ اس نے ہنسی آوار میں کہا۔

”نہیں ہاؤں گا تو میرے بیٹے میں خود کو
کس طرح ”میری اور آنسوؤں میں بہاؤ۔
”یوں دوواہس ہیں جائیں گے۔“

”میں ان کے ہتھوڑے میں بھی شریک نہ ہوں؟“ میں نے ہلکتی آواز میں کہا، ”میں چاہتا ہوں، اب کے پیو کی بچوں کے سامنے کسی طرح چاہوں گا، کب منہ سے ان کے سامنے جاؤں گا، لیکن مجھے

”تمہیں دیکھ کے اب کاعلم در پڑھ جائے گا۔“
 ڈاکٹر آہ بھر کے پورا، ”اکبر علی خاں مجھے بھی اچھے
 لگتے تھے وہ ایک عمدہ آدمی تھے۔ ان سے مل کے
 بارگاہ

حوش ہوں تھی۔ سوچا تھا، رات بھر سے بھائی کے علاج سے فراغت ہو جائے تو ان سے شکس ہوگی۔“

”جائے ڈاکٹر صاحب‘ اس کا کہی تصور تھا۔
انہوں نے کہی کو کیا صرہ پہنچایا تھا۔ انہوں نے کہی
نادر، کہتے ہوئے دلی کو مار دیا۔ کہی بات پر اس
بات پر کہ جرات کر کے وہ میرے ساتھ میرے
اڈے پر گئے تھے اور میری دل نشینی کے لیے یہاں
اسپتال میں صبح شام آئے انہوں نے معمول بنایا
تھا۔“

”میں بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔“ زاکر
رائے اس قدر کی سے بولا، ”وہ لوگ جو ایسے ہوئے
تھے کیا۔ وکیل صاحب سے انہیں یا عرض نہیں کیے
فلام اور درجے لوگ ہیں یہ۔“

میں سے یہ اس سے تیس کہہ کہ اپنا حال لیا
بتاؤں۔ میرا خوب بہت کھولتا ہے۔ سب کچھ خالص
خیریت تا ہے تو قسم میں آگ سی تپنے لگی ہے۔ ایک
جرک سی اٹھتی ہے کہ میدان کے ٹھکانے پر چا کے اس
کے اڑے کو آگ لگا دوں، اس کا جو بھی آدمی سامنے
نظر آئے اس کے سپرے میں چا تو بھونک دوں۔

”تم کہتے ہو، اؤسے کی عمر پر بیٹا آدمی جانے اور بل کی میں نہیں، برداشت، سوچو جو مجھ میں بھی دوسروں سے اور نامزد ہوتا ہے۔ یہ تو بہت کم عمر کی بات ہے۔ یہ تو اوجھاز ہے، پر لے کر دے لی دراست ہے کہ تم گناہ پر آئے ہو انہوں سے ایک بے گناہ کو شتر کر دی۔ میدان کیا جانا چاہتا ہے، تمہیں مشتعل کرنا، یا خوف زدہ کرنا؟ کیا وہ اتنا بچی نہیں سمجھتا کہ صاف صاف اس پر نگاہ پڑے گی اس طرح وہ کیا حاصل کرنا چاہتا ہے؟“ ڈاکٹر رائے مہس بھائی آدمی میں بولا۔

آپ ٹھیک کہتے ہیں، مگر شاید یہ میدانیں
ہے۔ اس کا نام دے گا، نہیں ہونا چاہیے۔
"پھر پھر کون م کیا کہتا ہے؟"

”میدانے آسانی سے مجھے اڑے سے جائے دیا
تھا بہت دن لوگوں کے لیے ناقابلِ برداشت
ہوئی جو ڈاک خانے والی گلی میں زخمی ہو جائے اور
بعد کو سر جائے والے دھوانی آؤں گے کہ نہایت
دفا دار، چار ہزار سا بھی تھے۔ وہ میدان کے اڑے سے
محرف آؤں معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے اڑے
کے استاد کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ہوسکا
ہے، اسپتال میں آئے والے حملہ آور میدان کے پیچھے
ہوئے ہوں، لیکن یہ لوگ پہلا کوئی دوسرے ہی
لوگ ہو سکتے ہیں۔“

”کوئی بھی جو“ ڈاکٹر فہرشتی کے لیے
 بولا۔ ”میری بات سنو، تم نے اتنا کچھ بتا کے مجھ پر
 احساں کیا اور میں نے اس پر یقین کیا ہے۔ تم اب
 اپنے آپ کو یقین نہیں کرو گے۔ میرے مشورے
 اور علم میں اسے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا گے۔
 سمجھو۔“

”آدمی اپنے آپ کو بھی جواب دیتا ہے،
انکو صاحب ”میں نے ہیئت سے کہا، ”میرے
ہاں نہ جانتے تھے کہ علی حاکم کے حوالے کیا
ہو جائیں گے۔ میرے متعلق کیا رائے قائم کریں
گے۔“

”ان پر اس کی علیٰ ہد کے سامنے سے بڑی
امت اور یار ہو سکتی ہے اور ہاں تم تم
چہ آئے اسے بھائیوں کو بھی منع کر دو گے کہ وہ
ہماری طرف سے کوئی مداخلت نہیں کریں گے۔“ وہ
وہی سے دوبارہ انھد گیا اور چلنے چلنے رک گیا۔

راخیاں ہے، ہم سے لمبے کی ضرورت نہیں کہ یہ کہتا
ہے شہر کے ایک نہایت محترم مشہور
ہوئے دینی کا حوالہ دیتے ہیں۔ جہاں ری ذرا سی
مستقل حرکت سے بات ختم ہو سکتی ہے۔ اس

مطالعہ کی پیشکش عام سطح پر بھی ہوئی۔ ایکیلوں کی
رومی، شہر کے محسوس، انگریزی خاں کا وسیع اور یا
علاؤ حباب، ایسی توشیح خاں کری کے اور تھا را
پیشہ

تاریخ: ۱۳۰۲

اس سے مجھ سے بلکہ کوئی بات نہیں کی، کمرے سے نکل گیا۔ باہر راہ درمی میں اس کمرے میں تعینات ڈکٹر دور رس اس کی واپسی بے منتظر تھے۔ ڈاکٹر نے دسی عمار میں اس سے عداوت کی در پھل کے کمرے تک میرے ساتھ تھا، پھر یہاں بھی ڈیوٹی پر آئی تھی، اور اب بھی تنگ آ رہی تھی۔ دو سو سرسبز کی پھل کے کمرے کے باہر تھی چار سب نظریں اس کمرے کی کھڑکی تھیں۔ پھیلنے والی کمرے چٹائی تھیں۔ ڈکٹر نے نے قرب جا کے اپنی کوٹھارے سے پاک جاپان اور سرگرمیہ کچھ باتیں کیں وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا راہ کی صورت سے اوچھل ہو گیا۔

پس آئیں۔
تے ہی دونوں جتنی ہوئی میرے

”یقیناً تم سے نہ سے کوئی بات کہیں چھپائی ہوگی۔“ کی بات تو ہے ہوں۔

”تم نے جھوٹ کیا۔ تمہیں بھی کراہے تھے۔“

وہ تائید کی بجائے بولی، 'وہ بہت کلاں باغ کے آدمی ہیں۔'

ٹپ: کوئی تجربہ نہیں کیا۔

ابھی میرے پاس تھا کہ میرے پاس سے ایک سیڑھیں

”تمہیں قسم چاہئے۔ میں ٹھیک رہوں گا۔ میں اس
 سے میں قید رہوں گا۔ تمہیں نہیں چاہئے۔“
 ”یہ تو بہت ہی عجیبی
 ”تمہارے سے کسی۔ تر۔ سے۔“

یہ کیا ہو گیا؟ میں نے اُس کے اُنکھ سے سنا تو یہ کہہ گیا۔ کیا واقعی وہ اتنا شرمناک آدمی

مارے۔ میںوں کہیں رہا؟ سیوریوں سے دھرتی
 تو میں پوچھتا ہوں۔
 میری خاموشی پر وہ بھی چپ ہو گئی کمرے میں
 کے۔ یہ تغیر میرے قدم چھل کے سر کی
 جانب تھے۔ اس نے انھیں بدھتیں اور پیسے کے
 متوازی انار چڑھا دے لگتا تھا کہ وہ اپنے کون میں
 میں ہے، چہرے میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ میں
 دے قدموں اس کے پاس سے ہٹ گیا اور سونے
 پائے کے پتھر گیا اور میرا جسم بھر گیا۔ پتھروں جو
 سیوریوں میں تھے میرے نزدیک بیٹھ گئی۔ کمرے میں
 خاموشی طاری ہو گئی۔ سیوریوں پر تک بت بنی رہی۔
 میں نے بھی اس سے کون گھبراہٹ کیا۔ میرے پاس
 کہنے کے لیے تھا بھی کیا۔ گزشتہ دو ایک دن میں وہ
 کبرعلی خاں سے خاصی بات ہوئی تھی۔ کل اس سے
 اس کے کمرے سے آئے ہوئے تو شے کا کھانا کھا یا تھا
 اور کہتی تھی کہ اس نے سچ تک اتنا نہیں ور دیا
 کھانا نہیں کھا یا۔ کبرعلی خاں اس کی تعریف سے
 بہت خوش ہوئے تھے۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر خوش
 ہونے والے آدمی تھے۔ انہوں نے کھانے کی دعوت
 دی کے بعد سیوریوں کو گھر آنے کی دعوت دی تھی۔
 کہتے ہیں، "دی کا وقت آگیا تھا، لیکن ایسے تو وقت
 نہیں آتا چاہیے تھا۔ کسی بیمار، معذور کس رسید کی
 موت کا کوئی جو تو ہوتا ہے۔" دی جیسے سے یوں
 چل تک غائب ہو جائے تو کون کیا کہے۔ سیوریوں
 بھی کیا کہہ پاتی۔ درمیں کون سا کبرعلی خاں کا
 رشتہ درمیان کے خاندان کا آدمی تھا۔ کبرعلی خاں
 سے میری شناسائی سیوریوں سے ایک دن پہلے ہی
 ہوئی تھی کہ ایک بھر پیسے کی۔ سیوریوں سے کچھ کہتے
 نہ تھا کہ لفظ تو ابھی بہت حقیر اور بے مایہ ہو جاتے
 ہیں۔ وہ کھٹک کے مجھ سے اور قریب ہو گئی۔ اس
 نے میرے ہاتھ پر چنا ہاتھ رکھ کے مجھ سے غم
 گسار کی کانپ کرنا چاہا میں نے اس کی طرف
 دیکھ کر اس کی آنکھیں بھری ہوئی تھیں۔ سیوریوں

میں نے اسے عام اضطراب میں میرے ہاتھ پر دروہ
 یو میری آنکھیں بھی اندھن آدنی کے پاس بچے
 نہیں ہوئے تو آدنی ہمارا آدنی سیر بن جاتا
 ہیں "کیا ہو گیا یہ" وہ کہنے ہوئے جیسے اپنے
 آپ سے ہوتی۔
 میں نے تو کو بہت روکا، لیکن سیوریوں کی
 سسکیوں سے مجھے بھی حیا طر کر دیا۔ میں بھی مڑنے
 لگا۔ سیوریوں اس کا شعرا ہو گئی۔ اس بے پناہ
 دھیرا ہونے میں اس کے اپنے شانے پر رکھ لیا۔
 میری تو جھکیوں بندھ گئیں۔ اس کے اپنے کسی بہت عریز
 و محترم، اپنے کسی ہم نفس و ہم دم کے چلے جانے پر
 حیران اور ہلکا ہوا جاتے ہیں، لیکن اس آدمی نے
 ادنیٰ کا کون اندازہ کرے اس آدمی کا دل کون
 جانے جو اپنے عریز و محترم کے حواس کا رانی کر دے
 پر محسوس کرتا ہو۔ سیوریوں نے کیا معلوم تھا کہ اس سے
 نیکی، احساس، میرا سیدہ دو بچے، بھوتنا ہے۔ میری کھ
 میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں، کہاں جانے خود
 چھپاؤں۔ میں کیسا بد نصیب، بے بس آدمی ہوں۔
 میرا سایہ ہی محسوس ہے۔ میں رندہ رہنے پر کون صبر
 ہوں۔
 سیوریوں میرے ہاتھوں میں انگلیاں پھیر کے
 مجھ سے بگڑت تھا ہر کرے گی۔ آئینہ مقابلے۔ وہ
 بھی ہمہ وقت اپنی صورت آدمی کے سامنے رہتی
 ہے، میں اپنا چہرہ ہی دیکھ نہیں چاہتا تھا۔ آئی کا پا
 وجود بھی اس پر بہت بوجھ ہوتا ہے۔ سیوریوں، ایک
 نرم و نازک شہس، کسی ستوں، کسی دیوار کے مانند
 مجھے ہمارا دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ میرے سر پر
 اس کی میڈلان انگلیاں مجھ سے اپنے دکھ کا اظہار
 کر رہی تھی۔ اس کا گندار آفریں پہلو اس کی بے
 قراری کا مظہر تھا کہ وہ میرے حال سے واقف ہے
 اور مجھے پناہ میں بینا جانتی ہے۔ میری آنکھوں سے
 مسلسل آنسو جاری تھے۔ دل داری دول دلی سے
 تھی تو آنسوؤں کی سی ہوتی ہے۔

مجھے کچھ معلوم، کب وہ میرے پاس سے اٹھی،
 مجھے تو اپنی سادہ ہڈی بھی رہی تھی۔ جانے کب
 اس سے میرے شانے پر ٹھوکا دیا تو میں نے دیکھا،
 وہ میرے سامنے کھڑی ہے، اس کے ہاتھ میں گلاس
 ہے اور وہ مال۔ اس نے آنکھیں میچ کے گلاس اور
 ردال میرے طرف بڑھائے تب مجھے اپنی بوائی
 اور خود ماسک کا شدت سے احساس اور غامت کا
 غلبہ ہوا۔
 آنسوؤں کا بھی بڑا نشانہ ہوتا ہے بہر حال میں تو
 جسم ہلکا ہو جاتا ہے لیکن آسودگی نہیں رہا ہے۔
 سیوریوں دوبارہ میرے پاس کے بیٹھ گئی اور چپ
 رہی پھر جیسے خود کو میچ کر کے دھبی آوار میں اس سے
 سوال کیا۔ یہ کاناسا کے بدن میں چھو رہا ہوگا۔
 کہہ گی "ب کی ہوگا"
 میں نے استنبہ ہی نگاہوں سے اس کو دیکھا۔
 "کیا ہوگا" پھر مجھے حیا آئے وہ آئے والے وقت
 سے ہر سال ہے۔ میں نے ہر بے پروائی سے
 کہا "جو ہوتا ہے" وہ تو ہو کر رہے گا۔
 "تم اس سے زیادہ بات مت کرنا۔" اس نے
 ادنیٰ آواز میں مشورہ دیا۔
 "کس سے" میں نے تعجب سے پوچھا۔
 "پولیس سے۔" میں کہہ رہی تھی، پولیس اسپتال
 آنے والی ہے۔ یہ پولیس والے بال کی کھال
 کھاتے ہیں اور مکی کا خیال نہیں کرتے۔ وہ تمہیں
 ٹھک کر سکتے ہیں۔
 "وہ اپنی کارروائی تو کریں گے ہی۔ اتنے
 بڑے دانتوں کے بعد زیادہ گھر بیٹھے رہیں گے۔"
 "مگر تمہارا قصور کیا ہے؟"
 "اکبر علی خاں سے تعلق خاطر کا، ایسا نہ ہوتا تو
 وہ کیوں ختم ہو جاتے۔"
 سیوریوں دزدیدہ نظروں سے مجھے دیکھ کر،
 بھری ہوئی آواز میں بولی۔ "مجھے بہت ڈر لگ رہا
 ہے۔"

میں نے اسے تسلی دینی چاہی۔
 "خداوند! سب ٹھیک ہوگی" وہ بیٹے پر
 صلیب کا شان جاتے ہوئے یوں خداوند کا
 ساتھ دیتا ہے۔
 وہ ادنیٰ یہ کہہ ہی رہی تھی کہ کسے دروازے
 پر دستک دی۔ سیوریوں گھر کے انوکھ کر ہوں در
 دروازے کی طرف بگی
 اسپتال کا ایک طارم پولیس کی آمد اور میری طبی
 کی اطلاع دیتے آیا تھا۔ میں نے کچھ ہی تھا۔
 سیوریوں نے مجھے سب سے اندر میں پرکارے کا بیجام
 مجھے مٹل پر۔ سونے سے ٹھک کے میں نے ایک نظر
 ٹھل کے بستر کے پاس جانے دیکھا۔ سیوریوں سے
 نقشب کے کلمات کہتا ہوا میں کمرے سے نکل جانا
 چاہتا تھا کہ اس نے مجھے روک لیا اور اس خانے کی
 طرف اشارہ کیا۔ میرا حال واقعی ٹھیک نہیں تھا، اس
 کا احساس مجھے محسوس خانے جانے کا ہے۔ وہ ہاتھ
 اٹھ کے اور باں درست کر کے میں دھر آیا تو
 سیوریوں مجھے رخصت کر کے کے بے دروازے
 کے پاس کھڑی تھی۔ سر سے پاؤں تک میرا جڑا
 بیٹے ہوئے اس نے میرے کمرے کا اس کاٹھ کے
 نشانیں درست کیں۔ نیچے کے تین پاؤں لگا کے
 میری کھلی داسکت بند کی اور کچھ مسکراہٹ سے ہاتھ
 پھیلا کے مجھے کمرے سے جانے کی ام تری۔
 ہر ملزم حشر تھا۔ چند قدم کا فاصلے کر کے
 وہ راہ داری میں دائیں مڑ گیا۔ راہ داری کے انتہام
 پر ہر دوار کا بیچ کھل حصہ تھا اور مختلف راضی کے
 دار و شروع ہو جاتے تھے۔ ایک دو کی گزروں میں
 جگہ جگہ سپاہی موجود تھے۔ ان میں پیشتر مردہ پاس
 میں تھے۔ سادہ لباس میں مکی پولیس کا آدمی اپنے
 خاص گزار و طور و چھب ڈھب، بال و میر و
 سے آسانی سے پہچانا جاتا ہے۔ پوچھ گیس سے جس کا
 واسطہ نہ تھا وہ ہوا اس سے کچھ سیوریوں میں
 چھپ سکتا ہے متعدد مقامات پر تعینات سپاہی

میں رہا سے لے کر زاد کچھ کے ریور ویر ہو جانے،
لیکس کسی سے چتر کی وردی میں ملیں مار مکی
وند سے کوں تعرض نہیں کیا۔ اس کی مشکوک نظروں
کے حصہ میں ہم سرزمینِ عمارت میں داخل ہو گئے
عمارت کے بڑے دروازے پر بھی پانچ چھ
سپاہی موجود تھے۔ انہوں نے جیسے مجھے پہچان لیا ہو
اور میں بھی انہیں مطلوب ہوں مجھے آنا دیکھ کے
ان کے ڈھکے ہوئے حسوں میں یک ساتھ جیسے کسی
نے سونیاں چھو دی ہوں، کھی جھل سے گئے۔

گاہوں نگاہوں میں انہوں نے ایک دوسرے سے
تقدیر چائی، لیکن میرا کاسا من کھائی تھا۔ میرا
رہبر، اسپتال کا دارم عمارت کے بڑے دروازے
سے چند قدم بعد دھڑکیں جاب جاب کی انکی جگہ میں
آگیا۔ سامنے دروازے پر سادہ لباس میں ایستادہ
فحش کا تعلق بھی یقیناً پائیس سے ہونا چاہیے تھا۔
دارم نے مجھے اس کے سپرد کیا، دروہیں سے لوٹ
گیا۔ مجھے باہر ٹھیکر کے درپانی خدمت پر مامور
پائیس کے دہی نے اندر جا کے پیری آمد کی اطلاع
دی ہوئی۔ چاتے چاتے کس نے دروازہ بند کرے
کی حیا طبعی کی اور نورانی دہی آ کے اس سے
میرے لیے دروازہ کھول دیا۔

وہ اسپتال کے خاص ملاقاتیوں کا کمر، معصوم
ہوتا تھا، نہ تباہ و نہ بیا بھوتا، بڑے اسٹیشنوں کے
درجہ دس مسافروں کی نظارگاہ کے مانند سما ہوا اور
صاف ستھر۔ دیواروں کے ساتھ لگے شاہانہ طرز
کے سونوں کے چھ شیشے کی چھوٹی میریں، کمرے کی
کٹھارہ وسطی جگہ پر مٹی ہوئی پڑی پڑی کورینر، چھت خاصی
اوپر تھی، دیواروں پر بنیاد رنگ روغن، کھڑکیوں پر
پلٹے پلٹے رنگ کے ریشمی پردے، چھت سے کسی
روشدر سبب کھلے ہوئے، چھت سے لگا ہوا پتھرا
تیز کی سے محکم رہا تھا۔ دروازے کے عین مقابل
سولوں پر تارہ اردووں میں تیں پولیس افسر بیٹھے
ہوئے تھے تیں کم دیش گندی رنگت کے تھے،

وداد حیر، ایک پختہ کار و جوان۔ تیںوں کے قامت
میں تھوڑا بہت ہی فرق تھا لیکن بڑی عمر کے فحش
کے چہرے پر بردباری جھلک رہی تھی اور وہی اس کا
بڑا افسر لگتا تھا۔ اس کی چھوٹی آنکھیں، سرد فحش
ہوئی اور چمکیں تھیں۔ بھووں پر سفید ہاں غائب
تھے

حالاں کہ وہاں نے انہیں مطلع کر دیا تھا، لیکن
میری آمد پر تیںوں مسلسل سے گئے میں سے سلام
کے لیے ہاتھ اٹھایا اور ان سے اجازت لیے بغیر
قریب کے سوئے پر بندھ گیا چند لمحوں تک ان کی
نظریں مجھ پر جمی رہیں، پھر دھڑک مرنے سے
بڑے افسر کی طرف اجازت طلب انداز سے دیکھتے
ہوئے مجھ سے میرے نام کی توثیق چاہی۔ میں سے
اقرار میں سر ہلا دیا۔

"تم سے ہم ڈانگھاری کرتا ہے۔" دھڑا افسر
سے ہندوستانی میں پہل کی۔ "ٹھیک ٹھیک تاکو گے تو
میں دونوں کے واسطے ٹھیک ہوگا۔" اس کے بچے کی
درستی توں روقت تھی۔
میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"رات کو تم ادھر اسپتال ہی میں تھے جب
وکیل آکر علی خاں صاحب کا مزار ہوا۔ دلیل
صاحب کتنے بچے تیار رہے پاس سے نکلے تھے؟"
"روزہ دو بجے کے درمیان۔" میں نے بھیجی
ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"تم نے اس کو تاکنے پر چھوڑا اور لوٹ کے
کمرے میں آ گئے، ایسا ہی ہوا؟"
"جی ہاں۔"

"تاکنے پر اس کو چھوڑنے وروپس کمرے
نکل آئے میں تم کو کتنا نام لگا؟"

"راتے کا وقت۔" میں نے سادگی سے کہا۔
"گھر جانے میں اتنی دیر کا ہے لگاں دلیل
صاحب نے؟" یہاں کا کر رہے تھے او۔" اس بار
نوجوان افسر نے پھر سے لہجے میں پوچھا۔

”پاؤں کر رہے تھے ہم، وقت کا کچھ خیال ہی نہیں رہا۔ جیسے وقت میں نے ان سے کہا بھی کہ رات بہت ہوئی ہے میں ان کے ساتھ چلتا ہوں، اس کی ناک سے، ان کے آجاک کا۔ انہوں نے اس کو منع کر دیا۔“

کا ”پاؤں کر رہے تھے او؟“
”میری، پانی، پے گھر کی دنیا بھر کی۔“

”سب سے تم کو کجا ہو؟“
”دو تین دن سے، یہاں آئے کے بعد ہے۔“
”دو تین دن سے!“ ویسے افسر حیرانی سے بولا۔

”اس سے وہی سوال کیا جو ان کے ذرا سے کیا تھا کہ تیری جلد وہ کس طرح مجھ سے مل گئی کہ گھر کی باتوں میں شریک کرنے لگے۔ میں نے جو ب میں وہی کہا جو ان کے سے کہا تھا کہ ایک دوسرے کے قریب آنے کے لیے کسی مدت کی شرط نہ لگائیں ہوں۔“

”گھر، کیسے تیری ان کی پہلی بار بیٹھ ہوں؟“

”یہ ایک ہی کہانی ہے۔“ میں نے کسی قدر بے رخی سے کہا۔ ”آپ کا وقت ضائع ہوگا۔ اس واقع سے میری ان کی ملاقات ہوئی۔“

”تم کو بتا دو، ہم اسی کارن دھر رہے ہیں۔“
”جتنے میں کوئی ہرجا نہیں لیکن آپ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پائیں گے، بل کے بچہ سکتے ہیں، کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتے ہیں تو ادھر ادھر مت بھٹکیے۔“
”تم کو یوں داتا رہا کہ تو اچھا ہے۔“

میں نے فوراً کوئی رد عمل نہ کر سکا کہ اٹھ کھڑا تھا جواب میں تیری ہر وقت مناسب نہیں ہوں اس کے۔ توں سے موجود رہا وہ پورے سر پرک سب طرح کے نہیں ہوتے، چہروں کی طرح ان کی شخصیتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے سے

سخت لے جانے کے لیے وہ اگلے سیدھے سوالات بھی کر سکتے تھے ہیں شک کی بنیاد پر، مفر دینے کا کام کرتے ہیں اور شک کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ کوئی شک اس کے دل میں بیٹھ جائے تو مشکل ہی سے نکلتی ہے۔ ظاہر ہے، اس میں بہت سی باتیں، تعلیم یافتہ اور تجربے کا بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ خوش دھواں صوابیت کے ساتھ اپنے غلط کو اجاڑا اور برہم کر سکتے ہیں، ہمیشہ دشمن کی طرح پیش آتے ہیں اور مشکل سے شکست قبول کرتے ہیں۔ بہت کچھ دلیل پر منحصر ہے، دلیل انہیں فائدہ بھی دلاتی ہے، راج بھی کرتی ہے، متاثر بھی۔ اپنی دیکھ آہستہ آہستہ اپنا نشان کرتی پائیں۔ دلیل تو نہ ہوں مگر دلیل ہی نہ ہو تو بہت ہی سبب کر لی جائے چرب رہتی انہیں ناگوار گزرتی ہے۔ اس کے مناسب کی رعایت دینی ہر حال واجب ہے۔ دینی آؤ میں بات کرے سے پہلے ان سے پورا تخمینہ کر لینا چاہیے۔

”ایک بات صاف سن لیجئے صاحب۔“ میں نے تم پر تر حقیقت سے نسبتاً اچھی ہوں آواز میں کہا۔ ”میرے پاس جو کچھ ہے، آپ سے کہے جاتا ہوں، ہو سکے تو اس پر دھیان دیجیے اور میرے اس راہیے سے سوچیں۔ آپ حاکم ہیں۔ بعد کو آپ کی مرضی ہے، جس طرف، جس انداز سے چاہیں کھوج لیجیے۔“

”میںوں کے چہرے تھکے گئے۔ جو ان اصرار زیادہ بے یقینی نظر آ رہا تھا۔ وہ کچھ ہٹا چاہتا تھا کہ بڑے افسر سے ہاتھ اٹھ کے اسے روکا اور طریقہ مسکراہٹ سے بولا۔ ”کا کہنا چاہو تو تم“ اس کی ”وار بھی رہی تھی اور مصعب کی تکلیف سے آسودہ۔

”میں ایک طور مجھے ٹھیک لگا کہ چن شہر میں آئے کے بعد جیسے آئے والے واقعات بے کم و کاست ہیں کردوں، لیکن اس سے پہلے انہیں کچھ بار کر دینا بھی ضروری تھا۔ میں نے کہا، ”جو میں کہتا

ہوں۔ اچھا تو یہی ہو گئی الحال آپ اسی پر تپ، اسی پر یقین کریں۔ بعد کو کسی وضاحت کے لیے سوال پیدا ہوتے ہیں تو میں آپ کے سامنے حاضر ہوں۔ آپ کے اطمینان کے لیے جتنا کچھ بھی جاسا اور سمجھتا ہوں، جواب دینے کی کوشش کروں گا لیکن میری بات ختم ہونے سے پہلے کوئی سوال مت کیجئے۔ یہ میری گزارش ہے۔ مجھے اس حقیقت کا اچھی طرح احساس ہے کہ آپ پولیس کے آئی ہیں اور تحقیق کے ایک عظیم واقعے کی کھیت کر رہے ہیں۔ بد قسمتی سے جس میں میرا کردار، میرا نام بھی آتا ہے۔ مجھے معلوم ہے، میری حیثیت بھی آپ کی نظروں میں مشکوک قرار پائی ہے اور میرے خیال میں اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ آپ کچھ جانتا ہے جس تو میں دو اتا ہوں۔ میں آپ سے امکان بھر غافل کروں گا۔ یا آپ کہیں کو آپ نامہ دے کے یہاں یہاں موجود ہوں۔ کسی کارنامے کے پتہ میں نہیں کے آپ تو شاید کچھ نہ جانتے۔“

”تم؟ تم میری مدد کرو گے۔“ تو جواں اصرار کی زبان مجھے میں نہ کما تھی۔ ”تم ہم کو کوئی بہت چالو پریشانی کا پتہ نہ دے سکو۔“

”تو ٹھیک ہے۔“ میں خاموش ہو جاتا ہوں، پھر آپ بھی یوں یہاں بیٹھے ہو۔ ”میں سے دونوں لکھ میں کہا۔ ”ایک بات دماغ میں رکھ لو صاحب! میں آپ کے سوال کے جواب کا پابند نہیں ہوں۔ آپ مجھے مجرم سمجھتے ہیں تو بات ختم ہو جاتی ہے، پھر دیر کا ہے کیا، مجھے یہاں سے سیدھے حالات لے جائیے۔ میں نے ڈاکٹر رائے سے درخواست کی ہے کہ وہ شہر کے کسی ایجنٹ کے ذریعے کا بدولت کر دیں پھر وہی آپ سے بات کرے گا۔“

”تو راج بہت اعزاز ہو گیا تھا کہ وہ کچھ ملے کے، کچھ خاں کے نہیں آئے ہیں۔ انہیں کسی کچھ پہنچنے کوئی رائے قانع کرے کا موقع ہی کہاں

ملا ہوگا۔ اکبر علی خاں کے ملازم کے۔ توں صبح فجر نماز کے بے سجدہ چلتے ہوئے، پولیس نے ان کی خون کو دھاوا لگا دیا۔ میں بڑی دیکھی تھی کسی وقت سارے محلے میں سکھ بھاگ گئے ہوگا۔ پولیس تک بات پہنچنے، پولیس کے سے دراندازان نقیشت میں کچھ وقت تو صبر دلگنا چاہیے کچھ تک دود کے بعد انہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ بریلی خاں رات گئے اپنے کسی سے دوست کے پاس سے گھر واپس آ رہے تھے یہ نیا دوست کون تھا۔ اس کا سراغ بھی اس کے لیے معلوم ہو گا۔ پتہ ان کے انہوں نے صدر دروازے پر اس کی اپنی کے دروازے پر اور کھینچے ہوئے سپاہیوں سے، ان کی ہوگی اور ممکن ہے انہوں نے اس ناکے والے کچھ ڈھونڈ لیا ہو جو اکبر علی خاں کو پتہ اس سے پتا تھا اور ہو سکتا ہے مجھ سے پہلے ڈاکٹر رائے سے بھی ان کی ملاقات ہو چکی ہو۔ انہی کم مدت میں ان کی معلومات خاصی خام اور ناقص ہوتی ہیں۔ یہ ساری صورت حال اور اس کی تذبذب و انتشار سمجھتے ہوئے ہی میں نے اپنی آواز اور سچے میں جرات کی تھی کہ در مجھے حساس تھا کچھ متاثر نہ ہو جائے۔ وہ کچھ جانتا چاہتے ہیں تو مجھے بھی اپنی وقایع، اپنی بہت کی کوشش کرتے رہنا ہے۔

”بستر پر پڑا ہے حرکت نہ ہے دست دیا جیسا حمل بار بار میری نگاہوں کے سامنے آ رہا تھا۔ اس شہر میں میری تنہائی اور اچھوتیت، سارے فاسلے مٹانے کے ایک شخص قریب آیا تھا، اس سے بڑا سہار ہو گیا تھا، وہ بھی چھو گیا۔“

”تو جواں اصرار کے پیلو میں بیٹھے، جیسے پولیس اصرار سے میری جی بیانی، یہ وہ سکون نہ تھی۔ میں نے کوئی ایسی ناروا، نارنجی بات بھی نہیں کی تھی۔ جاے کیا وہ مجھ سے شاید کچھ، اس کا مجھ ایسے کسی طرم میں مجرم سے سامنا نہ تھا۔ اس نے مجھ سے منہ سے پوچھا۔ تو تو تم کوں ہو؟“

میں آپ کو یہی بتانا چاہتا ہوں کہ میں کون ہوں اور مجھے بھی کون شہر میں آئے کی حالات سے واسطہ پڑا ہے۔ میں نے جبری حمل سے کیا۔ نین لگ سے آپ کی نظروں میں اپنی مشیت جاں کے ہی مجھے ذرا بکھری چاہیے۔ مجھے اپنی بات کہنے کا حق ہے تو مجھے اس سے جارت دو۔ کہیں ایسا پتہ نہیں ہے پہلے ہی صاف کہا ہے آپ اپنی کارروائی کرو میں جانتا ہوں، حق مجھے کہاں سے مل سکتا ہے، آپ پر انہی قسم نہیں ہو چکی۔

تو اس نے ٹھیک ہے۔ "بڑے سر نے فہری ہوئی" "وار میں کہا: تم بولو، کیا بولنا ہے؟" مزید کسی جنت کا گل نہیں تھا۔ میں نے اپنی آواز دھکی رکھی۔ "ہم آگے چارے تھے۔ اکبر پور ایشیئن پر کچن خراب ہو گیا۔ ریل گاڑی کے چٹکوں کی وجہ سے سوائے ہوئے بھائی کے سر پہ اندرونی چوٹ آگئی۔

میں نے شروع سے آخر تک مختصر اسوری رو دوس کے گوئی گزار کر دی۔ درمیان میں کئی بار دھیر اور جوان سر سے مدخلت کرنی چاہی لیکن بڑے اسری کی طرف دلچسپی کے تھلا کے وہ مجھے نہیں نے کوئی غلط نہیں کی تھی۔ صرف کبر علی خاں کے گھر میں چاقو کے زور پر داخل ہونے کے وقت سے جتناب کیا تھا۔ میرے بیان میں بدترین کی بڑھتی دس چھکی اور حیرت کا ظہار اس کی آنکھوں کی چمک اور چہروں کے بدست رنگوں سے ہوتا رہا تھا۔ اتنا کچھ جاں کے اس کے اہوں میں نہتے ہوئے سوائت کا مجھے مدد تھا۔ انہیں بھی دہی صر حقیق مطلوب ہوئی چاہیے تھیں جو کچھ دیر پہلے ڈاکٹر رائے کو ہوئی تھیں۔ گو میں خود ہی رانی نبھیں دور کر کے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

میرے چپ ہو جانے پر وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا کیے پھر اوپر اسرے اس سوال کی

تکراری جو ڈاکٹر رائے نے کیا تھا کہ کیا میں میری اپنی جیب میں چاقو رکھتا ہوں۔ ڈاکٹر رائے کی بات اور بھی، اس کو بکھل کا مطلق پوچھیں سے تھا، میں نے غلط فہمی میں کہا، "کی ان ہونے واقعے سے منسنے کے لیے چاقو جیب میں رکھنا ہماری رحمت ہے۔"

چاہے، برسوں اسے کھولنے کی نوبت نہ آئے۔ بعد دیکھنے وہ طرح طرح کے حالات کی شہرتیں کرتے رہے، ڈاکٹر رائے نے پھر یہ روئی۔ یہ دوسرا مرحلہ ریادہ اذیت ناک تھا۔ میں جواب دہی کا غلاب سہتا رہا کرتا آئے واسے وقت کی نگی وکشت کی اب انکی پر غصہ تھی۔ بہت دیر ہو گئی تھی۔ میرے دست و پا ہونے سے بے تھے۔ کئی جی میں آتا تھا، انہیں بھڑک دوں کہ میری کیا حد ہے۔ وہ میری بات کیوں نہیں سمجھ رہے۔ میں نے کیا قصور کیا ہے جو مجھے ان کے سامنے سر ہٹا کر ہجروں کے مانند ٹھٹھن پڑ رہا ہے۔ ایک رات، دوسرا شروع ہو جاتا تھا۔ اب کے سوالوں کا سلسلہ جاری تھا کہ سو فوں کے درمیان بھلی دروازہ کھلنے کی چرچا ہوتی اور ڈاکٹر رائے نمودار ہوا۔ اسے دیکھ کے مجھے سکون ملا۔ وہ تینوں اٹھ کھڑے ہوئے، میں بھی کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹر رائے نے ہر ٹکٹ انداز میں ان سے بیٹھ جانے کی گزارش کی اور ظاہری شہر کی دکان سے انگریز کی میں بولا، "میں غل نہیں ہوا۔"

"نہیں، ہمیں ڈاکٹر، کیا کہہ رہے ہیں آپ، خوش آمدید۔" تینوں اسروں نے تپاگ کا اظہار کیا۔ "کیسے صاحبان؟ آپ کے مسائل پچھل ہوئے؟" ڈاکٹر نے پر سیدھے میں پچھا۔ "جی ڈاکٹر۔" بڑے اسر نے پچھاتے ہوئے کہا۔ "ہم یہی کر رہے تھے، کچھ بھی کی کوشش۔" "یقیناً ساری بات سے آپ آگاہ ہو گئے ہوں

میں۔" "جی ڈاکٹر صاحب، ہم سے چوری فون سے ہر بات کہی ہے۔" "یہ کبھی افسوس ناک اور حیرت ناک صورت حال ہے۔" ڈاکٹر رائے نے ادا کی سے کہا۔ "جی ڈاکٹر صاحب۔" بڑے اسر کی "دار بھاری ہوئی۔" "واقعی۔"

"کیا فیصلہ کیا آپ نے؟" ڈاکٹر نے پچھل مسکراہٹ سے پوچھا۔ "ابھی یقین سے تو کچھ نہیں کہا جاسکتا۔" بڑا اسر سجدہ کی سے ہوا۔ "کیا مطلب؟" ڈاکٹر رائے نے چونک کے پوچھا۔

"یہ ایک بیک طرفہ روداد ہے۔" بڑے اسر کا لہجہ بظاہر مغزرت خواہاں تھیں تندی و تڑپ کا حامل تھا۔ "کہے لگا۔" اس تو جڑوں کا پس منظر صاف نہیں ہے۔ یہ ہر وقت چاقو جیب میں رکھتا ہے۔ اڑے بازوں سے بھی اس کی دا بھل رہی ہے۔ یہ تھو چھٹ سے۔ بنوا جمن جانے پر یہ چور کے جیسے پڑ گیا۔ ایک اسے بنا چوری پر ایک آدمی کا خوب ہو گیا۔ اس کا کہنا ہے اس نے اپنا چاقو نہیں نکالا تھا۔ ایک ساتھی نے بولی، "اگر بڑے کاری میں اپنے ہی ساتھی کو خود قتل کر دیا جو بعد کو سر گیا۔ یہ ایک اور معاملہ ہے، کل کا معاملہ دیکھا ہے، اس بات میں کئی صداقت ہے۔ اس سے مشہور رہا چاقو اور میرا جیسے بد معاش کے ٹھکانے پر جا کے اسے چاقو آزمائی کی دعوت دے ڈالی۔ کس کا دم میں؟ اس کا دم میں کہ یہ اسے رو کر لے گا، ورنہ یہ آدمی اب بے وقوف نہیں معلوم ہوتا یہ شہر کے مشہور وکیل کے گھر میں جبراً داخل ہو گیا۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ داتیل کل جو جبراً آدمی ہسپتال میں ٹھس آئے تھے۔ وہ کئی میں ڈھکی ہو جانے اور بعد میں دم توڑ دینے

والے وہ جن کے مشتعل ساتھی ہا سکتے ہیں، وہ وہ نہیں تو وہ میدان کے فرستادہ ہو سکتے ہیں۔ یہ ت کے ہاتھ نہ سکا۔ اس کا یہ بھی گئے ہونے ان لوگوں کے راستے میں ہسپتال کا پر جوش مدد ریم وکادٹ بن گیا۔ وہ بھی پتی جاں سے گیا۔ یہ دوسرا قتل ہے، پھر راج مع سو بڑے تیرا قتل، شہر کے ایک نام ور وکیل کا جو سہ شریک ساری پولیس حرکت میں آچکی ہے۔ دیر ہوئی تو سب سے صوبے اور پھر مرکزی حکومت تک بات چالکتی ہے۔ سارے وکیل صاحب کا۔" بھائی لکھ جید رہا دکان مقرب خاص ہے، دربار میں کسی بڑے عہدے پر فائز ہے۔ نظام سرکار در برطانوی حکومت کا تان میل کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ یہ انجی تارک معادہ ہے اور پیچیدہ رخ اختیار کر سکتا ہے۔ ہمیں ہر ممکن قدم اٹھانا اور ہر جاں میں غلط روٹنا ہے۔ کچھ رہے ہیں آپ ڈاکٹر صاحب۔" بڑے اسر نے ہا پس نہ فکر مند انداز میں کہا۔

"جی ہاں، کچھ رہا ہوں اور اچھی طرح جس طرح آپ سمجھا رہے ہیں اسی طرح۔" ڈاکٹر رائے نے جیسے کچھ میں ہوں۔ "کئی صورت میں یہی مناسب ہے کہ ہم اسے ساتھ سے چاہیں۔"

"ڈاکٹر رائے کی کہیں بھیل گئیں؟" آپ ساتھ لے جائیں گے اسے۔ کیوں؟ "کس ہے؟" "تجربہ دار ہے ڈاکٹر صاحب۔" بڑے اسر نے محتاط سے کہا۔ "نہیں کچھ در چاہتا ہو جھٹ ہے۔" "کیا اس سے حاصل کردہ معلومات میں کوئی کمی رہ گئی ہے؟" ڈاکٹر کھڑی ہوئی اور میں بولا، "مجھے نہیں معلوم کہ آپ کو کیا بتایا ہے لیکن جو کچھ میں جاں پیا ہوں، یقیناً اس سے مختلف نہیں ہوتا چاہیے۔"

”مخبروں کا ہمیں وسیع تجربہ ہے۔ آپ کو کیا بتائیں کیسے کیسے سرور ہے، قیامت دار سے آجے رہے ہیں۔ آپ جیسا اپنے مقصد کی پیٹھ سے دستہ کھینچاں جرائم پیشہ لوگوں کی شہدے کا کارپوس کا تصور نہیں کر سکتا۔ ہمارے روزِ شب انہی لوگوں میں گزرتے ہیں۔ ایک بھر کے چھٹے ہوئے لوگ ہوتے ہیں یہ جناب“

”لیکن اس کے بھائی کو اس کی رفاقت کی ضرورت ہے۔ یہ سراسر سانپم دور کی بات ہے۔“

”محافل نیچے ڈاکٹر صاحب! آپ ہمارے لیے نہایت معزز و محترم ہیں لیکن پولیس اور قانون کے بچے کچھ مٹا رہے ہوتے ہیں۔ میری درخواست ہے آپ سمجھنے کی کوشش کیجیے اس آدمی کی وجہ سے جن آدمیوں کا خون ہو چکا ہے اور یہ اس کا مصروف ہے۔“

”کیا کہہ آپ نے؟“ ڈاکٹر پریشانی سے بولے ”جی اس بے اعتراف کی ہے کہ تینوں کل س کے کیے ہیں۔“

”لیکن میں نے یہ کب کہا جناب!“ بڑے فسر سے بدبخت صراحت کی۔ ”میرا مطلب ہے یہی بنا سے قیامت دار ہے۔“

”کیسی بات کر رہے ہیں آپ۔“ ڈاکٹر رائے نے براہی سے کہا۔ ”دیکھیے آئی جی صاحب اس کا بھائی میرے زیرِ علاج ہے اور اس کی حالت سے میں واقف ہوں، آپ نہیں۔ یہاں اس کی ضرورت ہے۔ آپ کہتے ہیں یہ یہاں آکے جنم افراہ کی موت کا سبب بن گیا۔ سبب ڈنڈا اور کل کر دینا اور کل کے لیے ”دھ کرنا میں مختلف باتیں ہیں۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کل رات یہ پیتوں میں تھا۔ کبرعلی خاں کو رخصت کر کے کے کے جہد پہنے کرے میں سمجھا تھا یہ اس بے استیاء میں گھس آئے وے جہد آہوں کو آمادہ کیا تھا کہ میرے بجائے اتھوئی کو شتم

کردو؟ قیصرے کے بارے میں اس نے آپ کو بتا دیا ہوگا کہ وہ اپنے بھائی ایک اندھے سانگی کا نشانہ بن گیا۔ ڈاکٹر جانے والی گلی میں چور کا چھپا کر رہے یہ کون سے جرم کا مرتکب ہو رہا تھا؟ شہر میں ایک چھٹی مسافر کو اپنی بچ پوچی چمن جانے پر گیا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا چاہیے تھا۔ چور کا چھپا کر کے اس سے اپنے بھائی حاصل کر لیا تھا کہ وہ آدمی چاقو ہانے دیو پر رہ گئے۔ اس میں سے ایک آدمی سے سبھی ہوئی کیا یہ اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کر دیتا؟

پھر پولیس واسے اس کے خلاف میں دوڑ پڑے۔ پڑو گئے ہے یہ ایک شریف اعلیٰ وکیل کے گھر میں جبراً داخل ہو گیا۔ اس نے بارِ ادا قعدت کے تمام آدمی کا ظہر کیا اور کسی ناخوش گوار صورت سے سے بچانے کے لیے اس کے ساتھ میدا کے ٹھکانے چائے کی جرأت کر لی۔ وکیل صاحب نے میدا کو ہموار کرنے کی اپنی جیسی کوشش کی۔ جس خیانت

اس بوجھان سے میدا کے ٹھکانے پر جانے کا ارادہ تھا، وہ اڈے پاؤں فی ریت کے سین مطابق قیادار یقیناً یہ کسی انتہائی میں دوپ گیا تھا۔ اس احاد میں کہ یہ میدا کو چوٹی سے اتار سکتا ہے۔ چاقو پولی اور جتنی دست رک میں رکھ سکتا۔ کیا میدا ہی جہد آخر ہے۔ اس کے پاس کون سا راستہ تھا پھر ”میدا سے بچنے مگر کون اور پولیس سے سپاہیوں سے مل کے اس کے بچے ہستیاں تک پہنچنے کا سر رات بند کر دیا۔ پھر یہ کیا کرنا؟ وکیل کے گھر پہنچ چکا، اپنے پیار بھائی کو بچتا میں تنہا چھوڑ کے۔“

ڈاکٹر نے لمبے لمبے بھر کے لیے توقف کیا تو کہ اوچتر امر زہر آلود مسکراہٹ سے بولا، ”آپ کو تو ڈاکٹر کے بجائے وکیل ہونا چاہیے تھا ڈاکٹر صاحب!“

ڈاکٹر نے اس کی جانب غور سے دیکھا، اس کے چہرے پر، گہری بھڑی ادھر بھڑی دروازے پر دستک ہوئی۔ ڈاکٹر نے مارا ہی سے پوچھا ”کون

ہے؟ اندر آ جاؤ۔“

جس دروازے سے ڈاکٹر داخل ہوا تھا، سفید درو یوں میں وہ آدمی حوائی پوشوں سے ڈھکے نشہ افگنائے اندر آئے۔ انہوں نے بیٹھتے سے دسلی ہر پر نشہ رکھ کے حوائی پوش بند دیے، ایک میں ٹھیکین چڑی، چھٹریاں، کلک اور انگریزی ٹکٹ وغیرہ تھے۔ دوسرے میں چائے کے برتن، کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ بڑے السر نے جسے ڈاکٹر رائے نے آئی گلی کے خطاب سے مخاطب کیا تھا، اس گفتف کے لیے چند دسلی جملے ادا کیے۔ ڈاکٹر رائے کے اشارے پر خدمت گاروں نے سوناس کی مانیہ میں نکال کے ہمارے سامنے کر دی اور ان پر بچوں کے ساتھ تشریاں رکھ دیں۔ ایک خدمت گار پہلے نشہ آئی جی، پھر دوسرے امروں اور ڈاکٹر رائے کے پاس لے گیا۔ ڈاکٹر نے میری طرف دلی سے اشارہ کیا تو خدمت گار ڈاکٹر کو چھوڑ کے میرے پاس آ گیا۔ میں نے انکار کر دیا۔ ڈاکٹر نے ایک ٹکٹ نشہ آئی میں رکھ کے گایا مہماؤں کے ساتھ شہرت کی وضع پوری کی۔ سب کو چائے پیش کر کے لازم ملدہی رخصت ہو گئے۔

”آپ کچھ بد رہے تھے۔“ خدمت گاروں کے جانے سے بعد ادھیڑا فسر سے خاموشی توڑے کی کوشش کی۔

”مگر مجھے شہ ہے کہ آپ کی بھی رہے ہیں۔“

”آپ پولیس سے بہت ناراض معلوم ہوتے ہیں۔“ آئی جی دیر لسی سے بولا، ”پولیس میں بھی آدمی ہوتے ہیں جناب اور آدمی بھی ایک جیسے نہیں ہوتے۔ پولیس میں بھی کالے اچلے لوگ ہوتے ہیں۔ اب یہ معلوم نہیں۔“ وہ جھجک کے بولا، ”آپ ہمیں کیا سمجھتے ہیں؟“

”ایک خوش فہم کو بہتری ہی کی امید کرنی

چاہیے، ڈاکٹر سے پر عزم بچے میں کہا۔ وہ بچوں میں بھی کہ میں اپنی دانست میں کوئی عداوت نہیں کر رہا، میں اس وجوہ کی سفارش نہیں کر رہا، بل کہ خفا کی بیان کر رہا ہوں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں، یہ وہ آپ کو دیر لگ کے میدان کے ٹھکانے پر چلا گیا تھا۔ میدانے چاقو تیز مانی سے کیا پہلو کی کی۔ وہ اتنا ہی درو در ہے تو ایک اجنبی کے سامنے سیدنا کے چاٹا سا سرے درمیان کا راستہ اختیار کیا۔ کیوں؟ ڈاکٹر سے تیز دار میں آئی جی کو مخاطب کر کے پوچھا۔

”جیوں افرام سار دھے بیٹھے رہے۔“

”اب وہ میدان کے آدمی تھے جو سیتا میں اسے ختم کر کے آئے تھے، اس شخص کے چھل سا بھی جو ڈاکٹر خانے دی گلی میں ہے ہی سانگی کی وحشت سے ہلک ہو گیا۔ کیا یہ واقعہ اسی طرح پیش نہیں ہو سکتا جس طرح اس تو جوں نے بیان کیا ہے؟“ کہیں کوئی بے رہی کوں بہ نظر آتا ہے آپ کو؟ اوقات کی ترتیب میں کہیں کوئی جھوٹ ہے؟“

”یہ خبر کوئی نہیں، نہایت مفس خاگر۔“ آئی جی نے اپنی آواز میں کہا۔

”آپ اسے خاگر کہیں یا داستان۔ میں اسے تین چار دن سے دیکھ رہا ہوں۔ اس نے مجھ سے بڑکائی بھی کی ہے۔ یہ اپنے بھائی کے لیے جان پر نہیں لگا رہا۔ اس کا ثبوت بھی دیا ہے اس نے۔“

اس صورت حال میں یہ بھائی کو چھوڑ کے لڑ بھی ہو سکتا تھا۔ یہ یہاں موجود ہے۔ میں اس کے بھائی کا معارف ہوں اور ن دونوں سے میر کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یہ ایک ہوش مند، جرأت مند اور بہت سے اپنے ہم عمروں سے مختلف ہے۔ سے آئی جی ہوں چاہے کہ سر دست یہ کسی عداوت کا عمل نہیں ہو سکتا، آپ لوگ اسی شہر میں ہیں، بچہ بھی آپ سے دور نہیں ہے، خدمت گار کا اڈا، نہ ڈاکٹر خانے دی گلی، وہاں بہت سے راہ گیر اور اتنا سنی

نہجے۔ پہلے گمشو کپڑوں کو ذرا مٹول کر دیکھیے۔“
 ”وہ تو پولیس سٹیشن پر ہی ہے۔ صرف ہم
 تینوں سروس ہیں، پنا شہر کی سارنی پولیس جلد
 ارحلد تاج حاصل کرنا چاہتی ہے۔ یہ مجھے کی
 کارکردگی اور عزت کا معاملہ ہے۔“ اوجیز اصرار نے
 بڑی حد تک روک رکھا۔ اندر میں کہا۔

”تو ٹھیک ہے، پہلے اپنے طور پر تفتیش کر لیجیے
 ضرورت پڑے تو ضرور یہاں آئیے۔ میں یقین
 درنا ہوں۔ یہ یہیں موجود ہے، کہیں نہیں جا رہا۔
 آپ جب چاہیں یہاں آ سکتے ہیں اور اس سے
 رابطہ کر سکتے ہیں۔ کوئی ایسی دیکھی بات ہو تو میں
 خوراسے آپ کے حوالے کر دوں گا۔“

”لیکن ڈاکٹر صاحب مشکوک لوگوں کو ہمارے
 ہاں ایسی رعایتیں نہیں دی جاتیں۔ ہماری تفتیش کا
 اپنا ایک طریقہ کار ہے۔ مجرمہ ہر اکھوڑا راجلدی
 سامنے کھل آتا ہے۔ ہمیں اس کے شیر فیض آبادی
 پولیس سے بھی رابطہ کرنا ہے، اس کے قاتل نہیں منظر
 اور دیگر حوالوں کی چھان بین کرنی ہے۔ پولیس کو
 اسے یوں کھلا چھوڑ دینے کا خطرہ مول لینا نہیں
 چاہیے۔ اور آپ بھی جناب! صحاف کیجیے، ہماری
 مخلصانہ صلاح ہے، آپ بھی اس پر اتنا اعتماد نہ
 کیجیے۔ میدان کے ٹھکانے پر یہ بات اٹھی ہو جاتی یا یہ
 اسپتال سے دے سر پھروں کے ہاتھ آ جاتا تو بھی
 تو اس کا پھانسی تہا ہو جاتا۔“ اوجیز اصرار نے سر دردی
 آواز میں کہا۔

”لیکن اب نہیں ہوا۔“ ڈاکٹر بھڑکے
 بولے۔ ”اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ اب آپ اس کی
 خوش قسمتی غصہ کریں۔“

”دراں پہلو پر بھی غور کیجیے ڈاکٹر صاحب! یہ
 پولیس کی تحویل میں رہا وہ محفوظ رہے گا۔ آپ دیکھ
 رہے ہیں، یہ اس کے ہاتھ نہ آیا تو انہوں نے اس
 کے عمری وحش اکبر علی خان کو ختم کر دیا۔ وہ دوبارہ
 چھ در مسو بہ بندی بھی کر سکتے ہیں۔ لگتا ہے وہ

جین سے منجنے والے نہیں، بڑے خطرناک، منتہم
 مزاج لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے وجود سے
 ان کے جسے جمائے ٹھکانے، ان کی بادشاہت پر
 ضرب پڑے کا خدشہ ہے اور اگر وہ میدان کے آدمی
 نہیں اور آپ کے اندیشے کے مطابق وہ پگھل ڈاک
 خانے وان گل میں مرے والے کے سامنے بھی
 ہو سکتے ہیں تو وکیل صاحب کے خاتنے کے بعد وہ
 مطمئن ہو گئے ہوں گے کیا؟ کیا انہوں نے اسے
 ساتھی کی قیمت وصول کر لی؟ ہماری تفتیش، مٹی حلقہ،
 پولیس کی تحویل سے مراد اس کی حفاظت کی ضمانت
 بھی تو ہے۔ یہ کھلا رہا تو اور حوں ح رہے کا اس کا
 ہے۔ جو لوگ اس کے دوست وکیل صاحب پر ہنا
 غصہ آ رہے ہیں، اس سے کیا بعید سے کدوہ اس
 اسپتال میں پڑے اس کے ہر بھان کو بھی
 پوری طرف دیکھ کے اوجیز مسر کی ڈوار بل کھلے

”اب آپ سے ایک دوسری بات کہہ دی۔
 ایک بات طے کر لیجیے، آپ اسے شخص شک کی غیب،
 برساتھ لے جانا چاہتے ہیں، اس کی حفاظت کے
 لیے یا دونوں کے لیے؟“ ڈاکٹر جھلے کچھ میں
 بولا، ”میں نہیں سمجھتا شک کی کوئی مفتوں وجہ موجود
 ہے اور حفاظت تو آپ یہاں بھی کر سکتے ہیں۔
 اسپتال کی تاریخ میں بھی دار پولیس یہاں آگئی
 ہے۔ چچا اور عمری تنج دیکھیے۔ یہاں اسپتال میں آگ
 آپ اس کی حفاظت پر غور کر سکتے ہیں۔ تصور بہت
 قانون مجھے بھی معلوم ہے۔ اپنی سلامتی کے لیے یہ
 قانون بھی آپ سے مدد طلب کر سکتا ہے اور یہی
 حانہ حرائق کی بات تو آپ شہر میں کہہ رہے ہیں آپ
 کا کیا کام ہے۔ شہر میں مٹی خوں و روئیں ہو چکی ہیں
 اب بھی آپ “ڈاکٹر کوئی شدید بات کہتے کہتے
 رہ گیا

”چند لمحے توقف کے بعد اس نے رومی سے کہا
 ”آپ اسے یہاں سے لے جائے ہی پر مجبور نہ ہوں

ہیں وہ مجھے بتائیے میں آپ کا پارکم کرے، آپ کی رہت سے یہ کس حکم امت سے بات کروں۔
 تینوں امیر اضطراری مدد میں یہ دوسرے کو دیکھنے لگے۔

آپ کی اطلاع ہے ڈاکٹر سے روکی آڑ میں کہ، کچھ دیر پہلے میں نے ہر شہر لی بل بھی رکھ سے بات کی ہے وہ بہت معروف ہیں لیکن میری گزارش رد کر سکے، پورا معاملہ من کے رضا مند ہو گئے۔ انہوں نے صاف قیل مگر قادی کا مشورہ دیا ہے۔ میں اس کی صافست لے سکتا ہوں۔ کوئی بھی صافست۔

لیکا ایک آئی بی اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں امیر اسے دیکھ کے ہڑبوا گئے۔ ڈاکٹر رائے نے ان سے چند محول کے لیے بیٹے چاہے کی درخواست کی۔ ڈاکٹر سے تھی دیر میں کئی بار مجھے مخاطب کیا۔ تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟

اس نے انگیر بڑی میں مجھ سے پوچھا تھا۔ اس دور وہ چاروں مسلسل مگر بڑی میں بات کرتے رہے تھے۔ کوئی جواب دینے کا مطلب تھا کہ میں ڈاکٹر کی بات سمجھ نہ ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے انگریزی میں بونا پڑا۔ میں نے دھکی توڑ میں کہا۔ نہیں ڈاکٹر صاحب میں کیا کہوں اب۔ کئی کچھ تو آپ نے کہہ دیا ہے۔ ڈے پاڑوں سے تعلق کی وجہ سے پولیس کا مجھے کسی قید رنج ہے۔ ان کے لیے خانہ پری بہت اہم ہوں ہے لیکن میں انہیں یقین دلاتا ہوں، میں کس وقت تک یہیں رہوں گا جب تک یہی رہیں رہی علاج ہے۔ در شہر سے چا آں گا وہ پولیس کو بتا کے۔

میرے انگریزی بولنے پر تینوں نے جسم بھج سے گئے تھے۔ مگر یوں رہاں کا بھی کیا کرشمہ ہے۔ آئی کچھ در نظر سے لگتے۔ وہی معتر ہو رہا ہے۔ پولیس نے نو وہ تھے ہی ہوا ہی چڑی کے ہی۔ وہی تو بہر حال ہوتے ہیں اس گلوں

میں کہ میں کچھ اندہ نہیں کر رہا ہوں۔ میرے مارے میں اب اس بڑی ناگہری اور خوریت سے بات کی تھی۔ جیتنا انہیں اب کچھ غافلت ہوں چاہیے۔ غافلت کے بجائے ان کے چہروں سے حیرت جھلک رہی تھی

میری آپ سے التماس ہے۔ میں نے پروا راست آئی بی کو مخاطب کیا۔ پولیس کا ایک اور کام بھی ہوتا ہے جن کا نقصان ہوا ہے، دارالہکس میں تو کم از کم اس کی دل دسی، دل چوٹی کرنی چاہیے۔ میں نے اس پر بھی خاص صاحب کا مکرر دیکھا ہے۔ ان کے بچے زیادہ بڑے ہیں، بھئی تو اپنے شو سے بہت محنت گی۔ ایک بوزگی ماں بنا ہے۔ اس نے مکرر یہ تو قیامت دیت بڑی ہے۔ کچھ میں وہاں جاتے کی بہت میں ہی کس سے اس کا سامنا کر پاؤں گا لیکن میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔ زام صاحب نے اجازت نہیں دی۔ میں نے عاجزی سے گھرا کر۔ میں نہیں رہوں گا جناب اس

ہسپتال میں، لیکن میں جاؤں گا میں۔ جوں کے ٹھیک ہو جانے پر اس شہر میں مجھے ایک اور بھی کام ہے۔ میرا کے اڈے پر اپنا پتہ وائٹ یہ بھی جانا ہے۔

تینوں حلالہم سے ہو گئے۔ نو جوان امیر نے بے گلی سے پوچھا، تو تو تم وہاں جاؤ گے؟ جانا ہے۔ یہ میرا اس کا وعدہ ہے۔ وعدہ فرض جیسا ہوتا ہے۔ کم از کم میرے لیے تو ہے۔ یہی تم اسے تم پر کر کے اس سے ٹھیکے پر نظر جانا چاہتے ہو؟ کو جوں امیر کی آواز سنائی گئی تھی۔

میں آپ کو شاید بتا چکا ہوں مجھے آگے جانا ہے۔ لیکن فرض چکا ہے، جس چل تو میں آج ہی اچھلا جاتا لیکن ڈاکٹر صاحب نے مجھے یہاں ایک طرح سے قید ہو جانے کا ٹھہرا دیا ہے۔

بارن الٹ بھی تو سکتی ہے۔ نو جوان امیر

نے کہا۔

بازوئوں میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ میں سے بے پروائی ظاہر کی۔

دیکھا، دیکھا آپ نے ڈاکٹر صاحب اس کے طور دیکھے آپ سے؟ اوہ ہر امیر تیزی سے بولا۔

یہ کچھ بول رہا ہے۔ ڈاکٹر نے انہی آواز میں کہا۔

وہ تینوں اندھ گئے ڈاکٹر نے بھی پھر ان سے کوئی کلام نہیں کیا، چند دگی الوداعی حقیرے ادا کرنے ضروری تھے اور دروازے تک ان کا ساتھ دیا۔

اس کے جانے کے بعد کمرے میں ہم دونوں تنہا رہ گئے تھے۔ چند ٹانگوں تک ڈاکٹر سر جھکائے ہوش بیٹھا رہا۔ جیسے سانس استوار کرنے کی کوشش کر رہا ہو یا بہت تھک گیا ہو اور ایک دھند سکون لازم ہو۔ میں اس کے نزدیک گم سم کھڑا رہا۔ پری محل میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ میں اسے کیا بولوں۔ ہر لفظ مجھے بے پایاں محسوس ہوتا تھا۔ کچھ کہنے کی کوشش میں میری آنکھیں پھر آئیں۔ میں اس کے ہاتھ جوڑتا، اس کے سر پر ہاتھ پڑتا تھا۔ وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔ ایک نظر میری جانب دیکھ اور عرصہ کچھ کہنے سے پہلے اس نے ہونٹوں پر دھکی دیکھ کے غم دیا۔ تم ایک لفظ نہیں کہو گے۔ میں نے وہ کچھ کہا اور کیا، وہی کو تھک سمجھتا تھا۔ اب جاؤ آپ کمرے میں اور بھائی کو دیکھو۔

اس نے مجھے زبان کھولے نہیں دی اور تیز قدموں سے کمرے سے نکل گیا۔ میں دیر تک بے نی حرکت وہیں کھڑا رہا۔

کمرے کے باہر سیورین میری منتظر تھی، بے اختیار میری جانب نیکی اور مین میرے سامنے آ کے ہاتھ دوک کے کھڑی ہو گئی۔ کیا ہوا، جیسے مجھے صاحب ٹھیک تو رہا؟ اس نے سوالوں کی بوچھاڑ

کر دی

میں نے آنکھیں منہ کے اور ہاتھ ٹھکے اسے اطمینان دلانے کی کوشش کی

میرا دل بہت دھڑک رہا تھا۔ وہ پھولی ہوئی سانسوں سے بوی ہو گیا ہے۔ تم ایک طویل مدت بعد قید سے رہا ہو کے آ رہے ہو۔

مجھے بھی کچھ ٹھیک لگتا ہے۔ میں نے ہر چند سے کہا۔ مجھے پولیس سے بہت لگتا ہے۔

کس کو نہیں لگتا۔ پولیس کو کی شہ پوئیس سے ڈر لگتا ہے۔ میں نے کہا۔ کس کو، سب ٹھیک ہی رہا۔

شکر ہے، میں دعا سیں کر رہی تھی۔ سو بچی تھی، تمہارا آخر کیا قصور ہے۔ اولیٰ آوار میں بولی۔

میں نے اس سے نہیں کہا کہ میرا قصور تو میرا وجود ہے۔ تھی کٹ کش، اتنی آڑاٹوں کے بعد بھی یہ وجود اپنے ہونے پر کیوں مصر ہے۔ ہم دونوں وہ داری کا مختصر فاصلہ عبور کر کے کمرے میں گئے در میرے قدم سپرد سے ٹھک کی طرف لڑھے۔ وہ جاگ رہا تھا میری آہٹ سے۔ کھینچ کر لیں۔ مجھے دیکھ کے ہوں میں جنبش ہوئی۔ اس نے کچھ کہا تھا جو میں سن سکا۔ اس سے دہریا بھی نہیں۔ سیورین پاس ہی کھڑی تھی۔ اس نے انھیں کے غم پر دھکی دلائی جیسی چادر درست کی، سر جھانے جا کے ہال سنوارے، پیشانی پر ہاتھ رکھا اور ہرستانی میں بڑی سے پوچھا، سر میں درد تو نہیں۔

ٹھکل سے نمونیت کے اندر میں سر ہد کے انکار کیا۔

کچھ چاہیے آپ کو؟ میں نے شکلی سے پوچھا۔

ٹھکل نے اپنا ہاتھ چادر سے ہر لگایا۔ سیورین بہت ہوش مند اور مستعد لڑکی تھی۔ دوسری جانب جا کے اس سے ٹھکل کا اٹھا ہوا ہاتھ تمام کیا۔ دھر

تک، وہ بہت بڑے مردم شناس اور اشراف دوست
آ رہی ہیں۔

وہ تو اب میری دکالت رستے رہے۔ وہ
میں میں ایکٹار میرے ساتھ ہر جگہ۔
کچھ یہ بھی مدح ہوتا رہتا ہے۔ ورنہ ہی گ
ل جاتے ہیں۔ کس کا نام لوں، یہاں اکبر علی
خاں ل گئے تھے۔ وہ ب خدا ڈاکٹر صاحب کو
اپنی عروہ میری عمر کی انہیں لگ جاتے۔
"اچھے لوگوں کو اچھے لوگ مل جاتے ہیں۔"
"اور اچھے لوگوں کے ساتھ اچھا برا بھی تو ہوتا
رہتا ہے۔ میں تمہیں کیا بتاؤں۔" کیا کیا
بتاؤں۔

سیورین کے پاس کوئی جو نہیں تھا، فردگی
سے ہوئی، کہتے ہیں خداوند کی کوئی مصیبت ہوئی
ہے۔

"انٹونی وراکبر علی خاں سے کسی کا کیا بگاڑ
تھا۔ یہ کیسی مصیبت ہے خدا کی۔"

میں ایک جواب ہر جز اور ناتوں کی سیر ہوتا
ہے کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ سیورین نے بھی ہی کہا۔
"انٹونی ان کے راستے کی رکاوٹ بن گیا تھا،
لیکن اکبر علی خاں صرف تکی کی بات پر کہ تم
چار برس سے وہ میرے بہت قریب ہو گئے تھے اور
میں ان کوں کے ہاتھ نہیں رہتا تھا انہوں نے ایک
بے گناہ کو ختم کر دیا۔ اور کس بات پر کہ میں
کسی طور پر اس کے ساتھی دھوا کی موت کا سبب بن
گیا تھا لیکن وہ جانتے ہیں، میں سے نہیں مار
تھا۔ اور سبب بھی میں کہہ رہا تھا، انہوں نے ہی
رہا ان کی تھی۔"

"وہ آ رہی ہیں درندے معلوم ہوتے ہیں۔"

سیورین کی سے ہوئی۔
"ان کا انجیر بھی پھر ہوں تاک ہونا چاہیے۔
مجھے اپنی آواز پر قابو نہیں رہا۔ انہیں ایسے نہیں
پھونکا چاہیے۔ ظالم کو اس کے انجام سے دوچار

کمرہ بنے میں تال و تاخر بڑی ادیت، بہت بڑا انجیر
ہے۔

سیورین مجھے صبر، صبر کی تلقین کرنے لگی وہ
میں کچھ کر سکتی تھی۔

وہ کہتی تھی میرا سید بہت جلتا ہے، مجھے تو
ایک یل بھی کاٹ دو پھر ہو رہا ہے "انٹونی اس
مناجہ سے نہیں۔" میں نے بھی کوئی آواز میں کیا
مگر تم تم سر دست کیا کر سکتے ہو شاید
کچھ بھی نہیں۔ "وہ مجھے بچے میں لائی

اس کے غیر حوالہ ترخی آئینہ بچے پر مجھے حیران
ہوئی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ پلیس پٹ
پڑنے لگی اور جیسے اس۔ پھر سو اہلہ۔ وہ وہاں
کی ہوئی گھر اس سے کیا ملتا تھا۔ مجھے تو انتظار
کرنا ہے جب تک ان ناٹ صاحب کی طبیعت
سراگرا نہیں ہو جائے۔ میرے بچوں میں تو
انہوں سے رنج و زوال رہی ہے۔ اور یہ سب کچھ
ہو بھی ان کی وجہ سے ہے۔ نہ وہ اپنی یہ دولت
بناتے نہ ہمیں اس شہر میں پڑتا اور نہ یہ وقت دیکھنا
پڑتا۔

"تم ٹھیک ہی کہتی ہو۔" میں نے مایوسی سے
کہا، "لیکن میں کیا کروں اس طرح منہ چپائے
بچہ نہیں چارہ۔ اکبر علی خاں کے صبر والوں کا خیال
تاتا ہے۔ وہ کیا سوچتے ہوں گے میں کیسا ہے
بے غیرت ہوں، اپنے جس کے پر سے کے لیے نہیں
تیا اور دوسرے لوگ اکبر علی خاں کے صبر پر ان
کے عرا، انہوں، اس بڑوں والوں کا ایک ہجوم
ہوگا۔ وہ لوگ کسی کسی چمکیوں کر رہے ہوں
گے۔ انہیں بتایا گیا ہوگا کہ میں چاروں سے ایک
انجی سے لے کر دم دردا بہت بڑھتی تھی۔ صبح
دشام اسپتال جاؤں گا معمول ہو گیا تھا۔ بہت
دشام ہو رہی ہوں گی وہاں۔"

وہاں تمہارے جانے کے بعد بھی میں کچھ
ہوگا۔ "سیورین وہی وہی آواز میں ہوئی۔

"جس میرا جی ہو مطمئن ہو جاتا۔ اب خیال
آتا ہے شاید کسی پر تھا کہ پلیس مجھے ساتھ لے
جائی۔ پھر میرے وہاں نہ جانے کا ایک عذر و
معتول ہوتا۔"

"ادھ، نہیں نہیں۔" سیورین بے قرار ہو گئی۔
"تم کیا کہہ رہے ہو؟"
"میں خود کو بے بس، بہت حقیر محسوس کر رہا
ہوں۔"

"توں؟" وہ حیرانی سے ہوئی، پھر اس کے
شانوں کی صراحت اس کی آواز بھی ڈھلک گئی۔ کہنے
لگی، "برانہ مانو تو کچھ نہیں۔"

"اس سے برا کیا ہوگا جو ہو رہا ہے۔" میں نے
پروہ کی سے کہا۔

"صاف کرتا، لگتا ہے تم اپنے حواس میں نہیں
ہو اور جس اشرار میں بڑی اتنی سیدھی باتیں کر رہے
ہو۔ تم سمجھتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو، تم اپنے بھائی کو
یہاں چھوڑ کے پولیس کے ساتھ جھے جاتے تو
تمہارے پاس اکبر علی خاں صاحب کی پیچھے نہیں
میں شریک نہ ہونے کا ایک عذر ہو جاتا۔ میں نا؟ تم
چلے جاتے اس کے ساتھ۔ تم نے ڈاکٹر رائے کو
روک دیا ہوتا کہ وہ اپنا وقت کیسے ضائع کر رہے
ہیں۔ یہ تو تم اب بھی کر رہے ہو۔ یہاں اسپتال میں
بہت سے پولیس واسے چوکی کر رہے ہیں۔ تم اب
بھی اس کے سامنے جا کے خود کو پیش کر سکتے ہو۔

سیورین ایک مختلف لڑکی نظر آ رہی تھی۔ اس کا
چہرہ دیکھ رہا تھا۔ میں چمکی۔ کہہ رہا۔

"تم یہاں تمہارے بھائی کی دیکھ بھال کر رہی
رہے ہیں۔ وہ چمکے گا تو تمہاری یہاں ماسو جودی
کا کوئی نہ کوئی ہمارہ کر دیا جائے گا۔ وہاں سے گاؤ
ٹھیک ہے، ایسی تو۔"

مجھے حیرت ہوئی، اسے اس طرح کی کھلی
ترجیہی باتیں نہ بھی آتی ہیں۔ میں نے رہاں پر
دھی، اس لیے کہ میرے پاس تادیب کے لیے کچھ

میں تھا۔
"ڈاکٹر رائے ایک دانش مند آدمی ہیں۔
اسوں نے ہر طرف دیکھ کے ہی پولیس سے پاست
کرنے، ایک انجی کے معاملے میں داخل الماری کا
فیصلہ کیا ہوگا۔" سیورین کی آواز ساڑھ بگلی۔

"انہوں نے تمہارے بار چارے پر پابندی نافذ کر دی
ہے۔ ایک پابندی جو تم کسی سے بھی توڑ سکتے ہو۔ یہ
پابندی نہیں ایک بڑی گناہ، ایک مہربان نہیں کی
تاکید ہے۔ ڈاکٹر رائے کو معلوم ہے کہ ٹوکی کیا
حالت ہے۔ عین چار دن میں عین گل ہو گئے ہیں
اور تم کسی نہ کسی طور سے ان میں ملوث ہو۔
بار چہارے دشمن تمہاری تلاش میں ہیں۔ انہیں
یقین ہوگا کہ تم کبر علی خاں کے پر سے کے پرے ان
کے گھر کا رخ سرور کر دو گے۔ ان پاگوں کے
سر پر خون سو رہے۔ وہ تاک لگائے بیٹھے ہیں گے
اور تم ان سے بچ کر کبر علی خاں کے گھر چلے گئے تو
وہ اس موجود ہے شہر تعزیت دار تم سے کوئی، اس
نہیں کر سکتے کیا، وہ طرح طرح کے سوالوں سے
تمہارا سیدھی کر سکتے ہیں۔ ایک دور دورہ امکان
یہ بھی ہے کہ کبر علی خاں کا کوئی لڑی تمہیں اس
دلچ کے ہے ہوش و حواس میں نہ رہے اور در
تم پر کوئی شبہ ہے تو جلد ہی پولیس دور دورے
ذریعوں سے برکی کو ہار ہو جائے گا کہ اکبر علی خاں
کی ہدایت کے وقت تم پہنچے بھائی کے پاس اسپتال
میں تھے۔ تم نے سوچا ان سے دو سپہ نہیں
واقعات کے بعد شہر کے لوگ تمہاری صورت، کہنے
کے لیے کھتے

میں کو کچھ تکلیف ہوئی تھی کہ کا ایک سکرے
میں کراہ بھی اس کی آواز گونگی۔ سیورین سونے
سے اٹھ کے اس کے بستر کی جانب چلی۔ میں بھی
اس کے پیچھے گیا۔ مصلیٰ نے گردن ہٹنے کی کوشش
کی تھی۔ سیورین نے اس کی ہڈی، سر اٹھا کے ٹکڑ
دوست کیا اور جسم تھپ تھپاتے ہوئے دیر تک

ہر آدمی تمہاری دست و پائی میں تمہارے پاس
ایسی کوئی عمارت ہوئی چاہیے کہ وہاں پہنچنے کے بعد تم
سے بیماروں اور بادشاہوں کا سلوک کیا جائے
”گ“

”نہیں میں میں تو یہاں موجود ہوں
میں نے کئی بھٹی آوار میں کہ ”ڈاکٹر“ کی تشبیہ
کے باوجود میں یہاں سے نکل سکتا تھا بے شک
میرے دامن میں یہ حادثات درندہانہ اتنے واضح
نہیں تھے، لیکن تھے ضرور۔۔۔ اس لیے میں نہ جا سکا
میں تو اپنے دل و دماغ کی حالت، اپنی کیفیت میں
گرد آہا تھا، مجھ پر یہ وقت بہت بھاری گزرا رہا ہے۔
یہ کمر“ مجھے دیدہ و نہایت مسحور ہوتا ہے۔“

”کرب و اضطراب بڑا فطری ہے لیکن اس
نظر بندی کے ساتھ ہر آدمی کے پاس کیا رہتا ہے۔“
سیدہ میں دل سواری سے ہوں: بیماروں کو راتانی
سے عاری نہیں ہونا چاہیے۔ باہر جا کے تم اپنے
مقصد میں کام پاب بھی ہو جاؤ تو اگر ملے خاں اور
اتھوئی کو واپس نہیں لائے۔ اس کام میں کے بعد
اور دیکھ لیاں بھی تو پیدا ہو سکتی ہیں۔ پولیس داہرہ
نہیں ساتھ لے جاسکتی ہے درمیان میں اندر رہا ہوگا
کہ اپنی جگہ پر، تم سے کس طرح پیش آسکتے ہیں،
پھر رائے رائے بھی شاید کچھ۔۔۔ رہا میں۔۔۔ ب س
تدراہاد بن مطلوب۔۔۔ رخصت چھوڑے۔۔۔ اس وقت
تمہارے متعلق شہر میں بہت فوہیں گردش کر رہی
ہوں گی۔ تم کس کس کی رباں پرانا لگاؤ کے بعد
میں ہر حال سب کچھ امید ہو جائے گا پولیس
بھی یوں پاؤں پیارے بھی تو نہ رہے گی۔ دیکھ،
ہدایت، قانون، انصاف سب ختم ہو گئے کیا کچھ
خداوند پر بھی چھوڑ دو۔ تمہارے کسی مخلص قدم سے
بہت کچھ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ سب سے زیادہ تمہارا
بھائی حناڑ ہو سکتا ہے۔ وہ نعمت یا ب ہو رہا ہے۔
اسی پر تمہاری توجہ مرکوز رکھی چاہیے کہ تم کسی بے
ریاں اس شہر میں آئے تھے۔ بعد کو تمہاری جمر میں

نکبداروں کرتی رہی۔ مصل غفلت میں تھا۔ اس
طرف سے مطمئن ہو کہ وہ وہاں رہ سونے پر آج بھی
اور معذرت کرنے لگی کہ اس سے اپنی حیثیت سے
نہیں ہو گیا۔ وہ۔۔۔ حالے یہاں وہاں ملتی رہی۔

”تم نے کیا کیا غلط کیا“ میں نے بیکانی
پچھ میں کہا: ”مجھے تو تعجب ہے، تمہیں اتنی
باتیں کئی بدل در موثر باتیں بھی کر لی آتی
ہیں۔“

میں کہہ۔۔۔ کا دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کے چہرے
میں مجھ سے کون سی ہوتی۔ اس کا کچھ کی بی بی بیچوں
کی طرح بازگ ریشم کی طرح نرم ریشم کی دانالی
اور حراہی کا مجھے ایسا اندر روئیں تھا۔ وہ مجھے دریں
کی مثل مل رہی تھی۔ کوئی کسی کے کھینچے، کسی کے
دکھ میں اس قدر سنجیدہ متاثر نہیں ہوتا ہے۔
ایک بات تازہ نہیں کس طرح خاں کے گھر
چاہے کی ہے ملتی ہے۔ یا اس کے قانون کی سروا
گی“

مجھے جواب دینے میں ہچکچاہٹ ہوئی۔
میرے جواب کے انتظار میں اس نے چند لمے
تامل کیا اور متانت سے ہوں۔ ”شاید دووں
کی۔۔۔ ہوئی بھی چاہیے لیکن بدحواسی اس وقت
اکبر علی خاں کے گھر چاہا مناسب ہے نہ کسی دوسرے
کام سے ہار چکا۔ یہاں تم سمجھتے ہو کہ میں تمہارے
باہر نکلنے کی دیر ہے۔ تم ب کے سروں پر تنگ آ جاؤ گے
جنہوں سے اتھوئی اور اکبر علی خاں سے ان کی
زندگیاں نہیں لی ہیں تمہارے انتظار میں دوسرے
تھکائے کھڑے ہوں گے کہ ہمیں انکار دے انجام تک
پہنچاؤ“ اور کیا تم اس گھر میں ہو کہ کسی اور
طرف جانے کے بجائے تم سیدھے اس بد معاش
کے گھوکے کا رخ کر کے جس کا چا تو تمہاری جیب
میں ہے اور جو شہر کے تمام شہرہ آفاقوں کا سرغریہ ہے
تم سے سخت سے انار کے کسی قلم رو کے حاکم بن
جاؤ گے، پھر سب کچھ ہمارے درمیان ہو گا اور اس کا

۲۷ رتبہ ۱۰ پیپ ہدف

یہ یوں کے سجدے میں بیٹھ گئی کی رفق۔ مجھے
 بہت آد کہہ میں میں کہیں میں چاہے
 اے متلسر کر کے ہے میں پر عزم کہ میں
 کہا۔

میری طرف دیکھتے ہیں اس سے مسکرائے گی
کوہش کی اور میرا ہاتھ پکڑنے لگی میری سیکھوں میں
پھر اسو بھڑ آئے۔ سوئے سے اٹھ کے وہ جاکانہ
نہ نہ میں ہوں؟ میں تمہارے لیے کچھ لاتی ہوں۔
انکار مت کر۔ تمہی نے کہا تھا، علم کی توانائی کے لیے
غذا کی ضرورت پڑتی ہے۔ کچھ ایسا ہی کہا تھا
نا؟ یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔
مصول کے خلاف دوسرا مصل کو دیکھنے کے
بے ڈاکٹر رہے کے بچائے دواد ڈاکٹر آئے لیکن
شام کے دورے پر ڈاکٹر چائے کے کے وقت
ڈاکٹر رہے ایک نوجوان ڈاکٹر اور ایک عمر رسیدہ
فرس کے ساتھ کمرے میں وارد ہوں۔ وہ کچھ جھلت
میں معلوم ہوتا تھا، بدحواس سا۔ آتے ہی وہ سیدھا
مصل کے پاس گیا اور مجھے باہر چلے جانے کی
ہدایت کی۔ مصل کے صباغ کے دوران اس نے
دوسری بار مجھے باہر چلے جانے کا حکم دیا تھا۔ وہ
داری میں میں زیادہ دور تک نہیں گیا تھا کہ کچھ
نہیں پر دو بدوقت پر در سیاہی گشت کرتے نظر
آئے۔ مجھے دیکھ کے وہ چڑھنے سے ہو گئے۔ میں
نے سوچا کہ آزا کھا کچھ اور آگے جاؤں لیکن بے
کار نہ بننے والی بات نہ نہ جائے۔ دھر کی وقت
ڈاکٹر رہے کی طبی کا خیال بھی مبالغہ رہا۔ میں نے
سے قدم روک ہے اور فوراً ہی واپس آگیا اور
کمرے کے سس پاس راہ داری میں ٹھہرا رہا۔ میں
ہو کچھ پر بعد بیویں تقریباً جاتی ہوئی، ہر کسی
"راک" ہاتھ ہا کے مجھے اندر آے کا اشارہ کیا۔
میں نے کسی تاجر کے بغیر میں کمرے میں داخل
ہو گیا۔ سامنے کا منظر میرے سے کسی نوع کے

(207)

ماتہ تھا۔ نعل بستر پر جھٹ جواتھا اور ڈاٹوٹوٹے اس کے بہت قریب کھڑا سرگیشانی کی کر رہا تھا۔ شخص کسی ریس، بھی سر ہلا کے اس کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ اس کی آواز پر غصہ طاری تھی۔ ڈاکٹر رائے نے مجھے پاس بلایا اور میرے کدھے پر ہاتھ رکھ کے چمنی آوار میں نعل کو کاٹا۔ یہ بہت تکڑا ہے، دم کو اس کے تھم کو جلد کی ٹھیک جوڑنا ہے، سمجھ۔ کیس تو یہ بنا رہے جانے گا شہر۔

انھوں نے پلٹیں چھپیں، میری طرف دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں کوئی حسرت کی المیائی سی سر ہلائے ڈاکٹر راس کو جیسے یقین دلایا کہ وہ اپنی امتحان کرے گے بے خود فکر مند ہے۔
"سر میں اب تکلیف تو نہیں" میں نے بے ادبی ہو کر۔

بھلے گھر کی سائیں سے گئے اور انھیں مد
د کے بدلے دے دیے گئے۔ "بس اب تم ٹریف
د جاؤ گے جلد ہی۔"

ڈاکٹر نے میرا ہر وقتا سے مجھے اس کے پاس سے سونے پر لے آیا۔ اس کے ساتھ آنے والے کٹر اور برس نے سپورین کی اعانت سے فصل کا تر پھر پیچ کر دیا۔

”اگر بھلی خاص کی تدبیریں آج نہ ہو سکی۔“ اس نے
 نے یہاں بھرے لکھ کے تجھے بتایا، اس کا بڑا بچان
 رو بہ دکن سے آ رہا ہے۔ سننا ہے، تدبیریں کلی کی
 ست اس نے آ کر ہو گئی۔“

میں جب پیشاب
 "شہر کے حانات نہایت کشیدہ ہیں۔ سارے
 سناٹا بھرا ہوا ہے۔ بد قماش لوگ اسے دوسرا
 دے رہے ہیں۔ کیوں کہ ایک عیسائی، دوسرا
 مسلمان، ہر فرقہ دارانہ فساد کے اندھے

پڑیس بڑی تعداد میں شہر میں محوم رہی ہے۔ تم
نہ دہرنہ جانا اسپتال میں بھی پڑیس بڑی

نفری موجود ہے اور تمہارے ارد گرد وہ۔ طور خاص
حکمرانی کر رہے ہیں۔ آج دن ہر کچھ عجیب
صورت پر رہی۔ اتفاق سے آج اسپتال میں کچھ
تعلیمیں قسم کے مریض آ گئے۔ دو پہر گھر بھی جاتا
ہو سکا تحقیق کی محسوس ہو رہی ہے۔ رات کو شاید
آمان ہو سکے۔ بھائی کے سبے ساری بدایات میں
مے ڈاکٹروں کو دے دی ہیں۔ تم بھی اب آرام
کرنا اور اپنے ذہن پر اتنا زور مت دو۔ ہمیں بہتری
کی امید رکھو۔ "جیسے چند دنوں کا علاج کرتے
ہوئے اس سے سسکا کے کہا، "تمہارے آدمی ابھی
تک نہیں پہنچے۔"

میں نے واجبی احترام میں
انصار کوئی پرستش کیا۔ "معلوم نہیں کیوں" اکبر علی
اں صاحب نے تاد دیے تھے اور کہہ رہے تھے کہ
جسٹ تاد دیے ہیں اور احیاء ایک کے بعد دوسرا

”تم نے انہیں کیوں بلایا تھا؟“ اس کی آواز
محسوس تھی۔

[illegible]

وہ کیا کہتے ہیں۔ ”وہ اللہ کے ہاں۔“

”یعنی“ میں نے اسی طرح سنا جس طرح اس
ہاتھ

اور سنو انہیں روک کے رکھتا ہے وہ یہاں
تماشا نہ کریں۔ تمہاری خوش فودلی میں ان کا

یہ نہیں ہوو اس اسپتال کا سرمایہ کریں اس
 کے حکمی جیسے میں کہہ۔
 ”جی میں سمجھتا ہوں۔“ میں نے آہستہ سے
 کہا۔

یہ احکام صادر کر کے دو سو نے سے اٹھ گیا اور
 لہا نے میرے گال پر ہلکی سی چپٹ رسید کر کے
 مکرراتے ہوئے بولا: "بھوش مجھ رہنا، کوئی کارنامہ
 نہیں۔"

”آپ نے ہاتھ جوڑ ہی ہمارے دیے ہیں۔“
 ”دور! دور! تم کیا کر رہے؟“ وہ اچکے سے

مجھ سے کوئی جواب نہ دے گا۔ میں نے لکنت
کہا: "شاید کچھ بھی نہیں۔" مگر آپ سے
کہا ہے۔"

”ایک دفعے تڑکے“ وہ شاہپاش کے عمار میں
”اور سنو! تمہیں رات کو شاہپاشہ بند نہ آئے۔“

میں نے کہا کہ میں نے اس کا جشن منانے کا ارادہ کیا ہے۔

میں سر جھکا کر کھڑا ہوا۔ میرے سینے پر مکا مار
 آکر سے سے چلا گیا۔

پھر وہیں لگا رہا۔ یہاں لیسے کے ساتھ شام کی چائے میں بھی جھڑکی۔

پہلے دین کو بے گھر کرنا تھا۔ لیکن برسوں سے
جو کچھ بیچتے کمرے میں میاں نہ لے کر کے وہ
آگے اور پیچھے سے دیکھ بیٹھ جاتے تھے۔ گھر کا لباس
نئے بھی اور گھر کی کوئی لٹریچر، گیسٹوں کی بھی
ملی، صاف ستھرا، تھری بیڈ شری اور اداس
ہر ایک کی تبدیلی سے کچھ آئی کی ہے۔

ہو جاتا ہے اس بار میں اسے دیکھ کے کون بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کسی اسپتال میں ایک تربیت یافتہ ماہر نرس کا کام کر رہی ہے بلکہ میں رنگت و سادگی میں اس کا شہ ہوا مرانا نہیں ہو گیا تھا۔ سر سے گردن تک بیٹھے ہوئے اسی رنگت کے سکارف میں چہرہ بچھ کر رکھ لیا تھا۔ سے تو اس اسپتال کے بجائے کہیں اور ہونا چاہیے تھا کسی محل میں۔ ایسی کسی کام سے باہر تھی کہ وہ سرسری "دار" میں ہوں، "میں رات کو رات بھی کئی ہوں۔"

میں نے یہ دیکھ کر کہا مگر جنہیں جنہیں گھر جانا ہے۔

"مگر کھلو پا سکتا ہے، کبھی کبھی ایسا ہوتا رہتا ہے۔"

مگر یہی تو یہاں موجود ہے تم ہے آرام ہوگی۔

"مگر میں آرام کہاں ہوگا۔" وہ "وہ بھر کے ہوں۔"

"کیوں؟" مجھے تردد ہوا۔ "کوئی، ابھس؟"

"نہیں نہیں گئی۔"

"ہاں" میں نے ہاپی سے کہا۔ "ان حالات میں نیند کیسے سکتی ہے مگر تم تم تو خود مجھے ہر رات دے رہی تھیں۔"

"لیکن اب لگتا ہے میرے حالات تم سے مختلف نہیں۔"

"تم یہاں رک جا رہی ہو؟" میں نے سادگی سے پوچھا۔

"مگر ضرورت محسوس ہوتی ہو" وہ جھجک کے ہوتی۔

"میں تو کسی رسمی طرح وقت کاٹتی ہوں گا، کائنات ہی ہے۔ چوں کہ "دلی کو رندہ تو رہنا ہی ہوتا ہے۔ اپنے لیے نہیں تو دوسروں کے لیے۔"

ار شاید دوسروں کے لیے رندہ رہنا ہی

"ارے نہیں، مجھے بھی آتی۔" تم کیڑے دھو گئے۔

"مجھے بھی آتی ہے بھی وضو ہوں۔"

"نہیں نہیں۔"

"میں سنجیدہ ہوں، مجھے حوش ہوئی۔"

"اور مجھے اچھا نہیں لگے گا۔"

"کیوں اچھا نہیں لگے گا؟"

"نہیں نہیں، میں نے سر جھٹک کے کہا۔"

"اس میں کیا برائی ہے؟" وہ ناراض سی نظر آنے لگی۔ "تمہارا کام کر کے مجھے خوشی ہوگی۔"

"میں سمجھتا ہوں، لیکن "میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کار کے لیے کیا حد پیش کروں۔"

"ٹھیک ہے، تم اچھا نہیں سمجھتے تو ٹھیک ہے۔"

پھر کوئی آدمی بیچ کے ہوئے کسی کار کے کو یہاں بلالو۔ وہ تم سے مل کے سلی کر لے گا تو آسانی ہو جائیگا۔ ہر حال، اب تو رات ہو چکی ہے، صبح ہی کچھ ٹھیک ہے۔ کل دیکھیں گے پھر، مگر کل کوئی انتظام نہ ہو۔" نا تو تمہیں ہی کرنا ہے جو میں اب کہہ رہی ہوں۔

پہلے براہِ والے کرے تک جا کے اس نے دروازے پر ٹوکا دیا۔ اندر سے اس کی آواز آئی۔ چند ثانیوں بعد وہ باہر آئی۔ اس جھپٹاتے ہوئے سیورین کو بتا کر شائے پر اسپتال کی دوری کی سہولتیں لگی تھیں۔ کمرے میں دوسرا لباس موجود نہیں تھا۔ اسپتال کے لڑکیوں سے منگوائے میں دیر لگتی۔ اسے خود ہی بیٹا پڑا، ڈاکٹر رائے کی کہیں نظر پڑ جاتی تو قیامت آجاتی، انہی کو شب بچر اید کے سیورین پر حمل قدموں سے میرے ساتھ چلتی رہی، پھر کچھ دور جا کے اس نے مجھے دالیں ہو جانے کا اشارہ کیا اور دو چار قدم آگے جا کے لوٹ آئی۔

"تمہارے۔۔۔ لیے کچھ بنا کے لاؤں۔" وہ اشتیاق سے بولی، "ریادہ تو نہیں، ایک دو چیزیں جیسی تمہیں ملانی آتی ہیں مجھے بھی۔"

"جو تم بہتر سمجھو، آنا" میں نے اس کی دل نشینی کے لیے کہا۔ "مجھے یقین ہے، تم نہیں چنیں گی۔" میں نے اس کی دل نشینی کے لیے کہا۔ "مجھے یقین ہے، تم نہیں چنیں گی۔"

اس کے رخسار کچھ اور گنار ہو گئے اور وہ ہاتھ دھاتی ہوئی راجداری سے دور ہو گئی۔

رات کے دورے پر ڈاکٹر رائے کے پاس سے دو ڈاکٹر بھٹل کے معائنے کے لیے آئے اور اطمینان کا اظہار کر کے جلد ہی چلے گئے۔ جی کے کہنے پر ایک بار پھر مجھے کمرے سے باہر جانا پڑا۔ اب یہ معمول ہو چکا تھا۔ اس دوران لیلیٰ جی نے بھٹل کے لیے نرس کی ذمہ داریاں نبھالی ہوں گی۔ میں کرسی ڈال کے دروازے کے باہر بیٹھا رہا۔

آسمان پر بادل بکھرے ہوئے تھے، بکے اور گاڑھے بادلوں کی گزریاں۔ ہونٹ بھی اور کئی قدر چر دی سے آلود۔ ہر طرف خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ خاموشی میں نظار کا اضطراب شدید ہو جاتا ہے اور میرے پاس انتظار کے سوا کوئی کام نہیں تھا۔ انتظار شاید سب سے بڑی مصروفیت اور سب سے بڑی لذت ہے۔ اور میں کیا۔ ہر شخص ہر لذت کی لذت کی انتظار سے دوچار رہتا ہے۔ بھونے بڑے انتظار، کسی کے آنے، کسی کی ہزینا، کسی کے صحت مند ہونے کا انتظار، کسی کا، ہر سوں انتظار، مینوں اور برسوں کا انتظار۔ یہ کبک دلتی کی انتظار رندی کا بیش تر حصہ اس انتظار کی مدد ہوتا ہے۔ رندی مختصر ہو کر تو انتظار کے مراحل بھی کم ہو جاتے۔

کچھ عرصے سردی ہاتھ میرے درمیان گردش کر رہی تھیں کہ ایک سے مجھے اندر بلا دیا وہ بھٹل کو بلانی چلنے لگی اور کڑی کیسی دو بج گئی۔ دریا چل گئی۔ انہی کو نہیں کرنی خوب آتی تھیں۔ کہنے کی ایک سرچش بھٹل چلی ہوں، دوسرے سے

سے منٹا ہے اور یہ دوسرا بہت سا کھٹ ہے۔" ایک سر پہ شفقت، سر تاپا پتک، کھٹی چہرے مہرے سے متذخو، مجھوں گھلا، مہوم بھرا ہوا تھا۔

کمرے کے دروازے، کچھ کیوں کی چٹخیاں اس سے چڑھا دی تھیں۔ پردے بھی گر دیے تھے۔ سرب چھت سے مٹی رہ گئی دانوں سے تارو ہواں آمد ممکن رہی تھی۔ سے خدشہ ہوگا کہ اس رات آنے والے حملہ آور دوبارہ کمرے میں نقب لگانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ حادیاں کہ اسے معلوم تھا کہ اب کسی مشکوک آدمی کا ہسپتال میں داخلہ ناممکن ہے۔ ہسپتال پولیس نے گھیر رکھا ہے۔ رات گئے تک وہ مجھ سے باتیں کرتی رہی، شہر کے حالات اور طرح طرح کی فواہوں کے بارے میں بتاتی رہی۔ مجھے سنانے کے لیے گزشتہ رات کی طرح وہ میرے سرھانے بیٹھنے کے میرے ہاتھوں میں اپنی موی لگیوں سے جیسے کھینچ پھینچ رہی، دو بجے کی کی یاد دلاتی رہی۔ کئی گھنٹہ سہلانے اور دبانے میں بڑی، ہلکی، اور نیسیاں، نیسیاں تو کماں کرتی ہے۔

میں نے مجھے ہمت اور جوصلے کی تعلیم دی ہے وہی تھی اور خود باہر ذرا سی آہٹ پر چونک جاتی تھی۔ میں نے اسے سوجانے کا تاثر دیا، کچھ اس خیر سے بھی کہ وہ کمر ٹیک ہے۔ جاے کس وقت وہ دے دے۔

تد موب میرے پاس سے تھی کہ مجھے حساس ہی نہ ہو سکا۔ شاید کسی وقت میری کچھ لگ گئی تھی۔ صبح سویرے ہسپتال میں خاصی چھل چھل ہو جاتی تھی۔ بیزے کی کثرت کی وجہ سے پردوں کی بہتات تھی۔ منہ اندھیرے وہ صبح کی آمد کی نوید سنا دیتے تھے۔ منہ ہاتھ دھو کے میں پھر آیا تو کھڑک سے تھے۔ ایسی سے چلنے لگلوں میں، دم دوں چائے پی رہے تھے کہ مجھے دروازے پر دستک ہوئی۔ چائے دھوری جھوڑ کے اکی لور اٹھ گئی۔ دھوری سپاہی کی جھلک پر میں بھی بیٹھا۔ وہ نکار اندر رہے کے پاس جا کے خبر گیری۔

”کا“ کا ہات ہے۔“ ایکی نے گڑبڑ
 ”دار میں پھنسا۔
 ”چوکیں مام،“ سیاہی کے سترائے لہجہ میں
 میرے بارے میں تصدیق چاہی کہ رات کو میں
 گھر سے ہی میں رہا ہوں
 ”اوسری اور کان۔“ ایکی نے ترخ کے جواب
 دیا، ”مام، مام، یوں پوچھتے ہے۔“
 ”بس مام، ہم کو اتنی ہی پتا کرنا تھا۔“
 ”پر کیوں؟ ایسا کابات ہے؟“
 سیاہی نے سر تڑپ میں ایکی کو کچھ بتایا۔ ایکی کی
 سسکاری نکل گئی۔ ”نہیں میں، کا پولا ہے تم؟“
 سیاہی ریادہ دیر نہیں گھبرا اس سے بھی اپنی
 آنکھوں سے مجھے کمرے میں دیکھ کے اطمینان کر لیا
 تھا۔ ایکی بڑبڑاتی ہوئی میرے پاس آئی اور بتاتی
 ”دار میں تانے لٹی کہ رات جس وقت لوگ سمار کے
 بچے گھر سے نکلے، انہوں نے اس بابے میں اس
 جگہ جہاں کل اسرائیلی خاں کی لاش، یہی تھی قبر
 لاشیں پڑی ہوئی دیکھی ہیں۔ سیاہی کو پوچھیں گے
 صدر دفتر کے حکمران رات اسپتال میں میری موجودگی
 کی تصدیق کے لیے بھجوا دیا تھا۔
 میرا ختم ایک لمحے کے لیے سن ہو گیا۔
 ”یہ کیا ہوا میرے بچے؟“ ایکی کی آواز سننا
 روک تھی۔
 میں کیا جواب دیتا۔
 ”یہ کیا ہو رہا ہے یہاں؟“ وہ سراپستگی سے
 پوچھا۔
 ”کیا کہا جاسکتا ہے؟“ میں نے یہ مشکل
 کہا، ”سب ہی اور کیا تار پاتا؟“ میں نے پوچھا
 ”اور کچھ نہیں، بس سب کچھ۔“
 ایکی کا چہرہ اتر گیا تھا میرا حال بھی مجھے اسی
 حدیثہ ایکی سوال پر سوال کے جاری تھی جیسے میں
 وہاں موجود رہا تھا۔ ”میں کیا کہہ سکتا ہوں؟“ میں
 نے اسے جھڑک دیا اور دوسرے ہی لمحے مجھے

کر لے دے لوگ اس کی حقیقت سے آشنا تھے۔
 ”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“ اس نے تحس سے
 پوچھا۔

”میں سے تیرا لحاظ و مروت سے کہہ دوں
 کے درمیان کوئی تعلق ضرور تھا۔“

”یعنی دونوں ایک ہیں؟“ ڈاکٹر نے حیرانی
 ظاہر کی

”دونوں ایک دوسرے سے واقف ہیں“
 میں نے کہا۔

ڈاکٹر کے ہونٹ ہلکے آئے۔ ”تمہارا تیس
 درست معلوم ہوتا ہے۔“ دوسرا لے بولا۔

”در آپ نے غور کیا، وہ کسے یہ یاد کرنا
 چاہتے ہیں؟“

”ہاں۔“ اس نے تذبذب سے دہرایا۔ ”وہ
 کسے یہ یاد کرنا چاہتے ہیں، کبر علی خاں کے گھر

داموں کو کہ وہ بری طرح متاثر ہوئے ہیں، شہر والوں
 کو کہ وہ شدید خوف و ہراس میں مبتلا ہیں۔“ دیکھوں

کی انجمن کو، جو کل سے داویڈ کر رہی ہے، انہوں
 سے کل بعد، رات میں کام بھی بند کر دیا تھا۔ لاکھاج کے

ان طلبہ کو، جو اپنے بہترین استاد سے محروم ہو گئے
 ہیں۔ کل دس بجے وہ مظاہرے کرتے رہے۔ اس کا

مطالعہ ہے جب تک قاتل پکڑے نہیں جائیں گے،
 وہ کل سوں میں وہیں بیٹھیں گے۔ اور پولیس کو

کہ وہ سخت پرکھلائی ہوئی ہے، جہد جہد چھاپے مار رہی
 ہے۔ دو کوئی سراغ بھی مل رہا ہے۔“

”اور کیا سب اس قسم کی دیکھوں کے خوں سے
 کبر علی خاں کے دکھ کا ارادہ ہو جائے گا؟“ شہری،

دیکھیں، طلبہ سکون کا سانس میں گئے اور پولیس کو کوئی
 سراغ ملے گا۔“

ڈاکٹر نے کچھ سوچتے رہا، پھر مضطرب ہو کے
 بولا، ”گلتا ہے، تم کچھ جانتے ہو؟“

”ہاں شاید“ میں نے تاثر سے اعتراف کیا
 میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔“

”آپ سے خوب نہیں دلی، حالانکہ آپ
 ڈاکٹر کی کے علاوہ زندگی کے دیگر معاملات میں بھی
 اتنے ہی شامل ہیں۔ دیدہ ریزی، رکتہ میں میں
 طاق۔ مجھے اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔“ میرے مفقود
 مطلق اس کی خوشامد نہیں تھا۔ یہ تو ظہر و قہر تھا،
 لیکن میرے اعتراف میں سخی کا پہلو بہر حال نکلتا
 تھا۔

شکر ہے اس نے میری سیت پہ شہ نہیں کیا اور
 وہی ہوا۔ اس جہاں شناس، دور مدیش سے مجھے

مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ ”غیر واد“ وہ ہاتھ لگا
 کے بولا، ”تم ٹھیک سمجھ رہے ہو۔“ وہ صرف سمجھیں

یاد کرنا چاہتے ہیں۔ یہی نا۔“
 پھر مجھے دانش کی تشریح کی ضرورت نہ رہی۔

اسے یہ نتیجہ اخذ کرے میں دیکھیں کی کہ میدان اس
 کے خاص مقرب ہی اتنا حوالی، تا منظم اور بڑا قدم

اٹھا سکتے تھے۔ انہوں نے ان میں آدمیوں کو بحیثیت
 چہ عادی جو اصل میں انہی کے اڈے سے وابستہ

تھے اور دھوا سے زیادہ قرب رکھتے تھے۔
 اس رات جب مسیح حملہ آور میری جستجو

میں اسپتال آئے تھے تو میں نے صبح اکبر علی خاں سے
 کیا تھا کہ وہ میدان کی حیثیت یافتہ آدمی نہیں ہوے

چاہیں، وہ میدان سے برکشتہ دھوا کے ہم نفس، ہم
 جاں ہی ہو سکتے ہیں۔ انہیں بہت قلق ہو گا کہ اڈے

پر آجائے گے، باوجود میدان سے قریبی سہانی سے مجھے
 جانے کیوں دیا۔ گو میدان سے اڈے کے ستاد کی

حیثیت سے دھوا کے زخمی ہو جانے کی اطلاع پر اپنی
 دے داری اچھی طرح بھائی تھی۔ اس سے میرے

لیے سارے راستے بند کر دیے تھے۔ وہ تو خود میں
 نے اس کے اڈے پہنچنے کے راستہ اس کے بے شمار

آدمیوں کے ترسے میں جا کے تو بلیغ کے خلاف
 اڈے کی چونکی کا دھوا کر دیا۔ پھر تو بات ہی دوسری

ہو گئی تھی میدان کو اپنی مشاوری سے دست بردار
 ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہو گیا۔

مید نے پختہ کا سانچہ میں سے دیکھے تھے میر تقی پاک کر بنے کے لیے وہ سب آدھی پٹیاں بیچنے کا استعمال مشورہ نہیں دے سکتے تھے۔ رپ میڈ کی بین خواہش میں موگی میڈ کا علم یہ ہے بغیر پٹیاں آئے دے حمد تو کامیاب ہو جائے تو میڈ انہیں بگلوں پر بھڑا تائیں وہ ناکام ہو گئے تھے دوران کے ہاتھوں اسپتال کے ایک ملازم کا خون ہونے سے معاملہ اور سنگین ہو گیا تھا۔ میڈ کے اڈے پر میر نے جانے کی ساری روداد پولیس کے علم میں ہوئی۔ پولیس کے بھڑی اڈوں پر موجود ہوتے ہیں۔

پولیس کے سپر کے سپر سے بڑے سپتال میں ڈاکوؤں کی طرح بگلوں کو گھر لے گئے تھے۔ اسپتال ڈاکو اڈے کی جگہ نہیں ہوتی۔ ایک دوسری طرف ریڑی سے پولیس کو سپتال میں موجود اس شخص تک پہنچا جانا چاہیے تھا جو میڈ سے مہارت کے لیے اس کے اڈے گیا تھا۔ وہ مہارت ملتی ہوئی تھی۔ سو مراسم کی مروت اپنی جگہ پولیس نے سب سے پہلے میڈ کے ڈے کی راہ ہوں وہ میڈ نے صاف نکار کر دیا ہوگا۔ میڈ کو گرفت میں لینے کے لیے پولیس کے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں تھا اور میڈ ان سے دور ہی کھڑا تھا، ارادے کی دوری پر۔ کسی وقت بھی اس کے سر پر آدھک سکتے تھے۔

مکان میں ہے کہ پولیس کے چور دیکھنے کے بعد میڈ سے دھوکے، تم گمروں کو سرزنش کی ہوگی۔ ہو سکتا ہے انہیں ڈے سے خارج کر دیا ہو یا کسی بڑے قصاب کی دھمکی دی ہو۔ پہلی ناکامی سے دھوکا کے دس برداشتہ سانچے دھر میڈ کی سرد مہری اس کے غیظ و غضب، آدھ وحتوا کی جدائی کے صدمے سے ایسے ہی حال، ایسے اندھے ہوئے کہ انہوں نے سارا اثر اکبر علی خاں، ایک بے قصور ہاتھ کے دھوکا کے قرض کا بوجھ کسی طور کچھ کم کیا اور مجھے موت سے بڑی مراستہ دے چار کیا۔ وہ اپنے

شخص میں کسی حد تک ضرر کا مہم ہوئے۔ ڈاکو سزا دے وقت دیکھے سے ٹھونٹ بھر پانی پیتا رہا اور چپ رہا کل سچ اکبر علی خاں کی جبر سنے سے بعد جب وہ مجھے کسی سزا کی ڈانٹ کے کمرے میں لے گیا تھا، میں نے یہ وجہ اس سے کچھ ڈھکا چھپا نہیں رکھا تھا۔ دوسرا بچہ اس کے بہن میں تارو ہوگا جو اسے حریک کی صراحت کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ مگر یہ خود میڈ کے لیے کوئی بہت محفوظ اور مفید فیصلہ نہیں لگتا۔ ڈاکو نے لیکن بعد میں آدھ میں کہا

”میڈ کو مختلف ریڑیوں سے مطلوب ہونا رہا ہوگا کہ میں اپنا چاقو وہاں پیسے کے لیے اس کے اڈے پر لے کر آؤں گا۔ تم ارادہ کیے ہوئے ہوں۔ آپ تو بگلوں کا اسی شام دو پولیس اسر یہاں اسپتال میں میرے پاس آئے تھے۔“

”باب، یہاں یہ ہے۔“ ڈاکو نے دکھائی گئی تھی۔ اور میرے انتظار پر تم سے ہاتھ بات بنائی گئی پولیس کو کہہ دیا تھا۔

”مجھے یہی کرنا چاہیے تھا، اس لیے کہ آپ اس وقت اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔“ میرا اظہار اس نے تسلیم کیا کیوں کہ وہ ایک متوازی آدمی تھا۔ ”تم یہ کہہ رہے تھے اس سے بے مہربانی سے مجھے نوکا۔“

”اس شام آنے والے پولیس اسروں سے میری جرأت کی بڑی داد دی تھی۔ انہوں نے میڈ کے لیے اپنی نعمت کا اظہار کیا اور معاملات متاثر نہیں۔ کہہ رہے تھے کہ پہلی مرتبہ کوئی رستم سہراب میڈ کے سامنے آیا ہے۔ انہوں نے وہ یہ مجھے ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا۔ اس تعداد کے بدل میں رشوت طلبی کا ایک اشارہ واضح تھا۔ وہ پولیس نہیں ہونے میں سے انہیں۔“

”تم نے انہیں رشوت دی؟“ میری بات پوری ہوئے سے پہلے اس کا بوجھ اکبر علی

”میں نے کھانا اپنی آدھ کی اور شاہہ دلی کا گدار دیا۔“

”تم نے انہیں کوئی نقدی دے دی؟“

”نقدی دینے سے مراد ہوتی کہ میڈ کے اڈے پر جانے میں نے بے اساس دھوکے کیے ہیں، لیکن مجھے اگر کوئی شہرہ تو اب کچھ یقین ہوئے گا ہے وہ پولیس والے میڈ اسی کے پرستار نہ ہوں میڈ اے انہیں میرے ارادے کی تھینگی کے لیے بھجوا ہو۔ مہارت ملتی کر نے کی تجویز میری نہیں تھی، میڈ کے ایک عمر رسیدہ سانچے کی تجویز تھی یہ۔“ اور میڈ اے نے بے ظاہر کر کے اسے قبول کیا تھا۔ یہ حقیقت میڈ کے دل پر کش ہوئی کہ وہ میری تجویز نہیں تھی۔ جو شخص اسی وقت پہ تو آ رہا تھا کہ اس کا عمر بڑا دھوکا فیصلہ ہو جانے پر عمل کیا ہو، اس کا عمر وار میڈ اور اس کے ساتھیوں کے حواس داغ و اعصاب پر بری طرح طاری ہونا چاہیے۔ مہارت مل جائے اور اڈے سے میرے چارے کے بعد میری حرکات اور عزائم کا بھی مسلسل جائزہ لیتے رہنا ان کے لیے ضروری ہو گیا تھا۔ میڈ مجھ سے مہارت کے لیے قطعاً آمادہ نہیں تھا کہ اسے اپنا لوشٹ صاف نظر آ رہا ہوگا۔

مہارت کے التوا کی اس مدت میں اسے میرے لیے تاک اور فراخ دلی کی ادائیگی کرنی چاہیے تھی۔ کچھ اسی طرح مہارت کے لیے میرے حرائم میں رہی آہنی تھی، مگر دھوکا کے جفا کار فدا ہوں نے سب کچھ دہر دہر کر دیا۔ اب اس سے کچھ بعد نہیں تھا کہ آگے وہ کسی بھی دھوکا اور رشوتوں کے حریک ہوں۔ ابھی پہلے سامنے کی تفتیش شروع ہوئی تھی کہ ایک اور سانحہ ہو گیا۔ انھوں نے موت اتفاق کر کے وہ ناکام لوٹ جائے والوں کے آڑے آ گیا تھا۔ پولیس کے لیے یہ اتنا غیر محالہ نہیں تھا لیکن اکبر علی خاں۔ دو کی تفتیشوں سے ایک ممتاز آدمی تھے۔ ان کے حوں کے بعد تو میڈ کے اڈے سے پائی رسم و رواج کی پاس داری اب پولیس کے بس

میں نہیں رہی تھی۔ ڈاکو نے۔ حاسوٹی شہری۔ مجھے سیمان ہوا، میں میرے لباس اور اتنا بے شکلی ہو گیا تھا۔ رہنمائی کر رہے مخاطب کی خاموشی بھی بہت ہلکا کر دے خصوصاً ایسے ت جب کوئی اپنی عمر گزار رہی میں اس قدر شام ہوا۔ میں نے بے کلمی سے ڈاکو کو دیکھا۔

اسے بھی حاس ہوا اور اس نے گھبراہٹ ہوئے حاد میں کہا، ”تم چپ کیوں ہو گئے؟“

”مجھے گم ہو گیا، آپ کہیں اور ہیں۔“ میں نے صاف کوئی اختیار کی۔

”میں نہیں، میں توجہ سے کہہ رہا ہوں۔ تم کیسی منظر پر تکیں کر رہے ہو، سب کو آئینہ کر دیا ہے تم نے۔“

مجھے اپنی بات جاری رکھنے میں مشکل پیش آئی۔ میں نے جھجک کے کہا، ”میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ اڈے کی چوکی وراحت میں نہیں لگتی۔ ستاد ہڈی طاقت کے بل پر ہوئی کے صوب کا مزار اور ہوتا ہے۔ ورا اس وقت تک اس منصب پر قائم رہتا ہے جب تک اس میں کسی مل ہے ارادہ پنے آدمیوں کی حفاظت کرنے کے قابل ہے۔ مطلق امن ان میں ہونا، اڈے کی رشوت پر عمل کرتا ہے۔ دھوکا کے سرکش ساتھیوں نے میڈ انہیں کا نہ پھوڑا تھا، بڑی آزمائش میں ڈاکو دیا تھا اس لیے اڈے کے استاد کو استاد کی ساکھ پر ضرب پڑ رہی تھی۔ اس طرف پولیس نے اس کا تا ظہر نہ کر دیا ہوگا۔ دوسری طرف، کبر علی خاں کی بات پر میرے اشتباہ، غم و غصے کا شدت سے حاس ہوگا اسے۔ اس نازک موقع پر اس کے بڑی خواہش تھیں نے ایک ہی مشورہ دیا ہوگا کہ بعد کی بد صورت حال کا سامن کرے۔ ہے کہ کوشش بندی کر لی جائے۔ سردست تو مجھے یہ یاد کرنا پڑا کہ اسے علی خاں کے حوں میں میڈ کا کوئی ہاتھ نہیں ہے،

جن کا ہاتھ تھا۔ سن کر کوئی کر دیتی تھی ہے اس طرح میدا سے میرن خوش ہوئی کے علاوہ پولیس کو منتشر کر کے معادلات پیچیدہ کر کے کی بھی کوشش کی اور دھوکے ساتھیوں کی بے دردی وہ بے درد گری پر بھی بند باندھا۔

ڈاکٹر ناہر گم مختار ہوا اور یکا یک اس کے جسم میں ہری لگی۔ ”پھر سب“ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

”میں کیا کر سکتے ہیں؟“ میں نے پچھلی آواز میں کہا۔

”ہمیں پولیس سے بات کرنی چاہیے۔“

”میری طرف سے پولیس نے بے شک اطمینان کر لیا ہے کہ میں مستقل اسپتال میں ہوں۔ پولیس کی نظر میں ایک ہی سبب تھی کہ میں ہوں گی، لیکن کیا سبب سمجھتے ہیں، میدا کو اس کا اندازہ نہیں ہوگا کہ پولیس اس کے نمکالے کا رستہ پکڑے گی دراصل اس دشوار گزار مریض سے نمٹنا ہوگا۔ میدا نے سارے کام نہایت سلیقے سے کیا ہوگا۔ ایسے کام خود کیں کیے جاتے ڈاکٹر صاحب ارد گرد اور دور دور کے دوستوں سے اعانت کی درخواست کی جاتی ہے، ماس وڈر اٹھا سکے، کچھ نادیہ لوگوں سے بھی۔ میدا نے گزشتہ رات ممکن ہے بحرے کی کسی محفل میں گزاری ہو، اپنے ہی ذہن پر تمام ساتھیوں کے ساتھ کوئی محفل برپا کی ہو۔ قمار بازی کی برآمدی کا ڈھونگ رہا ہو۔ پوشیدہ گواہ پولیس کو یہ یقین دلائے کے لیے موجود ہوں گے کہ میدا بہ تمام دکن کے درمیان جاتی محفل تھا۔“

”تو ہم تماشا دیکھتے رہیں؟“ ڈاکٹر درشتی سے

”ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔“

”گو یا ہم وہ راج سب ہو کے رہ گئے۔“

”ابھی نہیں بات کہاں ختم ہوئی ہے؟“

”کیا سب کیا؟“ اس نے ہمد کے پوچھ

”میرا حیل ہے، آج یا کل میدا اس کے قریب ترین محفل کو یہاں آنا چاہیے۔“

ڈاکٹر رائے ایک منٹ کے لیے بدحواس ہوا۔

”کیا یہ مطلب ہے تمہارا؟“

”میں صرف اہلکار کی بات کر رہا ہوں۔“

”مگر میدا یہاں کیوں آئے گا؟“ ڈاکٹر نے

میر قیاس سیدھے پر معمول کیا۔ اس کے چہرے کی

شکلیں گہری ہوئیں۔

”مجھے ایک راستہ صاف کرنا چاہیے۔“

”کو دروائے اور سڑکیں کی شکلیں نہیں ہوں گی۔“

”تمہارے لکھے کے یقین پر مجھے حیرت ہے۔“

”گرم صیہ کہہ رہے ہو تو میں میں اس منظر پر موجود رہا ہوں گا۔“

”سب کے لیے مناسب نہیں ہوگا، کو میری خواہش بھی یہی ہے۔“

”نہیں، تم مجھے مطلع کر رہے۔“ اس نے حتیٰ درصہ بے میں کہا، ”میں جہاں کتب بھی ہوں۔“

”سب کو تیار رہنا ہوگا، کسی دقت کے لیے بھی آپ ہی نے یہ ساری صورت حال بدل دی ہے۔“

”میں نے؟“ ڈاکٹر کی آواز پھر بڑا کر دہ گئی۔

”ڈاکٹر صاحب اکل پولیس کی آمد پر آپ نفل نداری نہ کرتے اور پولیس مجھے ساتھ لے جاتی تو یہاں کچھ نہیں ہوتا۔ میدا کو پھر اتنی غلط فہمی نہیں آتی۔ اس میں آدمیوں کو شاید کچھ دن اور مدد مل جاتی۔ بہت کچھ اس پر منحصر تھا کہ پولیس کتنے دن مجھے روکے رکھتی ہے اور مجھ سے کس طرح کا سلوک کرتی ہے۔“

ڈاکٹر رائے نے گہری سانس بھری اس کی نظر میں میرے چہرے پر منڈلاتی رہیں۔ چند لمحوں وہ بدگرمی سے اٹھ گیا۔

”سیدین، ابھی بھی لیکن ابھی موجود تھی۔“ میں

تمہارا انتظار کر رہی تھی سب ٹھیک تو ہے میرے

”جیسے؟“ ابھی ہاتھ پھیلا کے میری جانب لگی اور مجھے

”سب ٹھیک ہی ہے“ میں نے ادا سی سے

کہا۔

”ڈاکٹر رائے تمہیں ساتھ لے گئے تھے؟“

”انہماک کا ضروری میں تھا۔“

”پولیس تو ہمیں آتی تھی؟“ وہ پریشانی سے

بولی، ”کوئی ٹی خبر؟“

”ابھی تو دن پڑا ہے۔“ میں نے ہر چند سے

کہا۔

”حد اوند سب ٹھیک کر رہے۔“ ابھی جیسے بچے

میں بولی، ”سیدین آج بھی گھر مجھے تمہاری قدر

ہوئی تھی اس لیے رہی۔“ اچھا چھوڑ دیکھو ایہ

سیدین تمہارے لیے کیا خوب صورت ناشتا لے

کے آئی ہے۔“

سیدین پانس ہی کھڑی تھی۔ اس نے ڈیوٹی والا لباس پہن رکھا تھا۔ کچھ بھی کہنے کے لیے کوئی نہیں

چاہ رہا تھا، لیکن انکار کا نفل نہیں تھا۔ سیدین نے

آخری کی طرز کا ناشتا بنایا تھا۔ شک سیدے کے

پر دلوں سے ڈھکا ہوا اٹھنے کا مٹوا، انڈیوں کی

آمیڈش سے بے ہوئے شکلیں نوٹ۔ چپن جیسے

نیلے نیلے پرائیڈ۔ آلو منڈ اور گاجر کی سبزی اس کی

آئل رحمت پکے سے تبدیل نہیں ہوں گی اور تارہ

کی بزیوں سے بھری تیزی اور پھول کا رس۔

”یہ ناشتا ہے؟“ میں نے کہا، ”اور یہ سارا تم

نے بنایا ہے؟“

”نہیں، آنتی بھی ساتھ تھی۔“ سیدین کے

لکھے میں حسرت نمایاں تھی کہ میں اس کی تعریف

کروں۔ ناشتا واقعی بہت لطیف اور خوش ذائقہ تھا

کچھ سیدین کی دل دہی عزیز تھی، کچھ ناشتے کی اپنی

خوبی، انہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ ابھی

نے اپنے ہاتھ سے چائے چلوایا وہی شفقت سے میری

جانب بڑھایا۔ میں نے اسی اشتیاق اور احترام سے

منہ میں رکھا جس کی اسے توقع تھی یہ عورت کیسی

دل نواز تھیں میرا دل بھر آیا۔ میری ساری شناسائی

کو وقت ہی لگتا ہوا تھا۔ لطف و مہمانیت کی اس فراوانی

پر آدمی خود کو کسا بسے سانسوں کر رہا ہے کہ وہ تو

اس کا مستوجب ہے، وہ سے ہر میری اتار سنے

کی استطاعت ہے، اور جو سب لہر ہو، جسے سب جگہ

نصیر نائی۔ جو میں اس کے بے کس عارضی رفیق

تھا، جس توکل مجھے چھپے جاتا ہے درشاید ہوش

کے کبھی تا بھی نہ ہو۔

میری پیشان چوم کے ابھی رخصت ہو گئی۔

سیدین کو تین دہائیوں کے قتل کی خبر مل چکی تھی۔ وہ

مجھ سے ڈاکٹر رائے کے مدار میں ہر پرس کرتی

رہی در میں اس کی ہیبت، اس کا عہد دور کرے کی

کوشش کرتا رہا۔ ڈاکٹر رائے کی جلدی کے مطابق

آج اکبر مل خاں کی مدد لین ہو جائی تھی۔ حیدر آباد

سے بننے کا فاصد کم نہیں ہے، شرم تک کہیں ان کا

بڑا بھائی بیچ پائے گا۔ کیا طرکی تھی کہ میں آخری

مرتبہ سے محسن، بنے بھی کا چہرہ بھی نہیں دیکھ سکتا

تھا۔ میں ان کے جنازے کو کلدھ دینے کی توفیق

نہیں رکھتا تھا۔ اکبر مل خاں کا گلیاں آتے ہی ان کا

سارا گھر سامنے آ جاتا تھا اور جیسے میرا وجود زمین

میں دھنسے لگتا تھا۔

دوپہر کے دورے پر ڈاکٹر رائے میں چار

ڈاکٹروں درخسوں کے ساتھ محفل کو دیکھے۔ محفل

تھا۔ اس وقت محفل کی حالت خاصی بہتر نظر آ رہی

تھی۔ انہوں نے اسے بخار دیا اور اسے دوں بعد

بستر سے اٹھ کے کمرے کے فرش پر قدم بکھوانے

چاہے۔ وہ بہت احتیاط سے کام لے رہے تھے۔

محفل کا جسم ایک لمبے کے لیے ڈھکایا مگر پھر اس نے

مضبوطی سے قدم میں پر جا ہے۔ وہ جون ڈاکٹر

اسے کاندھوں سے پکڑے ہوئے تھے۔ چند قدم

چلائے کے بعد ڈاکٹر رائے نے پوچھا کہ اس کا

سر بھری تو نہیں ہو رہا؟ اس کے سر میں دھک تو

”میرا چا کو تھرے پاس ہے۔ اسی سے ہمیں
مکون اتار دیو“ میدا بھڑک کے پوچھا، کون در
بھاکرے کن میں ہو تو یلو۔

”اب کر سکتے ہو، رادو نہیں لگتی ستو میں
سے بھی لٹی نہیں ہوگی اپنی“ میری اور گر جے گئی
تھی۔ اسے سارے دیکھ کے قہقہوں میں غور تر
آیا تھا۔ کہنے کو بہت سی باتیں سینہ جلا رہی تھیں۔ اب
وہ میرا چا تو واپس کرے، آگیا تھا اور اپنا چا تو صاحب
نہ کرے کا مطلب واضح تھا کہ اب اس کے پاس
نجات کی ایک ہی صورت رہ گئی ہے۔ پہلی مرتبہ چا تو
بدلنے کے جیلے سے مہارت کل گئی تھی اور بعد کو
درمیان کی کوئی راہ نکل سے کی امید کی جا سکتی تھی۔
لیکن اب اکبر ملی خاں کی ہدایت کے نتیجے میں
اڑے پر میری واپس لینی ہوئی تھی اور پھر یہی ایک
تذہر غفلت، ہوش کے قرین تھی، چا تو سے میدا کی
دست برداری۔

وہ اس حقیقت سے آشنا ہو چکا تھا کہ اڑے پر
میرے احوال کے بدلے میں کوئی کھٹ نہیں تھی۔
میرا بھائی واقعی اسپتال میں ہے۔ جو قصہ پہنے ہوئی
کے لیے خود کو دبا کر لگاتے تھے، وہ پہنے ہوئے اکبر
ملی خاں کا حوں سوجانے پر کیا پتہ کر گز رہا تھا۔
مجھے اس کے اڑے پر تو کل سچائی کی خبر ملی تھی۔
سائے کی خبر مل چاہے پر پہنچ چا نا چاہے تھا۔ میرے
رہنچا پاسے کی وجہ بھی اسے معلوم ہوئی۔ سو میرے
پاس آئے کے لیے یہی وقت مناسب تھا کہ اسپتال
میں بیمار بھائی کی۔ پھر میرے جیروں میں پڑی تھی۔
تین آدمیوں کو ختم کر کے اس سے پتی راستہ میں
ری کا ایک گوشہ ڈھونڈ لیا تھا۔ یہی کچھ سچ میں
ڈاکٹر رائے سے کہا تھا کہ آج تک کسی وقت میدا کو
یہاں آنا چاہیے

میں خاموش رہا۔ میں نے میدا پر نہیں کہا کہ
جب ان تین آدمیوں نے اسپتال میں مہم چاہے

بہت اندھیدہ رکھے۔ کتنے کے لیے اسپتال کا جوان
ڈاکٹر ماریا، پھر ایک صاحب کو۔ مکمل صاف ہے
چارے کا کاوش تھا۔ ادھر یہ بھی باتیں ہوں۔ ڈاکٹر
صاحب یہاں بیٹھتے ہیں۔ کئی سے پوچھ لیں، ایسا
بکھی ہو ادھر کا، کیوں ڈاکٹر صاحب، مائی باپ۔“
اس نے ڈاکٹر رائے سے ہاتھ جوڑ کے پوچھا۔

ڈاکٹر رائے کا جہر صراحت ہو گیا۔
ڈاکٹر کی خاموشی اس سے ناانید جانی، چلچلاتی
آوار میں کہے لگا، اڑے اڑے کے اداس تھے۔
ہم سے ہی سے بندھے تھے غڑی کے بجے، ہم سے
پر جے دار کی موت ہے انھاں کی۔ میدا استاد نے
اسی کارن ڈاکٹر جون کا مہیسا کیا ہے۔ اب تھرے
ہی کو اڑا دیکھنا ہے۔ میدا استاد کی سہری سے
چلا جاوے گا، پر دھرھوڑی پوئیس سے منہ ماری
کرن کے پاد۔

”ہم کو، بھی دو ستو“ بر جوے دامت
زردہ کچھ میں قسم دیا، ”اسم کا جو میں۔“
”نہیں چاہتا ہوں۔ اکبر ملی خاں کو تم نے نہیں شتم
کیا ہے۔ ان تینوں ہی سے کیا ہوگا۔ ان کی بیٹی برا
ہوئی چاہیے گی جو انہیں مل پگی سے، لیکن یہ تو بہت کم
ہے۔“

”کم ہے، چاہت ہیں، بہت کم ہے۔“ بر جو
تڑخ کے ہوا، اسی کارن میدا استاد تھرے
پاس۔

”اسی کارن میدا استاد اپنی سزا سائے کے لیے
ہمارے پاس پہنچا ہے۔ ہمیں سے بر جو کی بات کات
کے دھنکار کی، اور میں کہہ، ٹھیک ہے، میدا کو اب
اڑے پر نہیں رہنا چاہیے۔ اڑے کا جو استاد اپنے
کتوں کے گلے میں پاؤں کے نہیں رکھ سکتا، اڑے
کے سخری آدمی تک جس کی نظر نہیں جانی، اسے
چوکی سے اتار ہی چا نا چاہیے، لیکن میدا نے اپنی سزا
سپ ہی کیسے طے کر دی۔ کس شہر سے رات پاٹ چلا
جائے گا اور دوسرے شہر میں جا کے میدا انہی بجائے

وصدیا تھا۔ انتہائی رازاً تھا۔ مہراں جگہ صبح
 پر پھر اڑا سکتا تھا۔ کبھی غیب چاہتے۔ وہ
 تینوں مہراں کو میرے جواب کی آہی ہوتی اور
 میرے پاس کے وہ جو بھی جانتے تھے کہ اس کا
 چاند ہوتا ہے اس کے لئے وہ دماغ سے حرف
 لکھ کر طرح مٹا دیتا۔ شکل نہ تھکتی تھی
 خود بخود کے رکھتا تھا۔ وہ دراپ خانہ کیسی عظیم
 پر ہوا۔ کیا ہی حیرت انگیز تھا۔ میرے پاس اسے
 خود کھڑا کر دیتے، اس کا سر پہن چڑھنے کے ہوتے
 کر دیتے اس کا خون پینے کی گنجائش کہہ سکتے۔ اس
 سے حاصل بھی کیا ہوتا۔ وہ دونوں تھوڑی اور اکبر
 علی خاں تو چاہتے تھے۔ انہیں وہاں لانا میرے
 اختیار میں تھا نہ میرا۔ اور محل بستر تھا۔ کہتے
 ہیں گلہ ور برداشت سب سے بڑا انسانی وصف
 ہے۔ ہر گلہ جبری ہوتا ہے اور ہر برداشت ہوش
 مندی ہوتی ہے۔ مجھے اسی طریقے پر تنبیہ کرنا چاہیے
 تھا۔

مید کو ہڈیوں کرنا آتا ہوگا۔ وہ بے ہوش پر
 چڑھتی چڑی سے خوب واقف ہوگا، لیکن یہ بھی ایک
 اتفاق ہے۔ اسے بڑے اڈے پر اس جیسے زور کا
 کوئی اور آدمی موجود نہیں تھا۔ ہوتا تو میرا ہی کیوں
 راجا بنا ہوتا۔ میدا کے چوکی سے اتر جانے کے
 بعد اڈے کی ریت کے مطابق بھی کو اڈے کی ڈے
 در کی سہجائی چاہیے تھی، کیوں کہ میں ہی ایک
 دعوے دار رہیت میرے بعد سنے یا تھا۔ دوسرا کوئی
 دعوے دار نظر نہیں آتا تھا۔ ہو بھی جاتا ہے تو چلو
 "رہائی میرے اس کے درمیان ہی ہو سکتی ہے اور
 اس کے لیے میرا اڈے پر موجود رہنا ضروری ہے۔
 میدا نے دست برد رہو کے اڈے کی رسم تہادی
 ہے۔ مجھے آج میدا کی آمد کی توقع تھی اور آمد کے
 مقصد کی بھی۔ تو اب راجاں میرے لیے کوئی مسئلہ
 نہیں ہوتا چاہیے تھا۔ چاہو ب تیار رکھنے کے لیے
 مجھے خاصا وقت مل گیا تھا۔

اس دوران ڈاکٹر رائے کی نظر میں مسلسل مجھے
 اپنے پر سے پر جھٹکی محسوس ہوتی رہی تھی
 "تحیک سے" میں نے بے مہری سے
 کہا، "مگر میں اس وقت اڈے میں سنبھل سکتا ہوں۔
 تمہیں معلوم ہے اس وقت اڈے پر تم سے ایک
 بات ہوتی تھی کہ بھائی کے تحیک ہو جائے پر جب
 مجھے سہوت ہوتی، میں اپنا چاقو پیسے آج ڈس گا۔"
 "نہاں استاد، وہ ہے صرے کو چورا۔" معمر راجہ
 نے بیٹے پر ہاتھ رکھ کے جلدی سے اقرار
 کیا۔ "پر
 میں نے اسے روک دیا۔" یاد ہے تو اچھا ہے۔
 جس مجبوری سے اس شہر اور شہر سے اڈے پر آتا
 تھا، وہ بھی تک سے۔ بھائی اپنا ہل میں ہے۔
 "تم مانو یا، عواست۔" تیسرا آدمی ہل کے
 بولا "ایک کارن یہ بھی تھا چو بدلی کا
 بند۔" میں نے اسے ٹھک دیا۔ "اس بات
 کو چاہے دو۔ کارن اچھی طرح تمہیں معلوم ہے
 مجھے بھی اور اتنا بھی کہ تمہیں ہمارے بھائی سے
 کسی دل نہیں ہو سکتی ہے۔"

تینوں یہ یک وقت ہنسنے لگے تھے۔ میں
 تینوں نے ایک ساتھ خاموش رہے کا فیصلہ کیا۔
 "اب سنو" میں نے اونچی آواز میں
 کہا "اڈے کی ایک اور ریت بھی ہے۔ اڈے کا
 استاد کسی وجہ سے چوکی پر نہ بیٹھ سکے تو اپنی جگہ کوئی
 بھی آدمی چوکی کے لیے جی سکتا ہے۔ تم لوگ یہ
 ریت جانتے ہو یا اسے بھی جانتے کی ضرورت
 ہے؟"

"جانت ہیں استاد۔" راجہ کے بچے میں
 کساؤ آگیا۔ "تھوڑی بہت جان کاوی ہے اپنے کو
 بھی تم کو۔"
 "پھر کچھ مدت کے لیے میدا استاد پر چور دار
 ڈا سنبھلیں یا کوئی اور جسے تم لوگ۔" ترہنچے ہو
 بھائی کی طبیعت تحیک ہوئے پر مجھے اسے گھر لے جانا

ہے۔ اسے گھر چھوڑ کے بھی لے جاسکتا ہے اپنا۔"
 وہ مجھ سے ہو گئے اور راجہ کو جیسے پہلے ہوش
 آیا عجزی سے بولا "اب ہم چاؤ استاد، اڑا اپنا
 جی تھرا ہے۔"
 "مجھے نہیں لگتا، میدا جیسا کوئی اور آدمی اڈا
 سنبھال سکتا ہے میرے لوٹ آنے تک میدا کو
 چوکی پر بیٹھ رہنا ہے۔"
 حالانکہ میری جانب سے اسی ایک جواب کی
 توقع نہیں بھی ہوتی تھی مگر شاید وہ کچھ اور
 قیاس کر رہے ہوں۔ ان کے چہروں کا رنگ بدل گیا
 تھا۔

"اب ہم اچھی مائیں لگائے گا ہواں۔" میدا
 سے فلتانی سے کہا۔
 اور راجہ جو تحیک کے بولا "اور میدا استاد اڈے
 کے بارے اس کے سے مدانی لے کے آیا ہے۔ او
 سب نئے استاد کے نوکرت کے واسطے اسپتال کے
 جبری کھڑے ہیں۔"
 "اور اسپتال کے بارے؟" میں نے حیرت سے
 پوچھا۔

"اب جو روتا ہے، ایک بار ادھر ہی جا کے
 وہاں کے سامنے۔" وہ دیکھتا ہوا دوسرے اسپتال
 کے بھیت پر اشارہ کرتے تھے۔ ہم لوگ کو بھی بھیت پر آنے
 میں بہت جو محسوس ہوا۔

"مجھے اس کے پاس جانا ہے؟ نہیں نہیں۔"
 "اب وہ قمرے اڈے کے اڈے میں ہیں۔"
 "لیکن میں ابھی اڈا نہیں سنبھال رہا ہوں۔"
 "اسی بات کو بڑا اڈاں کے سامنے بول دیو۔"
 راجہ نے لجاجت سے کہا، "میرا دوسرا استاد
 مغربی کوئی صورت نہیں تھی۔ میں نے متحش
 نظروں سے ڈاکٹر رائے کی طرف دیکھا اسے یہ
 سارا کچھ بہت نا اوارا تو کھ لگ رہا ہوگا اور وہ آگے کا
 قماش دیکھنے کا بھی مشتاق ہوگا میں نے مزید پیش
 وہیں مناسب نہیں سمجھا اور ڈاکٹر رائے کو اشد در

کر کے کر سی سے اٹھ پڑا۔
 خالص کردوں کے اس مجھے سے صدر درد اڑے
 کا قلم خاصا تھا۔ ڈاکٹر رائے سے میں نے رک
 جانے کی درخواست کی تھی۔ وہ کہیں مانا تو میں نے
 اسے بھی نہیں کیا۔ ہر حال، ایک نہایت متبرک گواہ
 بھی ہم راہ تھا۔ جہاں جہاں سے ہم گزر رہے تھے،
 ڈاکٹر رائے کو ہمارے ساتھ دیکھ کے رہتے
 میں سنے داسے ڈاکٹروں، دوسروں، اسپتال کے دیگر
 عارضوں اور سپہیوں کے جسم تن چاہتے تھے اور
 "کھیں پھیل جان گئیں۔ ہم دونوں گئے، مجھے وہ
 تیوب تھے۔ ہماری رفتار تیز تھی۔ سلاخوں والے اوپٹ
 ... صدر درد سے ہی سے بہت دگ مغلز
 کھڑے دکھائی دیے۔ سپاہیوں کا ایک دستہ بھی
 وہاں موجود تھا۔

ورہاں نے صدر درد زہ کھول دیا۔ اڈے کے
 آدمیوں کے ہجوم میں شور اٹھا۔ اس لمحے ہی
 اختیار میں نے ڈاکٹر رائے کا ہاتھ قلم لیا۔ مجھے
 نہیں معلوم اس کی ضرورت مجھے کیوں محسوس ہوئی۔
 ہمارے تین طرف اڈے کے "دی کھڑے تھے۔
 چاہے کسی ہدایت پر کوئی آدمی وہاں کی کر
 لے، پھر کوئی اور سپہیوں کی تنقید سپاہیوں کا کیا
 جواب بھی کہ اڈے کے "دیموں کی پذیرائی میں نال
 و ترا کر رہے۔ انہوں نے مجھے کرسی پر کھڑا کرنا چاہا،
 لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ کھڑے رہے پھر اڑے۔
 میں نے اسے کرسی کی پیش کش کی۔ اس کے چہرے
 سے نظر آ رہا تھا کہ وہ کتنے استعجاب و رکش کش کے
 عالم میں ہے۔ کسی قدر درد کد۔ کے بعد وہ کرسی پر
 کھڑے ہو گیا۔ اس کے لیے تیار ہو گیا۔ میدا، راجہ
 ان کا تیسرا ساتھی اور میں تنقید پر کھڑے ہو گئے۔ وہ
 تینوں سکڑے سنے ہوئے تھے۔ ہمارے کھڑے
 ہوتے ہی شور اٹھنے لگا۔ عمر ریدہ راجہ کو کھڑے کرنے کی
 ضرورت نہیں پڑی۔ "قی عمر میں چہرہ شامی آہی
 چالی چاہے۔ اس نے دونوں ہاتھ تھا کے ڈھیل

حاشیہ: یہی تا کہیں
ہر طرف خاموشی چھائی، میں نے منہ دھو
میں جا رہی تھی چوڑی بات نہیں کریں اس
کا وقت بعد کو آئے گا۔ اس وقت جوم سے کہنا ہے،
سے۔ میں نے سوچا میرا تادے اڑ چھوڑ دیا
ہے۔ اب ہمیں ڈسے کی چوکی پر بیٹھنا ہے، لیکن
ابھی ہم اڑ نہیں سنبھال سکتے۔ میرا استاد لیصلہ کر چکا
تھا۔ ہمارے کہنے پر مشکل سے ہماری جگہ چوکی پر
بیٹھے کو تیار ہوا ہے۔ جب تک ہم وہاں نہ آجائیں،
میرا استاد ہی اڑے گا، مگر رہے گا۔ سچ میں کوئی
ہماری طرح چوکی کا دھوکہ نہ دلا آجائے تو سے
میرا استاد سے نہیں، ہم سے مل کرنا ہوگا۔ ہم جہاں
ٹھکانے کا پتا میرا استاد کے پاس ہوگا، ہم جہاں
کھین بھی ہوں گے، اس کے بلائے پر یہاں
آجائیں گے، پر جب تک ہم آ نہ جائیں، نئے
دعوے دار کو انتظار کرنا ہوگا۔

میرے چپ ہو جانے پر جوم میں بھی بھناٹ
ہوئے گی۔ وہ مجھے نہیں آتا احتیاطاً ایک بات ان
سے اور کہہ دینی چاہیے۔ میں نے کہا: "کسی کو کچھ
چھپتا ہے، یا کوئی انکا ہے کسی کے دماغ میں، تو ہم
کسی سامنے کھڑے ہیں۔"
کسی طرف سے کوئی نہ نہیں اٹھی۔

"ہاں ایک بات اور" جیسے ہی میری دور
بلند ہوئی، دوبارہ منہ اٹھا چھ گیا۔ "کوئی اور دعوے
در ہو تو بھی تم شہر میں ٹھہرے ہوئے ہیں، وہ
سامنے آجائے یہاں بھی، اس وقت بھی۔ اب
نہیں تو در چاروں بعد دہسے ٹھہریں۔ ہمارے جانے
کے بعد پھر، جیسا ہم نے بول دیا ہے، اسے ہمارے
لوٹ کے آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔"

یہی بات ختم کر کے میں نے سویرے نظروں سے
بر جو کو دیکھا۔ وہ تہوں ہی جیسے بت بے ہوئے
تھے۔ میں بیچ سے تر آ رہا، ڈاکٹر رائے نے بھی لورا
میری تقلید کی۔ صدر دروازے پر واپس آ کے میں

نے طے کے ایک نظر چھنے کی طرف دیکھا، میرا، جو
اور وہی تیرا آدمی بچے ہوئے ہماری طرف بڑھ
رہے تھے۔ میں وہ ڈاکٹر رک گئے ان تہوں کے
ہاتھ جڑے ہوئے تھے۔ انھیں جھٹکا دے رہی تھیں،
جیسے اس انداز میں جانتی ہوں۔

جب میں ہاتھ ڈال کے میں نے میرا کا چاقو
نکال کے اس نے آگے کر دیا۔ "اب تمہیں اس کی
ضرورت پڑے گی" میں نے ہنسی سے کہا۔ اس
کے چہرے کی کھال پھڑکنے لگی تھی میرے ہاتھ
سے چاقو تلے کے اس نے آنکھوں سے لگا لیا۔ پھر
ہم وہاں نہیں ٹھہرے، صدر دروازہ عبور کر کے
اسپتال میں داخل ہو گئے۔

مرکزی عمارت اور اپنے کمرے تک نہ گئے
دوران ڈاکٹر رائے نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔
مجھے اس سے اجازت لے لی چاہیے تھی، لیکن میں
اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ کمرے میں آ کے دو تھے
ہوئے انداز میں میرے قریب رہی ہوئی آرام کری
پر نیم دروازہ ہو گیا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں
تھا جیسے بہت دور کے سفر سے آ رہا ہوں۔ چہرے بعد
اس نے چپکے چپکے میں اور مجھے مانتے کھڑے
ہوئے دیکھا تو مرکز بڑا کے بولا۔ "تم تم کھڑے
کیوں ہو؟"

"میں اب چن ہوں۔" میں نے فیدہ دار
میں کہا، "مجھے اجازت دیجیے۔"

"کیوں، کیوں جانا چاہتے ہو؟" اس نے
کھوئے ہوئے بچے میں پوچھا۔

"یوں ہی" کچھ دیر آپ آرام کریں۔"
وہ پھر کہیں گے ہو گیا اور کچھ بعد چوبیس کے
بولا، "مجھے واقعی آرام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے"

ٹھیک ہے، جاؤ تم کچھ دیر میں شام کے معائنے پر
میں اس طرف آتا ہوں۔"

سلام کے لیے ہاتھ اٹھ کے میں دروازے کی
طرف بڑھ گیا تھا کہ اس کی بھاری آواز سے میرا

عاقب کیا۔ رات کو تم گھر آ سکتے ہو؟"

میں نے پلٹ کے جوابی بکھا دیکھا
"رات کا کھانا ہاتھ کھا میں گئے۔" اس نے
سرری سے اعزاز میں کہا

میں سوچ رہا، مجھے کیا کہنا چاہیے اس نے
کری کے سر حارے سے سرنگا کے پیر آنکھیں موند لی
تھیں۔ میں نے ہاتھوں کا ہار اٹھا۔

راستے میں گزرتے ہوئے لوگوں اور جگہ جگہ
تعمیرات سپاہیوں کی نگاہیں مجھ پر پڑتی رہیں۔ بری
خبر ہو اور غار ہوئی ہے۔ شاید کسی کو معلوم ہو گیا تھا کہ تم
نکلے کے سب سے بڑے استاد، میرا استاد اور اس

کے قریب ترین ساتھی مجھ سے ملنے کے لیے اپنا
آئے ہوئے تھے اور یہ جرات انہیں داند بھی اس کے
لے جا قابل فہم ہوگا کہ ڈاکٹر رائے بھی میرے ساتھ
تھا۔ کچھ دیر میں جڑ بات سے بھی انہیں آگاہی
ہو جاتی تھی۔ پھر کوئی اپنے اپنے طور پر اپنی اپنی
رہبان میں انہیں بیان کرے گا۔ میں دایم بائیں
ان کی موجودی سے بے نیاز سامان کے سامنے سے
گزارتا رہا۔ اسی نگاہوں کی رد پر آدمی کیسا چور سا میں
جاتا ہے۔ یہ حال، کسی طرح میں اپنے کمرے تک
پہنچ گیا۔ سمورین مجھے باہر ہی ل گئی۔ اسے چپکے
نہیں ہوگا۔ بار بار کمرے سے رو داری میں آتی
ہوئی۔ اس سے دور سے مجھے آواز پہنچ لیا تھا۔ مجھے
ہمارے تھا کہ ابھی اس کے سوالوں کی جواب دہی کا
ایک مرحلہ باقی ہے۔

"کیا ہوا؟" اس نے پچھنے ہوئے دیدوں سے
پوچھا۔

"میں نے وہ" میں نے اس کے اطمینان
کے لیے منگوا کے کہا اور اس کا بازو تھام کے سونے
کے لیے کیا۔ "تم اتنا کیوں ٹھہرا رہی تھیں؟"

"بات ہی ایسی تھی۔" وہ ہراساں آواز میں
کہا۔

"تم نے غور نہیں کیا۔ اسپتال میں وہ کسی

خطرناک! سے سے کیسے آئے تھے۔ وہاں کا بھرہ
چاہتے تھے کے یہاں تک پہنچا پاتے تھے۔"
میں نے کا کیا بھروسہ۔

آدمی ہی رہتا ہے۔
"میں یہ ہو گیا۔"

"ہو گیا کیا؟" میں نے اسے مختصر آماری روداد
سنانے کی کوشش کی۔ "اب سب ٹھیک ہو گیا۔" میں
نے رسوائی سے کہا۔

"کی ٹھیک ہو گیا؟" اس کا نظریہ کر رہا۔

"میں نے نہیں بتایا، میرا چاقو اب میرے
پاس ہے، میرا کا چاقو اس کے پاس۔ میرا استاد اپنی
پرانی جگہ بیٹھ گیا۔ انہوں نے کو جگہ قائم چاہا۔ کہتے
ہیں، وقت کو کون مار سکتا ہے۔ کبھی خاں صاحب
کا بھی وقت "تھی" تھا۔ اس کے قاتل بھی پلے گئے۔
پولیس ایک دوسرے کے قاتل تلاش کر رہی ہے۔
کوئی ان کے ہاتھ نہیں "تھے" گا ڈوہ کیا کر سکتی ہے،
چپ ہو کے بیٹھ جائے گی اور کسی معاملے
میں مصروف ہو جائے گی۔ شیریں کو انھوں نے بغیر
رہنا ہوگا۔ کبھی خاں صاحب کے گھر واپس کون
کے بغیر زندگی بسر کرے گی عادت ڈالنی ہوگی اور
عادت پڑنی جائے گی۔ آدمی کو سب سے لڑ رہی
رہی ہوئی ہے۔"

"تم کیسی، تم کر رہے ہو؟" وہ آزرگی سے
اور رہا ہوا ہوئی۔

"کیا غلا ہے اس میں؟" میں نے بھی ہوئی
"دہلی میں کیا۔" وہ سر جھکا کے چپ ہو گئی اور خاں
کر رہے گی۔ میں بھی خاموشی سمجھا اپنے کو ٹھیک
چھوٹا رہا خود آ رہی ہے کبھی کسی بھی ہوئی ہے

رفتہ رفتہ مجھے حسرتی ہو رہا تھا، دل جونی کے کونے
میں سے اس سے ایسی شگفتہ یا غم شرد مار کر دی
تھیں۔ وہ تو چھوٹی موٹی کی مانتا ہے۔ میرا رنگ
جانی سے کسی کھانسی ہے شیشہ ایسی گرانی کی

تا نہیں رکھتا۔ اصل میں شاید میں یہ سب کچھ خود سے بھانپتا تھا کہ میں سے کس قدر دیر بعد میں سے چنے سے سے لوگا۔ کیا سوچ رہی ہو؟

کچھ نہیں۔ کس آؤ جیسے پاتاں سے ابھری۔

مجھے افسوس ہے۔ میرا ہیچ بھی معذرتی تھا۔ کس کے گناہ ہونوں میں رہتا ہوا۔

وہی تم تھوڑی سی پگھل بھی ہو۔ میں نے ہلکی آواز میں کہا۔

اس کی سب ریز آنکھیں مجھ پر منڈلائیں اور اس کے اندر آلودہ رخسار چمک اٹھے۔ ہاں۔ وہ بہ سادہ ہوں۔ درم سے کیا ہے مجھے پگھل۔

میں نے۔

معلوم نہیں تم کیسے آدمی ہو۔

بہت برا ہوں نا۔

ہاں اب بہت برے۔ وہ افس پڑی۔ یہی تو تمہاری خوبی ہے۔

میری تدبیر کارگر ہوئی، آخر کہیں اس پر چھوئے یا کہ حجاب کا عیر چھنا۔ چائے نہیں پلاؤں۔

میں نے اشتیاقی آہ بچہ میں فرمائش کی۔

وہ درم کی طرح ہے تائب ہوگی، نیساں کی طرح اس کے بدن میں بجلی بھرتی، جھٹ پھر نکل گئی۔

مٹھل پر ایک نظر ڈال کے میں بھی ہار گیا۔

سیورین دہا نہیں تھی۔ خدمت گار کو طلب کرنے کے لیے وہ خود احکام صادر کرنے پر آمادہ تھی۔

میں نے ہلکی ہوگی۔ ہزارہ ریس، اسپتال کے آداب کی وجہ سے وہ میرے ساتھ چائے میں شریک نہیں ہو سکتی تھی، اس جیس سے میں دوبارہ کمرے میں بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر میں وہ نمودار ہوئی۔ اس کے پیچھے بڑا شستہ تھا۔ ایک عذاب خدمت گار تھی۔

تھے۔ چائے کا تو ہوتا تھا، میں تو سیوری کو تھوڑا تارہ دم دیکھنے کا دردمند تھا جس کی سیوریوں پر جس دلال رہتا تھا جس ہوتا بھول جیسے وہ نے ہی اچھے لگتے ہیں، ڈھنگ ہوئے ہوں، تیز دھوپ کی رو پر اور تیز ہواؤں کے رستے میں ہوں تو جی ضرور سے لگتا ہے۔ چائے کے دوران وہ خامی چاہے نہ تھی میں سے اسے یاد دلایا کہ یہ وقت سرسب ہے۔ وہ کوئی کارندہ ہونے کی بجائے کا بندوبست کر دے۔ میں پرچی لکھے دیا ہوں تاکہ یہ نکل کا کوئی دمدار شخص یہاں آ کے تصدیق کرے کہ میں ہی اپنے سامان ہونے سے منکوحا ہوا ہوں۔

وہ دنیا بھر سے ہر جگہ، نیپے کی کسانا ہے شرم میں سنا ہے، بہت کم لوگ آج گھروں سے نکلے ہیں۔

جس طرح نکلے ہیں اور بازو بند ہیں۔

میں نے کہا۔ شہر تو بند نہیں اور ہونے تو لگا ہوگا۔ کیوں نہ ایک کوشش کرنی چاہے۔ اب تو میں خود بھی جا سکتا تھا، لیکن ڈاکٹر رائے سے بات کرنا مجھ پر تھا۔

”کیا؟“ وہ برحسب سے ہوئی۔ ”تم جاؤ گے شرم میں۔ ڈاکٹر رائے کیا، میں بھی نہیں جاؤں۔

دوں گی۔“ اسے ٹھکانا نہ لکھے کا اسے فوراً اس ہوا اور وہ ٹھنک سی گئی۔ ”تم نہیں معلوم ہے، تم جیسے لوگ بنے ہو شرم میں۔“

”میں اسی سے تو نہیں گی۔“ میں نے لائق سے کہا۔ ”معلوم تھا، اس حالات میں کوئی بھی چائے نہیں دے گا۔ اس کپڑوں میں ایک دن اور گزارا جا سکتا تھا، لیکن آج رات ڈاکٹر رائے کے گھر جانا ہے۔“

”کیا؟“ اس کا سر پائٹل کھٹک گیا۔ ”وہ جیسا ہی ہو کے ہوئی۔“ ڈاکٹر رائے نے جھپٹ لایا ہے؟

”ہاں، انہوں نے حکم دیا ہے، رات کا کھانا میں انہی کے ساتھ کھاؤں۔“ میں نے کہا۔

”کیا واقعی؟“ جیس میں آتا۔

”کیوں نہیں آتا، اور تم اتنی جبراً رہیں کیوں ہو رہی ہو، کوئی نی۔ ت ہے کیا؟“ ڈاکٹر صاحب ایک مہینہ اور مشق کر رہے ہیں۔

”بے شک وہ ہر اھم سے ایک بڑے اور عقیدہ آؤں ہیں، وہ اپنے اسپتال کے مریضوں میں بہت شامل رہتے ہیں لیکن صرف یہیں تک مجھے یاد نہیں، آج تک انہوں نے۔“

”مگر میں ان کا مریض نہیں، مریض کا گھر میں ہوں۔“

”ایسا بھی نہیں ہوا۔ گھر جا کے تو وہ بالکل گھر کے ہو جاتے ہیں، مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ بہت لوگوں سے انکا مباحثہ ہوتا ہے۔ انہی اپنے کام سے غرض ہے۔ کام ان کے لیے جہاد ہے۔“

”ج پوچھو تو مجھے بھی حیرت ہوتی تھی، لیکن جیسا تم کہتی ہو اور جیسی لوگ ان کے بارے میں رائے رکھتے ہیں، شاید ایسا کچھ نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب زندگی میں بھی بہت شامل ہیں۔ لوگوں نے طرح طرح کے اسے۔ یوں ہی ان کے بارے میں غرض رکھتے ہیں۔“

”ہر حال، یہ بڑی ان ہونی کی بات ہے۔“

”میں کیا کہہ سکتا ہوں، انجارجی تو نہیں کر سکتا تھا۔“

”یہ تو ایک اعزاز ہے۔“ چائے کیوں سیورین کے حیرت زدگی میں ڈی نظر آئے گی۔

اسی اثنا میں دروازے پر آئیں ابھریں۔ ڈاکٹر رائے حسب معمول شام کے معائنے کے لیے لگیا تھا۔ مٹھل کو آنکھیں کھولنے لگا کچھ دیر نہیں لگی۔

”مٹھل سے اسے شہ دیا۔ ڈاکٹر رائے اور اس کا شریک کار ڈاکٹر آہستہ آہستہ اس سے باتیں بھی کرتے رہے۔ جس طرح مٹھل، ہوں ہیں، میں جواب دیا۔ میرا خیال تھا ڈاکٹر شام کو بھی اسے چلنے کی کراہیں گے لیکن روزانہ کا طبی احوال نامہ پڑھنے کے بعد انہوں نے فشارخون کا معائنہ کیا اور مٹھل کو ستر

سے نہیں اٹھا۔ میری تائید میں پورا کٹر رہنے سے سب سے پہلے ان کا طریقہ ”دور درنگ“ ہی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ میں سے کچھ اور پوچھنا چاہتا ہوں اس نے مجھے

نہیں تھا۔ شاید شہر میں کچھ نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب زندگی میں بھی بہت شامل ہیں۔ لوگوں نے طرح طرح کے اسے۔ یوں ہی ان کے بارے میں غرض رکھتے ہیں۔“

”ہر حال، یہ بڑی ان ہونی کی بات ہے۔“

”میں کیا کہہ سکتا ہوں، انجارجی تو نہیں کر سکتا تھا۔“

”یہ تو ایک اعزاز ہے۔“ چائے کیوں سیورین کے حیرت زدگی میں ڈی نظر آئے گی۔

اسی اثنا میں دروازے پر آئیں ابھریں۔ ڈاکٹر رائے حسب معمول شام کے معائنے کے لیے لگیا تھا۔ مٹھل کو آنکھیں کھولنے لگا کچھ دیر نہیں لگی۔

سے نہیں اٹھا۔ میری تائید میں پورا کٹر رہنے سے سب سے پہلے ان کا طریقہ ”دور درنگ“ ہی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ میں سے کچھ اور پوچھنا چاہتا ہوں اس نے مجھے

نہیں تھا۔ شاید شہر میں کچھ نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب زندگی میں بھی بہت شامل ہیں۔ لوگوں نے طرح طرح کے اسے۔ یوں ہی ان کے بارے میں غرض رکھتے ہیں۔“

”ہر حال، یہ بڑی ان ہونی کی بات ہے۔“

”میں کیا کہہ سکتا ہوں، انجارجی تو نہیں کر سکتا تھا۔“

”یہ تو ایک اعزاز ہے۔“ چائے کیوں سیورین کے حیرت زدگی میں ڈی نظر آئے گی۔

اسی اثنا میں دروازے پر آئیں ابھریں۔ ڈاکٹر رائے حسب معمول شام کے معائنے کے لیے لگیا تھا۔ مٹھل کو آنکھیں کھولنے لگا کچھ دیر نہیں لگی۔

”مٹھل سے اسے شہ دیا۔ ڈاکٹر رائے اور اس کا شریک کار ڈاکٹر آہستہ آہستہ اس سے باتیں بھی کرتے رہے۔ جس طرح مٹھل، ہوں ہیں، میں جواب دیا۔ میرا خیال تھا ڈاکٹر شام کو بھی اسے چلنے کی کراہیں گے لیکن روزانہ کا طبی احوال نامہ پڑھنے کے بعد انہوں نے فشارخون کا معائنہ کیا اور مٹھل کو ستر

سے نہیں اٹھا۔ میری تائید میں پورا کٹر رہنے سے سب سے پہلے ان کا طریقہ ”دور درنگ“ ہی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ میں سے کچھ اور پوچھنا چاہتا ہوں اس نے مجھے

نہیں تھا۔ شاید شہر میں کچھ نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب زندگی میں بھی بہت شامل ہیں۔ لوگوں نے طرح طرح کے اسے۔ یوں ہی ان کے بارے میں غرض رکھتے ہیں۔“

”ہر حال، یہ بڑی ان ہونی کی بات ہے۔“

”میں کیا کہہ سکتا ہوں، انجارجی تو نہیں کر سکتا تھا۔“

”یہ تو ایک اعزاز ہے۔“ چائے کیوں سیورین کے حیرت زدگی میں ڈی نظر آئے گی۔

اسی اثنا میں دروازے پر آئیں ابھریں۔ ڈاکٹر رائے حسب معمول شام کے معائنے کے لیے لگیا تھا۔ مٹھل کو آنکھیں کھولنے لگا کچھ دیر نہیں لگی۔

”مٹھل سے اسے شہ دیا۔ ڈاکٹر رائے اور اس کا شریک کار ڈاکٹر آہستہ آہستہ اس سے باتیں بھی کرتے رہے۔ جس طرح مٹھل، ہوں ہیں، میں جواب دیا۔ میرا خیال تھا ڈاکٹر شام کو بھی اسے چلنے کی کراہیں گے لیکن روزانہ کا طبی احوال نامہ پڑھنے کے بعد انہوں نے فشارخون کا معائنہ کیا اور مٹھل کو ستر

سے نہیں اٹھا۔ میری تائید میں پورا کٹر رہنے سے سب سے پہلے ان کا طریقہ ”دور درنگ“ ہی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ میں سے کچھ اور پوچھنا چاہتا ہوں اس نے مجھے

نہیں تھا۔ شاید شہر میں کچھ نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب زندگی میں بھی بہت شامل ہیں۔ لوگوں نے طرح طرح کے اسے۔ یوں ہی ان کے بارے میں غرض رکھتے ہیں۔“

باکسٹ بال وغیرہ کے قطعات۔ سڑک کے کنارے
ایستادہ کھیلوں پر کھینچے روشن تھے درپردہ سے
بغیر کیے ہوئے تھے۔ کچھ دور سڑک پر چند گھر
اور کالے بچوں کی ٹولی سے بیکس دوڑا رہی تھی۔
بچوں کی ہاؤس میں سینڈ کوب کی ٹرٹ اور کھیلوں کی
تھکار بھی شامل تھی۔ ہر کوئی گڑبھراؤنی لکڑی کی مار
کی چادر دیواری میں قائم تھی اور درخت کے چھ
اطراف وسیع رہنے پر وچے نیچے سبز رہا پھیلے
ہوئے تھے۔

بیمیں زادہ آگے نہیں جانا پڑا۔ تیسری ونچی میں
لکڑی کے چولے دروازے پر درہاں موجود تھا۔
یہ پرانی طرز کی دو منزلہ گھر تھی۔ نہ تنی بڑی نہ
ایسی چھوٹی۔ جدید کم، قدیم ریہادہ، صاف ستھری
رنگ روغن بھی نیا یا تھا۔ دروازے میں داخل
ہوتے ہی راستہ نریں ہے وسط پڑ۔ راستہ کی
راہی کی بھی کیا مہک ہوں ہے۔ دھڑ دھڑ سے
حوالی میں راستہ کی رتی کے پودے بہت شالگائے
ہیں۔ ساری حویلی گھڑ رہتی ہے۔ کچھ بھی احوال
ڈاکٹری کو بھی کا بھی تھا۔ خوش بو دیدار کی طرح
ہوتی ہے۔ نرم و نازک، جلد درخش، لہذا شوخ
شیرازی، بنجیدہ اور نجیہ۔ رستہ کی رتی کی مہک میں
جسٹ عاست اور شادی ہے، اتنی ہی شادی اور
چکاری بھی۔

ڈاکٹر رائے سبزہ زار میں ٹہل رہا تھا۔ میرے
سلام کا اس نے سر کی جنبش سے جواب دیا۔ "فاصلہ
ریہادہ تو نہیں ہے۔" وہ کھلی دواڑ میں جا۔

"بالکل نہیں۔" میں نے مستعدی سے
کہا۔ "کیا مجھے دیر ہوگی؟"
"آدی کے پاس سب سے کم یہ چیز ہوتی
ہے۔"

دماغ کچھ حاضر تھا۔ ایک ٹکڑے میں اس کا تھکا
رہا ہو گیا۔ "کیا ہاں؟" اور بھی ہوا کم
ہے۔

قریب ہو جاتی ہیں، دو مرد اسے قریب نہیں
ہو پاتے۔ دو گھروں کی ایسی ایک جانی دیکھ کے
مردوں کو اپنی الگ جگہ کا احساس کچھ سا ہوا لگتا
ہے، مغرب کا سر کوئی احساس۔ گزشتہ شام کی
طرح کتران ہوئی آواز میں سوراخا تھا۔ پوچھنے
لگی کہ کل سناؤ میرے لیے کچھ لائے۔ میں منع کرنا
چاہت تھا، لیکن وہی صورت درپیش تھی۔ بہت کچھ
دعوت کا برقعہ ہوتا ہے کہ وہ کون ہے، کتنا دلکش
ورنارک، کتنا عزیز و محترم ہے اور اس کی نیت اس
کی حسب میں شوق کیسا فرداں ہے۔ کل کی طرح
مجھ سے انتظار کیا جاسکا۔ میرے اقرار پر اس کی
آنکھوں کی تابانی نروں ہوئی اور وہ سبک خراہی سے
چلی گئی۔ رتی بھی آدی کی فلی بیسٹ کا سطر ہوتی
ہے۔

گھڑی سے سڑھے آٹھ بجائے تھے کہ
دروازے پر دستک ہوئی۔ ڈاکٹر رائے کے مارم کو
پابندی وقت کی غیر معمولی تربیت دی گئی تھی۔ ضرور
وہ کمرے کے باہر کھڑا رہا ہوگا کہ خلیفہ وقت پر
دستک دے۔ آدی کو تھکا گھڑی نہیں ہونا چاہیے،
آدی تو بھر رہی نہ رہی۔

ہوٹل میں کسی کو بھیجے اور سامان منگوانے کا وقت
نہیں تھا۔ کچھ تانے کے میں نے انہی بوسیدہ کپڑوں
کی شکلیں درست کیں۔ نہاد جو پہلے ہی آیا تھا۔
نہانے کے بعد ہاسی کپڑے پہنے رہتا بھی ایک ستم
ہے۔ پیشانی پر ایک کے بوسے کی نذر سنے کے میں
باہر آ گیا۔

ڈاکٹر کا گھر دور نہیں تھا۔ پیدل کے فاصلے پر،
سپتال کی چادر دیواری سے محض ہم کوئی کسی جنگل
میں داخل ہوئے، ترشہ ہوا جنگل۔ ہر طرف سبز سے
کی خوش بو بھی ہوتی، مٹی کی خوش بو۔ ایک
طرف کوشیوں کی تھار، چھ میں سینٹ کی پتہ سڑک،
سڑک کے اس طرف درخت علی درخت، باغ علی
باغ چمن زرا، فاصلے فاصلے پر والی بال و نمس اور

”وہ میری عمر پر ہاتھ کر رہے وہ بید کی
 کر بیوں کی طرف بڑھ گیا۔ کسی رینگنے کے سہ سے
 تڑپ رہا ہے چھوڑو، یہاں بیٹھو گے، یہاں چلیں“
 یہاں کچھ جھکی رہا۔
 جیسا کہ سب ترس چکے ہیں، میں نے موقوفات
 کہا۔
 ”میں نے کھانا کھا دیا۔“
 ”آپ کا وقت ہو گیا ہے وہ فحش ہے۔“
 ”میرا خیال ہے ہاتھ دیر بعد تو نہیں اس
 سے بچنے کے لئے ہوئے بیٹھ گیا اور کسی سے کھانے کا
 ایک دو قدم بعد رک کے ہوئے، تم یہاں بیٹھ تو
 نہیں چاہتے؟“
 ”یہ بہت خوب صورت اور پرسکون جگہ ہے۔“
 میں نے کہا، ”لیکن یہاں واقعی فحش ہے۔“
 مجھے ساتھ لے لیے ہوئے وہ عمارت میں داخل
 ہو گیا۔ دروازے کے سامنے کا وسیع حصہ کسی بڑے
 ہال کے مانند تھا۔ سادگی و پرکاری کی مثال، کوئے
 گونے میں بھرتے، بل کھاتے ایک دوسرے
 میں پیوست اور کم، محوشت اور مرد کے مریاں، نیم
 عریض قد آدم جسے دوپٹوں پر بڑی بڑی روٹنی
 تھوپیں، سارے دبا دبا ہوا درخت تھا۔ ہال میں
 غنودہ سی روٹنی پھیلی ہوئی تھی۔
 ڈاکٹر رائے، ایک طرف کے روشن کمرے میں
 آ گیا۔ یہ شست گاہ تھی۔ جان پوش کھڑکیاں چلی
 ہوئے کی وجہ سے یہاں بھی ہر صیبا موسم تھا۔ اس
 کمرے کے سارے دیواریں بھی بڑی سادگی تھیں،
 سرکش تھوپی ہوں بیس بھی، درپیسوں کی دوست
 دشمنیت سے ریوڑ کی عاست طبع کی ٹار جی سم
 دیواری کوٹنے میں جڑے ہوئے سولوں پر کچھ اس
 طرح بیٹھ گئے کہ ایک دوسرے کے سہے بھی تھے،
 نہ جھجے تھی۔
 ”بھئی کوئی دس منٹ پہلے ایک پولیس افسر
 یہاں سے گیا ہے اصل میں میں نے ہی اسے بلایا

تھا۔ اس دوران میں سے پچیس سے تھوڑا بہت
 اسی طرح ہوا تھا۔ اس زمانے سے کسی مسد سے بغیر
 کہا، ”پولیس افسر بتا رہا تھا، کچھ سوچتے، غریب
 آفتاب کی مار کے بعد اسی طرحی خاں کی مدد سے جوگی
 سے۔ اس کا یہاں کی شام کو حیدر آباد میں سے آ گیا
 تھا سنا ہے، جنازے میں بہت بڑا جھوم تھا شریکے
 بیش تر مسلمان عمارت میں اکبر علی خاں کے ساگی
 اور ڈاکٹر کے طلبہ کثرت سے شریک تھے۔ لیکن
 سے میں نے درخواست کی تھی کہ جنازے میں
 تھہری حد شریک محسوس کی جائے اور جو اونٹنوں
 کے وہم و گمان کو ہوا سے۔ تر ہوگا، اس پر خاں
 کے بھائی اور گھروالوں کو آگاہ کر دیا جائے کہ کہیں
 نہ وجود شریک سے روکا گیا ہے۔ پولیس افسر کا کہنا
 ہے، ”اکبر علی خاں کا بھائی طویل سفر سے آیا ہے اور
 چھوٹے بھائی کی نام نہانی بہت دیر لڑتے رہے۔
 اسے بھی کسی اور طرف دیکھے اور سوچے کا وقت
 کہاں ملا ہوگا۔ لیکن پولیس اس کے اثر و رسوخ سے
 وقف ہے، اس سے نصف ہے۔ میں سمجھتا ہوں،
 اکبر علی خاں کا بھائی تم سے ملاقات نہ کرنا چاہے گا۔“
 میں جب رہا۔ میرے پاس گیا جواب تو۔
 ”اکبر علی خاں کے لئے اس کے مقام پر پہنچنے کی تمہیں
 لاشوں سے خاصی پیچیدگی پیدا کر دی ہے۔ حالان
 کہ میرے، تھہرے اور کسی حد تک پولیس کے بھی
 علم میں ہے کہ یہ کوئی ایسی پیچیدہ بات نہیں ہے
 مسئلہ یہ ہے، جیسا کہ تم کہتے ہو، قاتل اتنی آسان
 سے گرفت میں نہیں آ پائیں گے۔ بہرحال میں
 سے پولیس کو یقین دلانا ہے کہ اس دوران تم بہ
 وقت استس میں رہے ہو اور پولیس بھی تو
 تھہری فعل و حرکت کی نگرانی کرتی رہی ہے اور
 میں احتیاطی طور پر ہر گھوڑے بھی مشورے سے نیا رہا
 ہوں۔ اس کا بھی میں کہتا ہوں کہ تم فی الحال اپنے
 آپ کو احتیاط اور یاد بھانی کے کمرے تک محدود
 رکھو۔“

لازم کی مداخلت پر ڈاکٹر رائے کو رکھنا چاہا۔
 لازم ہوا کی تھا اور کسی جھگڑے کے دس سے بھرے
 گھر بہت اہتمام سے لایا تھا۔ یہاں اس کا رہنا تھا۔
 لازم کے جائے کے بعد ڈاکٹر رائے کو منع ہوئی کہ
 میں زبان کھولوں گا، بیس محسوسیت کے اظہار کے سوا
 میرے پاس کچھ باتیں نہیں تھیں اور ڈاکٹر کا لفظ بھی مانع
 تھا کہ منہ سے کوئی ایسی دیکھی بات نہ نکل جائے۔
 ”آج شام کا واقعہ میری زندگی کا سب سے
 اہم تھا تجربہ تھا، خاصا سنی خیر۔ ہم قاتلوں کے
 ساتھ بیٹھے تھے اور وہ۔ وہ کیسے مطمئن تھے۔“
 ”آپ اڈے کے لوگوں کے درمیان تھے۔“
 میں نے سچ کی جرأت کی۔
 ”یعنی وہ قاتل میں تھے۔“ وہ مجھ کے بولا، ”یہ
 ان کے لیے کیوں کہ محسوس کی بات ہے۔“
 ”اڈے کے آدمی اس طرح ہر کسی کا خوش نہیں
 کرتے۔“
 ”مگر وہ قاتل میں۔ انہوں نے تیر آدمیوں کا
 خون کیا ہے۔ یہ اعتراف کی طور اٹھائے جیسے انداز
 میں انہوں نے جو کیا ہے۔“ شدت میں ڈاکٹر
 کی آواز حق میں پھسکی۔
 ”مگر میرے اور آپ کے سامنے اس مجھول
 دہم اعتراف کی یہ حقیقت ہے۔“
 ”یہ ایک اور بات ہے۔“ وہ جھجکا کے بولا۔
 ”انہوں نے ان لوگوں کو راستے سے ہٹا دیا جو
 ان کے لیے مسئلہ سمجھیں گے کڑی کر رہے تھے۔“
 ”تم ان کی حمایت کر رہے ہو؟“
 ”جن میں آدمیوں نے اقلیتی اور اکبر علی خاں
 کو قتل کیا تھا، آپ کے خیال میں ان کی کیا سزا ہونی
 چاہیے؟“ میں نے غل سے پوچھا۔
 ”نوراً کچھ کہنے کے بجائے وہ پہلو بدلے گا۔
 ”انہیں مگر یہ عدالت کا کام ہے
 ”ہاں میں اس لیے بھی ہوتی ہیں۔“
 ”عدالت بھی یہی فیصلہ کرتی رہی ہے۔“

کرتی مگر فیصلہ یہی ہونا چاہیے تھا عدالت و
 کسی نتیجے پہنچنے میں ایک وقت صبر ہو چکا،
 ”جو بیس، شہر میں، دیکل، در ایک عمارت کے
 بعد دوسری، تیسری اور ایک تیسری کے بعد
 دوسری ممکن ہے، وہ سچ بھی جانتے تھے۔“
 ”مگر یہ بھی تو ممکن ہے، اکبر علی خاں کا قتل
 انہوں نے کیا ہی نہ ہو۔“
 ”در اقلیتی یہ ہو۔“
 ”مگر اڈے کے لوگوں کو کسی فیصلے کا اختیار نہیں
 ہونا چاہیے۔ انہیں کیا، کسی کو بھی نہیں۔“
 ”سارے معاملات میں وہ کہاں رہیں ہونے
 ہیں۔ یہ تو ایک بالکل مختلف معاملہ تھا۔ یہ ان کے
 اڈے کا معاملہ تھا۔ اڈے کے لوگوں پر سب آ رہی
 تھی۔ اپنے ہی آدمیوں کی وجہ سے دار و دار ہو رہے
 تھے اور۔۔۔ یوں سمجھیے، انہوں نے اچھا طرح غول
 تلاش کر لیے تھے۔“
 ”میں تم سے متفق نہیں ہوں۔“
 ”میں اصرار بھی نہیں کر رہا۔ میں تو حقیقت
 واقعہ بیان کر رہا ہوں۔ جو کچھ ہوا، اس کا پس منظر
 بتانے کی کوشش کر رہا ہوں اور انہوں نے کل کہاں
 کیا ڈاکٹر صاحب ایسے تو انہوں نے میرے اور آپ
 کے سامنے جوڑ کا پیس سچ بولا تھا، اس کی کہ
 وقعت ہے۔ انہیں کسی مضبوط شہادت کے بغیر کوئی
 عدالت سزا نہیں دے سکتی، ہاں، میں انہیں سزا دے
 سکتا ہوں، آپ دے سکتے ہیں۔ آپ نے وہ قول
 دیا تھا ہوگا، قانون کی، انہیں نہیں ہونی، صرف
 کا۔ ہوتے ہیں، جیسے کل سچ میں کے ہیں، اور آپ
 عدالت میں اعلان حق کرتے ہیں، ہم سچ بولنے
 ہیں۔ انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی بول۔ اگر کی
 ہے تو اس کا حیرانہ سرور ہمیں گے آدمی ہی
 غلطیوں ہی سے اپنے لیے گائے بولتا ہے۔“
 ”تم مجھے سچ کر رہے ہو۔“
 ”مجھ میں یہ جو حسد نہیں ہے۔“

مگو اب سب بچہ بیوہ چکا۔

باقی پیتس کی عیدگی اور دیدہ ریری پر محضر ہے۔ اس کے لیے یہ عزت و قدر کا مسئلہ ہوتا ہے۔ پوئیس بھی مست چھپاتی ہے اسے سرطاش کرے کی قرار دی ہوں چاہیے۔
”ہم اس کی مدد کر سکتے ہیں۔“

ڈاکٹر کا جسم چڑک کے رو گیا، دور وہ مرحمتی ہوئی اور زمین بولا ”تم ٹھیک کہتے ہو شاید۔“
انٹیس کے دس میں کان مریخ اور ملک کی سمیڑش تھی۔ میں نے لہا ٹھونٹ لے کے گلاس تمام کر دیا۔ ڈاکٹر نے بھی اپنے گلاس کا دس حلقہ میں اوڑیل لیا۔ ”میاں کم عمری میں ایسی جہاں دیدگی تم میں کہاں سے آئی؟“ وہ کچھ پرسکون سا ہو گیا تھا۔
”شاید میں نے زندگی زیادہ ہی جمی ہے۔“

میں نے اگلے دن سے کہا۔
”جیسے آئی حلقی سوالی اور زے نشست گاہ کا سکون مظلوم کر دیا۔“ پاپا: ”کھانا کھا لیں۔“ ساتھ ہی ہادی رنگت کی سادی کی ساری میں بیٹھی ایک لوجوان بڑی ہو کے تیز چھوٹے کی طرح کمرے میں درستی۔ مجھے دیکھ کے وہ کسی قدر کھجکی اور ہنسی پلوں سے بولی ”آپ ہی بوجھ صاحب ہیں۔“
میں کھڑ ہو گیا۔

اس نے میری سامنے آ کے جھٹ مٹانے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور ہنسی آوار میں بول ”اچھا تو آپ ہیں۔“ پاپا لوگوں کی تقریب کرنے میں بیٹھے تھیں ہیں، لیکن آپ کا ذکر مسلسل کرتے رہے ہیں۔ مجھے آپ کو دیکھنے کی بڑی آرزو تھی۔“

اس کے نرم ہاتھوں کی حدت اور ٹپ سے اس کے شوق کی تصدیق ہو رہی تھی۔ اس کی ناگہاں آمد، تپاک اور اس سے سہانگی سے میرے خواص منتشر ہو گئے۔ ”یہ بیٹا ہے، میری بیٹی“ ڈاکٹر نے غبار سے کہا۔ ”اراب یہ میرا بیٹا بھی ہے۔“ اس

کے بچے میں بے پناہ شیشی تھی

سوئے جسکی اس کی رنگت تھی، سوتا جیسے تیار ہوا، چپا بیٹے کنڈن میں لٹی ہو۔ بدن کا ایک ایک انگ ناپ تول کے بتایا گیا ہوں شوں تک تراشیدہ وال، چرے پر ہانڈی اور دو تارگی، انداز میں حرکت اور غماز۔ اسے جس وجہاں کا مرقع نہیں کہا جاسکتا تھا، لیکن حاذیبت اور دل کشی میں یکساں، رنگانہ آدمی دیکھا وہ چائے آدمی کھینچا چا جائے۔ یہ خوبی پر جیسے بڑی میں میں ہوئی۔ ”میں تو بھول ہی گیا۔“ ڈاکٹر خود کو سر دوش کرتے ہوئے بچے میں بولا، ”تم کچھ پیو گے، اسٹراج، واٹن، یا کوئیک؟ اسکاچ کا تو وقت نہیں رہا۔“

”ہی، جی نہیں۔“ میں نے انکی رہاں سے کہا، ”میں کچھ نہیں پیتا۔“
”کون کھک نہیں، میں برا نہیں بھکتا اور گاہے گاہے تو“ وہ مسکرا کے بولا۔

میں نے شکر یہ ادا کیا۔ ”میں پور ہی عات نہیں پڑی۔“

”اچھا ہے یہ بھی مشکل یہ ہے کہ پھر آدمی شراب ہو جائے اور شراب ہو کے آدمی نہیں رہتا۔“
”جی نہیں پاپا، باقی باتیں اب کھانے کی میز پر۔“ بیٹا نے جھپٹی آوار میں کہا، ”کھانا تیار ہے۔“

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، آتے ہیں سرکار۔“
ڈاکٹر کے قدم یا نہ سکتے پر مجھے تعجب ہوا۔ ایسا کہ جی کے سامنے وہ ہے کس سا ہو گیا ہے۔ یوں ہی وہ د کے سامنے آدمی کو اپنی عمر کا احساس کچھ زیادہ ہی ہوئے لگتا ہے، اور اولاد جوان ہوتو جس پڑا ہو جاتا ہے۔

بیٹا چھلادے کی طرح کمرے سے چلی گئی۔ ڈاکٹر بھی اٹھ گیا۔ ہم دونوں آہستہ آہستہ نشست گاہ سے نکل کے ہال میں اور چھ قدم کی دوری پر واقع کھانے کے کمرے میں آ گئے۔ میز پر چینی کی صاف شفاف شیشیوں کی ہوئی تھیں گلاسوں میں سفید

دو مال اور سے ہوئے تھے۔ کھانے کا یہ اجتماع میں نے کرشنجی کے ہاں دیکھا تھا۔ جوتین اس قسم کی نوک پلک میں بڑی مشق ہے۔ بیٹا کی شرابی میں وردی پوش خانساں نے خوان اس احتیاط سے میز پر رکھے کہ ایک ذرا ہی آوار ہند نہیں ہوئی یہ آوار بھی زندگی میں پیدا کرتے ہیں۔ درمیان میں ڈاکٹر اور اس کے دائیں بائیں میں اور بیٹا بیٹھے گئے۔ کھانوں کی اقسام زیادہ نہیں تھیں ڈاکٹر کی دیکھا دیکھی میں نے بھی سبز یوں کی تھی سے ابتدا کی۔ چھل کی کاساں، مٹر ملاؤ، پیر پاک، مسالامع، چینی کے ساگ ملی سوکھ کی دال اور اردی کے پتوں کے کباب۔ سب کچھ ہلکا پھلکا اور لذیذ، کچھ مختلف سا بھی، مگر جس پرانے نام اور رنگن کم سے کم۔ میں نے ارادہ کیا قریب کی۔

”آج اس سے خرے نہیں کیے، شاید تمہارا خیال رکھتے ہوئے۔“ ڈاکٹر رائے نے تو صلی عروں سے جی کی طرف دیکھا۔ ”دور یہ تو روزی جی

ت سے بھرے۔“
”آپ کو دل چسپی ہے کھانا پکانے سے؟“ میں نے بیٹا سے پوچھا۔

بیٹا کچھ کہتا جاتا جی کہ ڈاکٹر نے لقمہ دیا۔ پکانے سے زیادہ جڑیوں سے۔ حاساں کو بدلتی ہیں ہوتی کرتی اور سر پہ کھڑی رہتی ہے۔

”اور جڑے کیا رہے ہوتے ہیں پاپا؟“ بیٹا نے لقمہ کے پوچھا۔

”نہیں، بہت اچھے، مگر ہمیں بھی تو کر کے جاتے ہیں۔“

”کوہ بابا۔“ وہ کل کلا پڑی۔ طعام گاہ میں کھینچا جاتا تھا۔

”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ کو کھانا پکانے اور کھانے سے بھی رغبت ہوگی۔“ میں نے دبی آوار میں کہا۔

”کیوں، اندازہ کیوں نہیں تھا؟“ بیٹا نے

جنگ کے پوچھا۔

”عمو! جیسا ملازم میں اور زندگی کی آخر سبوتیں میسر ہو، وہاں کھانا پکا۔ وغیرہ اچھی چیزیں کھاتا جاتا ہے بل کہ ضرورت۔“

”اور وہاں طرح طرح کے کھانوں کے بھی دس دادہ ہوتے ہیں۔“ چاٹھنکی سے بولا، ”کھانے کا خلق تو زندگی سے بہت ہے، غافلکاب سے زیادہ۔“

”اور یہ تم دیکھ رہے ہو۔“ ڈاکٹر رائے میرے کے چمکتے ہوئے۔ ”ان لوگوں پر یہ کس دنگار، یہ جگہ، اُسے کوسہ ہے تو کس سر اور عورتیں۔“ یہ بے جاں بھی اسی کی شرارتیں ہیں۔
”یہ مجھے، تصویریں آپ کی حلقہ ہیں، یہ ہمارا کچھ۔“ میں نے لب سے کہا۔

”ہاں۔ بس بے ہی کوشش کرتی رہتی ہوں۔“
بیٹا چھلٹی آوار میں بول، ”آپ کو مصوری، رنگ تراشی سے کوئی نسبت ہے؟“

”درک نہیں خوش ضرور ہے۔“ پ سے تو بہت چھاکام کیا ہے۔ سارا گھر غائب خانہ لگا ہے۔ یہ مجھے اور تصویریں عمل منائی در مصوری نہیں، ان میں آپ کا خیال، آپ کے حساب،

آپ کی فکر کا اضطراب، جھلکتا ہے۔ لگتا ہے، دریاں خد۔ کچھ سنگ رہا ہے، کوئی شری کی ہے۔ کچھ تلاش سی ہے۔ جو کچھ نظر آ رہا ہے، چلن کا توں اور آپ کو قبول نہیں۔ ال سے کچھ نیا، بدلا ہوا اور سا ہونا چاہیے۔ مصور اور مجسمہ ساز قدرت جیسا اختیار چاہتے ہیں۔ تجربے کی مصوری اس خواہش کی ایک مثال ہے۔ تجربے کی مصوری اس خواہش کی ایک مثال ہے۔ تجربے کی مصوری اس خواہش کی ایک

مثال ہے۔ تجربے کی مصوری اس خواہش کی ایک مثال ہے۔ تجربے کی مصوری اس خواہش کی ایک مثال ہے۔ تجربے کی مصوری اس خواہش کی ایک

مثال ہے۔ تجربے کی مصوری اس خواہش کی ایک مثال ہے۔ تجربے کی مصوری اس خواہش کی ایک مثال ہے۔ تجربے کی مصوری اس خواہش کی ایک

مثال ہے۔ تجربے کی مصوری اس خواہش کی ایک مثال ہے۔ تجربے کی مصوری اس خواہش کی ایک مثال ہے۔ تجربے کی مصوری اس خواہش کی ایک

مثال ہے۔ تجربے کی مصوری اس خواہش کی ایک مثال ہے۔ تجربے کی مصوری اس خواہش کی ایک مثال ہے۔ تجربے کی مصوری اس خواہش کی ایک

کبھی کلیں ہاتھیں گر رہا ہوں اور ایک باقاعدہ مصور کے سامنے۔

بیٹا۔ تمہوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ آپ رک کھڑے ہو گئے۔ وہ چھوٹے چھوٹے ہوں، بہت عمدہ تجربہ کر رہے ہیں آپ۔

کہا، اس کی سی بات

آپ تجربہ دی مصوری کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ بیٹا، مجھے تو اس اور اس کا سہارا ہوا۔

جگہ سارگی۔

میں کہہ رہا تھا۔ "شاید اپنی بے باکی، یا تجدد کے احساس سے میری آواز اونٹ نے لگی، میں نے بچے میں فوری تبدیلی کی۔" اور ہوا کچھ بہت بعض مصوروں نے تجربہ کے عنوان سے یاد پڑ آزادی حاصل کریں۔ پھر تو کوئی بھی مصوری کا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ شہ و جسم، مظاہر و مناظر کی سلسلہ اور مستقل تخلیقیں مسخ کر کے کام نہایت آسان ہے۔

تجربہ کی تخلیقات میں بھی ایک توازن و تناسب چاہیے۔ مرم ہے۔ مرم ہے کہ تجربہ کو بھی ایک نظم و ضبط چاہیے۔ تجربہ مصوری کے نسب و رشتہ سے بالکل جدا نہیں ہو سکتی۔ یہی اثر ادا رہتی ہے جب تخلیق کار مصوری کے ذہن و قواعد سے لگی ہو۔ وہ شہ و مناظر کی جیسے تخلیق و تنظیم پر بھی قادر ہو، یہی خوف کسی مصور کو رہ رہتا ہے جو مصوری کی جادو اس کی رومر سے شہ ہو۔ اور اس رسائی بھی ایک شہ ہے، چاہے وہ عمدہ دے چند تک ہو۔ مشکل رسائی اور چہرے، برسات سے عاری ہونا اور چہرے۔ تخلیق رسائی سے عاری ہوں یا رسائی صرف تخلیق کا تک محدود رہتی ہے تو حجت محض ہے۔ ہر تخلیق حتیٰ کہ اے ہے اتنی رسائی کے لیے ہوں ہے۔ کوئی صرف اے ہے شہ میں کہنا دوگوں صرف ہے۔ بے شعور نہیں بنانا، رسائی، مرم ہوں ہے۔ تجربہ ہے۔ میں نہیں ہوں۔ وہ کسی فکر،

کسی حیوان کی طرف اشارہ کرتی ہو۔ تیسروں رنگوں اور رویوں میں غور و خیال، معانی و مدعا ہم میں بھیجے ہوئے "تھوچڑی کرے" محسوس کرنے میں تو ان کا تعاقب ضرور کیا جاتا ہے اور تعاقب میں کچھ ہاتھ نہ آئے تو "میں پھر تھکنے لگا تھا۔ اپنی راس میں لپاے کیا کیا کبتا رہا۔ دونوں باپ بیٹی کی نظریں ٹھٹھے ٹانہ بنائے ہوئے تھیں۔

بیٹا کا چہرہ "تے" حالت رنگوں سے تمسار ہا تھا۔ باپ سے دو شکایت کرتے تھے کہ اس کے میرے بارے میں اسنے کجی سے کیوں بتایا تھا۔

"پھر میں نے اسے دو ٹوکوں کہا ہے۔" انکے رنے بچوں کی سی سرخوٹی سے بولا، "میں تیرا سے ایسے ہر چیز میں مظلوم رکھتا ہوں۔"

بیٹا نے معنوی بار مسمی کا اظہار کیا اور لپکتے بچے میں مجھ سے مخاطب ہوئی، "پاپے کی عریض بات کی ہے۔"

(impressionistic) (مضمون میں حقیقت سے ایسا اعراف میں لیا جاتا، حقیقت کی بنیاد رہتی ہے۔"

"مضمون کی یہ قسم اس لیے مروج بھی بہت ہے کہ حقیقت ہوا رہتی ہے۔ یوں کہے کہ مسمی درسا تعریف کیا جاتا ہے، خود ارادہ اور محسن سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایک معصومہ اعراف ہے، نہ شائبہ، نہ تھیں۔"

"آپ تو خاصا جانتے ہیں۔" بیٹا کی آواز حیرت آمیز سرت اور احترام سے ملوٹی۔

"سب سے پہلے سب سے کسی خوش فہمی میں نہ رہے۔ سچ پوچھیے تو مجھے آپ کے سامنے کسی مضمون پر بات کرے کا حوصلہ نہیں کرنا چاہیے تھا، لیکن کچھ تو سہجہ کیا ہے، اور دشمنی میں گلانات و دلدادہ کیے کا سبب ملتا ہے، پھر اصل میں مسمی میں سہجہ ایک عربی تھی، راج کرکٹ جی ادراہی تھی، چوہاں کے بہت بڑے سہجہ، سہجہ کے دو راہیں ملنے کے، بے مسمی

ان پر قائلانہ حملہ ہوا۔ میں نے ان کی جڑیں پھینکی
میں سمجھ پر ایسے چھوڑ دیا ہوں کہ اپنے گھر سے
مجھے چھوڑنا بھائی سمجھے گئے۔ پولیس سے درخواست
کے باوجود وہ بہت پر جیے لکھے آدمی تھے، عام
فاضل۔ انہیں فرصت کم ملی تھی لیکن جب بھی شتی،
مجھ سے ادب، شاعری، فلسفہ، مصوری، موسیقی
باتیں کیا کرتے۔ ان کے پاس کتابوں کا بڑا ذخیرہ
تھا۔ میری تربیت کرتے، مجھے اپنا علم منتقل کرتے
رہتے تھے۔ دوسری زبان اردو پر مہم ہوا تو میں انہیں
پچاسوا۔ پڑھنا شروع کر دیا۔
"پچاسوا" پچاسوا کی آغوشیں کھلیں اور اس
نے شری کریم کی حرا سے پرہیز رکھ دیا۔
"نہیں پڑھو" میں نے اسی سے کہا۔ "اور
آپ کو بتاؤں، وہ مجھے اتنا پڑھانے لگے تھے کہ
ساری جاہلاد میرے نام کر گئے۔ میرے سوال کا
کوئی تھی نہیں یا ایسا ہے کہ میرے سوا وہ کسی کو پڑھا
نہیں سمجھتے تھے۔ میں نے مصوری کے بارے میں جو
کچھ لکھا تھا وہ لکھا ہے، وہ میرا لکھا اور چاہا ہوا کم،
منا ہوا یاد ہے، یہ تو آمد تھا۔"
"آئی اپنا لکھا اور سیکھا ہوا اسی دہرا ہے اور
دل چاہی نہ ہو تو کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔ کیوں پڑھا؟"
جیسے باپ سے سماعت چاہی۔ ڈاکٹر رائے نے
سر ہلکا کر دیا۔
"لکھا کتب کا شہر ہو چکا تھا۔ خسانا سے
خواں ہوتا ہے تھے۔ ڈاکٹر رائے کے اٹھنے پر میں بھی
اٹھ گیا، راجا بھی ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ڈاکٹر
خوشامدانہ سے کہے میں جانا سے کہا کہ اسے مجھ سے
کچھ بات کرنی ہے، جیسا اس دوران کالی کا اہتمام
کر رہے تو کیا خوب ہو۔
"کوئی۔ اتنی قسم کی بات؟" میں نے شکایتی
میں پوچھا۔
"میں سمجھتا ہوں، اتنی نہیں"
"تو میں شری کریم سے کہوں؟"

ڈاؤن کمرے نے انگلیاں پکڑ کر کہا: "الاکار کر رہا ہے۔
 وہ نیکی کی چٹان پر کسی شخص کا جھگڑا نہیں معلوم ہوتا
 تھا۔" لیجئے گا کہ وہ مری واپس میں چار کے ذوق کی
 شہ کوئی چیز ہو۔
 وہ سچ کہتا ہے، مستعد اور شاندار مہمان کے
 ساتھ بیٹھنا اور بہت سی باتیں کرنا پڑتی ہو۔
 جتانے سے کہتا ہے۔
 "میں" میں تو کچھ بھی نہیں "میں نے ہلکا
 کے کہا۔
 "آپ لوگ بیٹھے، میں کافی کا انتظام کرتی
 ہوں۔" بیٹھنا جیسے چھوٹی سی شہین، تیز قدموں
 سے اور ایک طرف چلی گئی۔
 دوبارہ رشتہ گاہ میں ہانپنے کے بعد ڈاکٹر
 نے ہل کے ایک گوشے میں رکے صوفوں میں
 بیٹھ کر ایک پیو پیو۔ بیٹھنا ہل پریدہ روشن کر گئی تھی۔
 تم کی کافی ہمارے ہو، ایک یا سا اور دو کے
 ساتھ یا کریم۔
 "میں شربت کسم پیتا ہوں۔ میں نے
 شربت سے کہہ۔ ایسے کافی کا لطف ہی اس کی کچی
 میں ہے۔
 "اور کسم سب سے زیادہ دلچسپ نہیں پیتے۔"
 جی ہاں۔
 "برا سمجھئے؟"
 "کچھ اچھی چیز بھی نہیں ہے۔ میں نے آپ
 سے کہا تھا، بس عادت ہی نہیں پڑی۔"
 "کیا اس کے لوگ نہیں پیتے؟"
 "پیتے ہیں۔ شراب، الفن، گانجا اور بھنگ
 لیکن عام آدمی کی طرح، عادی خرابیوں اور
 خرابیوں کی طرح نہیں، اور کسی خاص چیز پر۔"
 "پتا تو آجماؤ درمیان" کئی اور اپنے باب
 ساتھ میرے مقابل سونے پر بیٹھ گئے وہ پہلے
 پھر وہ شربت مگ رہی تھی۔ کہا کہ تم

2

”کچھ خاص نہیں“ ڈاکٹر رائے اپنی جوتی
 ”میں نے تمہیں اڑے پاڑوں کے
 متعلق بتایا تھا، اسی کے بارے میں کچھ مزید
 معلومات

”اڑے کے لوگوں کے سینگ نہیں ہوتے، نہ
 چار سینگیں، چار کان“ میں نے کہا
 ”ہاں۔“ ڈاکٹر کے بچے میں تشری
 آگئی۔ ”مگر وہ اڑے کے لوگ ہوتے ہیں، عام
 لوگوں سے مختلف“

”عام لوگوں میں بھی بہت مختلف لوگ ہوتے
 ہیں۔“
 ”ٹھیک ہے۔“ ڈاکٹر رائے معاذ کنا بچے میں
 بورا۔

”معلوم ہے، تمہارے پاس ہر بات کا جواب
 ہے۔“
 ”اور بے جواز نہیں۔“

”ہاں ہاں صاحب۔“ اس نے الٹے
 ہوئے قدم پر کیا اور کچھ توقف کے بعد ہلکے
 بورا، ”ایک بات دیکھنے میں آگئی ہے۔ تمہارا کنا ہے
 کہ ڈاک خانے والی میں کیا نام قمار سے
 ولے آدی کا؟“

میں نے بتایا، ”دھنوا۔“
 ”ہاں دھنوا، دھنوا۔ تمہارے ہاتھوں دھنوا کو
 زچ ہوتا دیکھ کے اس کا دوسرا سا بھی تمہاری طرف
 چاٹتا ہے بڑا تھا، اور تم اس کے نشانے سے بچنے
 میں کامیاب ہو گئے تھے، لیکن چاٹو ردار خود کو کاٹو
 میں نہ رکھ سکا۔ اس کا چاٹو اپنے ہی ساتھی کی پٹلی
 میں جا کھنچا۔“

”جی ہاں، کچھ ایسا ہی۔“ میں نے تعجب سے
 کہا، ”سب کو خوب یاد ہے، جزئیات کے ساتھ۔“
 ڈاکٹر نے میری مداحی پر توجہ نہیں دی اور تیزی
 سے بورا، ”مگر وہ دی جس کے چاٹو سے دھنوا بھی
 ہو گیا تھا، اس حقیقت سے واقف تھا کہ غلطی اسی کی

تھی، پھر اس کے اور دھنوا کے لیے حاس پر کھینچے و
 تیار اس کے دو اور ساتھیوں کے قہر و عصب کا کپ
 سب تھا۔ ایسا جان کر وہ چھپیں ختم کر کے یہ
 اسپتال تک آگئے اور تم ہاتھ نہ آئے تو آپس سے
 اکبر علی خاں کو ہلاک کر دی؟“

”اس سے اپنے دو ساتھیوں کو اصل حقیقت
 نہیں بتائی۔“ میں نے بال سے کہا۔
 ”لیکن راد گیر گلی کے بہت سے بلیں بھی تو
 اس منظر کے گواہ تھے۔“

میری کچھ میں ڈاکٹر کی الجھن ڈرا دیر سے آئی۔
 وہ ایک دانہ دینا نہات غلطی بات کر رہا تھا۔ مجھے وہ
 سارا واقفہ احتیاط سے دہراتا پڑا۔ میں نے کہا،
 ”اس قسم کی صورت حال میں پلک بچھکنے کی مدت میں
 منکر بدل جاتا ہے، کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ بے
 شک راد پیر گواہ ہیں، لیکن وہ ایک حیرت کن منظر تھا۔
 دھوا کا سا بھی چنگوں کی طرح اپنی جگہ سے لڑھکا
 اور واضح رہے، فاصلہ میلوں کا نہیں، چند قدم کی
 دوری کا تھا۔ میرے پاس اس وقت یہی ایک راستہ
 تھا کہ اپنے قہر سے میں نے دھوا کو ڈھس ڈھانے
 رکھوں کہ یہ صورت دیکھ کے چاٹو بردار کو شاید کچھ
 ہوش آجائے، وہ خود کو قہام سکے، لیکن وہ نوسٹا تھا
 اور اوپر دھنوا کو چھوڑ کے الگ ہو جائے کی مہلت
 میرے پاس نہیں تھی۔ ایک لمحہ، دوسرا لمحہ لکھوں کا
 معاملہ ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب۔“

”میں کچھ اور کہہ رہا ہوں۔“ ڈاکٹر تندی سے
 بورا۔ ”جب دھنوا کا سا بھی اس حقیقت سے
 میں نے اس کی بات کاٹ دی، وہی بتاوا
 ہوں آپ کو۔ دھنوا کی پٹلی میں چاٹو کی رعایت تھی
 اس سبب سے ممکن ہوئی تھی کہ میں کسی حد تک سے
 نشانے سے بچاؤ میں کامیاب رہا تھا۔ وہ دھنوا
 تو اس کا بیٹ جبر دینا، یا میرے خود ڈاکٹر
 نے خود کو یقین دلایا، اس سے پہلے جانا کہ میں دھنوا
 کو چھوڑ دیتا تو دھنوا اس کے نشانے پر۔“

سے دھو کر پھر بنائے بیچا کھا رہی تھی اس
 جو بھوک تھیں کرنی چاہی تھی کوئی سے پر
 جانا رہا چاہیے تھا میں نے اس سے جھوٹا
 کر دیا۔ اور اس سے اپنے دوستوں کو بھی
 کچھ پور کر دیا۔ وہاں کی ہوائی کانٹا وغیرہ
 سے بہت ہوتا چاہیے تھا۔ کئی کے بوکھلائے ہوئے
 لاشوں میں کچھ دور تھے۔ پھر قریب۔ پتھریں کھا
 لیں۔ کس نے دیکھا۔ کتنا دیکھا۔ اور یہ جانا کیا
 تھا۔ وہ ایک نے دوسرے کو کیا تھیں۔ بھوک میں
 ایک اپنی شہادت لپاتا ہے۔ یہ بات دہری
 رکھے، میں ان کے لیے اسکی اور اُسے کے
 دیوں سے ان کا درد کا سدھ تھا۔ لیکن میں کچھ
 میں موقع پر میری حاسد دیکھنے، میری مجبوری تھیں
 ۔ کچھ بڑوں کا قصور رکھنے دے لوگ بھی ضرور
 ہوں گے۔ کسی سے کوئی عیب کی جاتی تھی کچھ
 سے آتا۔ کئی سے میرے لگنے میں ہاں کار کئی۔
 کے کچھ دلی شامل ہو گئے اور ہر کوئی اس سے
 شہرے کر کے لگا۔ جدھر میرا ناگ بڑھ رہا تھا۔
 ہوں نے پوچس کو بھی ساتھ کر لیا۔ میرا تو، میری
 عیب میں تھا۔ یہی ایک ریل کالی ہے، لیکن دیکھیں
 کی کو بہت ہی کیا آئی۔ میدانے شہر وائے
 کی نوعیت تھی کہ کوشش کی گئی۔ اسے چاقو بردار کی
 پتلی کا بھی علم ہوگا۔ جیسا کہ میں نے آپ سے
 پہلے کہ تھا۔ ایک انجی کے بجائے اڑے کے کبیرہ
 ہر آدمیوں کو مطمئن رکھن میدانے کے لیے ضروری
 تھا۔ سے اس وقت کوئی اندازہ نہیں ہوگا کہ بات
 کی دور چا سکتی ہے۔ یہی کچھ تو وہ آپ کی موجودگی
 میں ہوتا تھا۔

اگرچہ رہا جیسا کہ ہے قرار ہوا ہاں سکت
 ہو گیا تھا۔ میں اور خاندان نے کافی دیر
 پر کھائی تھی۔ چند لمبے گزر گئے تو چپاے ہوئی
 آوار میں خاموشی حا۔ کی۔ اب تو کون کھٹک
 نہیں رہا پاپا آپ نہیں کافی خاں آپ لوگ

بڑی عجب قسم کی۔ تم کو دے تھے۔ میں۔ منتر
 کرنا سب کچھ سمجھا۔

ا سترنے کی مدار میں جی سے معدرت کی
 میں کالی کو سننے سے بچا کہنے لگی، پاپا
 کی رہائی میں یہ خوف ناک واقعوں بہت سی تھیں
 ہوں، لیکن اب تو فکر رہا تھا جیسے میں وہاں موجود
 ہوں چاہے ہوئے ہیں۔ لوگوں کی بھیڑ ہے اور
 میں میں بھی ایک گواہ ہوں۔

آپ تو ویسے بھی ایک خیال کار ہیں، جیسے
 تصور پھر نہیں۔ مصور تو تصور کی فراوانی ہی سے بہرہ
 ہے۔

لیکن تصور کی کثرت بھی بہت تک کرتی
 ہے۔ وہی ستوں میں بٹک جاتا ہے۔ ایک سو نہیں
 رہتا اور ہمیں مطمئن نہیں ہوتا۔ وہ خواب ناک
 لکھ بھی پڑتی۔

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ قرار تو استقرار میں ہے۔
 رنگ کی تو یوں منظر میں سر کرنے ہی میں گزار جاتی
 ہے۔

کافی ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ اس نے خاندان کو
 اڑے کے دوسری گھر کالی لانے کی ہدایت کی
 اور تجسس آوار میں گویا ہوں۔ پاپا میرے تھے،
 آپ کو چاقو بازی چاہیے۔

یہ کوئی سی وضاحت نہیں جس کا ذکر کرتا تھا
 پاپا کی آواز میں کیا جانے۔

بر تو نہیں مانا۔ آپ سے۔ وہ گھبرا ائے
 ہوں۔ اس کی گھبراہٹ میں بھی کی دل شہی تھی۔ اس
 نے جلدی سے وضاحت کی، اس میں آپ کو دلچ
 کے بہت سے سوال و جواب میں لکھتا ہے میں

مجھے اندازہ ہے، لیکن یقین نہیں، کون۔ وہ
 کوئی سر نہیں میں ہے۔

پھر بھی کچھ تو ہے، کچھ بتائیے نا۔

اگر سب سے کامنڈا اتنا گوار خاطر محسوس نہیں
 ہو رہا تو مجھے یہ چاہیے کہ سب کو نظر کی جائے مانی کی

راکھ میں پتھر یاں بھی چھپیں ہوتی ہیں۔
 وہ لوگ رہا ہے۔ وہ مسکرائے ہوں۔

کیا لوگ رہا ہے۔

چنگاریاں، حنائیں، داستانیں، بہت کچھ۔
 آپ کو مصور کے ساتھ فکر کاری بھی کرنی
 چاہیے۔

مخمس خیال ہے میرا، عطا بھی ہو سکتا ہے۔

اور میں کہنا چاہتا ہوں، عطا سے حال کا کس
 تعلق ہے صرف حال ہی پیش نظر ہونا چاہیے۔
 آدمی کا حال ماضی سے بہت مختلف ہو سکتا ہے و پھر
 آئے والے وقت میں بھی کیا کچھ بدل سکتا ہے۔
 آدمی تو بدلتا رہتا ہے، اور جو سب سے ہے وہی منتر
 ہے۔

وہ کئی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ آپ کو
 انگریزی میں اپنا مدعا بیان کرنے کی جس قدرت
 ہے۔

انگریزی تو آپ بولی میں، رواں، سبک،
 شستہ، صحیح، طاغوی طرز کلام، کچھ گوروں کی
 طرح، ملی کر اس کی ان رائیں طرح۔

وہ بے کئی، مال میں چھپا کا سا ہوا، میں
 انگشتاں میں بہت سی رہی ہوں۔

وہی و اس میں تو ہندوستانی لکھ میں
 انگریزی پڑھتا ہوں۔ کبھی تو حور مجھے اپنا لہجہ بہت
 چھتے تھے۔

”نہیں ایسا کچھ نہیں۔ اس سے میری کسر نفی
 ایک سرسبز دروہی۔

ان چار پانچ دنوں میں، جس سے اچھا
 آتا ہوا ہے، جس نے انگریزی سے واسطہ پڑنا رہا
 ہے، اس کا کڑا کڑا، کبھی انگریزی کے عادی ہیں۔
 حالانکہ اسپتال میں بوسنی صمد سے زیادہ عرض
 ہندوستانی ہوں گے۔ وہ جو کہتے ہیں، کٹ پٹ
 کرتے کرتے جڑے۔ کتنے گئے ہیں، کچھ بھی حال
 ہو چکا ہے میرا۔

”مشت“؟ ٹرے سے بہت بڑھ چھینے
 کچھ میں مہارت کی ”م خاص کمروں میں۔“
 کرے ہو یہ گٹ ہٹا تو ہی مردوں سے مخصوص
 ہے۔

حالاں سے تارہ کانی لکے رکھی تھی دینا
 سے غفلت کی، اس عربہ کالی کو ٹھنڈا ہو چاہے گادر
 سونٹ میں ادا مجھ سے مقدار پچھ کے اس سے
 شکر قبول کی۔ پسے ہے پاپ کے سانسے، وہاں
 دھکی پھر میرے گے شکر سے یہ کالی کی کئی
 حاسی کہ کردی تھی۔ کالی کا کھونٹ بھر کے چٹاے
 لگا دیں ہونا سے وہاں میں کپ اور چٹک کے
 ہوں، پاپ سے معوم کیجیے، ہم جو لوگ میری بیسی کم
 دروری ہیں۔

”پھر آپ اپنی ٹھیک کر لیجیے، میں ہم جو قطعاً
 نہیں۔ نہیں تو مجھ پر درد ہون رہتی ہیں اور جبرا
 مجھے ن سے ہر آتما ہونا پڑتا ہے۔ کبھی خود میری
 زندگی کا معاملہ ہوتا ہے، لیکن کسی دوسرے کی۔ میں
 ایک بات صاف کروں، اڈے پاڑوں سے میرا
 تعلق بالواسطہ رہا ہے۔ میں اڈے پاڑوں کا آدمی
 نہیں ہوں۔“

”کچھ میں ہم۔“ دینا کے بجائے ذکر سے
 سرزنش کے انداز میں ہوں۔ اس کے کچھ میں پڑ پنا
 پنا تھا۔ وہ جی سے ہے نا۔ تم تھکا رہو تو چھا
 ہے۔ حدیث سے، تمہارے سوا اس کے جوہر میں
 اس سے کچھ ہونا شروع کر دیا تو ہم سے بداشت
 نہیں ہو پائے گا۔ یہ کچھ سے مجھے مسلسل چر رہا
 ہے۔ راج سے نہیں سے کہ تھا کہ راج کی وقت
 میدانے اپنا اپنا پاپا ہے شام کو، موجود تھا۔
 یہ میرے لیے ایک نیا آدمی ہے، ایک تجربہ، بل کہ
 ایک مہما پھر اس سے میدانے اپنا شہر کے سب
 سے جڑے چھوٹے سے جس مدار کا سلوک کیا وہ
 دینی تھا۔

”کڑ صاحب، میں سے لچا کی، اتنا

مست کیے میرے جگہ تب ہوئے، میری طرح کسی
 سہری صورت حال میں شامل، اور میری طرح آپ
 پر گرا رہی ہوں و آپ بھی یہی کرتے کی جیسے پر
 پہنچتے۔

شاید ہیں۔ جزوی طور پر تم درست کہتے
 ہو۔ "ڈاکٹر نے فرخ دی سے اعتراف کیا، میں
 تمہاری جگہ ہونا تو اتنی استقامت نہ رکھتا ہوں۔"
 "میری استقامت کی ایک وجہ آپ بھی تھے۔"
 آپ سے میری بات محل سے کی اور میری پاس پائی
 کی۔

تم اپنے بزرگ کو عزت و تکریم سے نوازا رہے
 ہو۔ یہ بھی بات ہے۔ لیکن میں نے تو بہت بعد میں
 یہ سارا کچھ جانتا تھا۔ اس سے پہلے تو تم بہت کچھ خود
 ہی جھٹکتے رہے تھے۔ ڈاکٹر خاں والی قلم کا واقعہ،
 اکبر علی خاں کے گھر میں تمہارا واقعہ اور میدان کے
 اڈے پر جانے کا حوصلہ ان سارے مراحل
 سے تم گزر چکے تھے۔ میں تم سے پہلے بھی بہت چکا
 ہوں میں نے توجہ کی امانت کی ہے۔ چوں کہ تم
 بچے ہو تے رہے تھے، لیکن "اس کی دانا بھاری
 ہوئی۔" تم نے ایک بچہ نہیں بولا۔

"وہ کیا؟" میں نے حیرانی سے کہا۔
 "۔۔۔ گھر بیٹھ تمہارا اصل بھائی نہیں ہے۔"
 مجھے جھٹکا سا لگا۔ کئی باروں میں آپ تھا کہ میں
 ڈاکٹر پر یہ حقیقت آشکار کر دوں لیکن کچھ توجہ میں
 اس بچہ کی کامیابی نہیں پائی، پھر کوئی دور پرے
 کی احتیاط مانع رہی کہ ڈاکٹر کے ذہن میں پھر کیسے
 کیسے سواں ٹھنے لگیں، پھر مجھے اس وضاحت کی
 اس ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ پشیمانی کے
 چند لمحوں بعد میں نے اس سے یہی کہا تھا کہ بھائی
 کی میرے تو کھل سے بہت سے رہتے ہیں۔ وہ
 میرا آپ ہے، دوست بزرگ، مرنے والی شخص ہے
 وہ تو میرا آقا ہے میرا سہرا، میرا ستون ہے۔ ڈاکٹر
 ن آئی کے لیے میں سے بھائی کی نسبت معین

کردی تھی کی ضروری ہے کہ بھائی ہی کا رشتہ مستحکم
 ہو بھائی تو صرف بھائی ہونا ہے کیا ڈاکٹر سے
 کھل کے لیے میری نگہداشت، میری توثیق
 میرے اضطراب میں کوئی کوتاہی دیکھی ہے۔

میرے ذہن کو لے سے پہلے ڈاکٹر نے مجھے
 روک دیا۔ "جاسا ہوں، تم کی کیا کہی کے واپسی میں
 بے اصل رشتوں میں بھی ایسی قربت نہیں دیکھی۔"
 ڈاکٹر کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ ایک طارم سے
 آگے کی اسٹریکٹری آمد کی اطلاع دی۔
 "سکینا؟ ابھی تو وہ یہاں سے گیا ہے۔"
 ڈاکٹر نے الجھ کے بولا۔ "اب کیا بات ہے؟"
 میرا، قاتل نکلا۔ اسپتال کا دورہ آنا اور اس وقت
 آنا بے طقت نہیں ہو سکتا تھا۔

میرے باپ کو مشورہ دیا کہ گھر میں مہمان
 موجود ہے، اسپتال کو رخ کر دینا چاہئے۔
 ڈاکٹر نے اس کی بات ٹھکائی۔ "مہر مہتر
 کھڑا تھا۔ ڈاکٹر نے اسپتال کو سرورار میں بٹھا۔
 اور کافی چش کر کے تاکید۔

میرے لیے اب رخصت کی اجازت لے لین
 ہی مناسب تھا لیکن چنانے کچھ دیر اور ٹھہر جانے کی
 محنت کی، اور ڈاکٹر کا بھی یہی حکم تھا۔

جد آئے کا کہہ کے ڈاکٹر ہمارے پاس سے چلا
 گیا۔ میں اور چنا تمہارے گئے۔ کو میرا دماغ اسپتال کی
 نادقت آمد کی ادھیر بن میں لگا ہوا تھا، لیکن سامنے
 چنا تھی۔ وہ بھار، خوش مقام، خوش خیال چنا۔ میں
 نے چنا دھپن ٹٹانے اور میزوں کی خوش بوی کے
 لیے اس کی تصویریں اور مجھے دیکھنے کی فرمائش کی۔
 میرے اشتیاق پر اس سے خوش کا اظہار کیا اور وہ
 میں سے وقت گھر آنے کی دعوت دی کہ اس کی
 تحقیقات کی نگاہ کی کے لیے دس کا وقت ہی موروں
 ہوتا

"مجھے احساس ہو رہا ہے، میں آپ دونوں کے
 معمولات میں حارج ہو رہا ہوں۔"

"بگل نہیں۔" اس نے خوش وقتی سے تردید
 کی۔ "پیدا تو رات گئے تک مطالعہ کرتے رہتے
 ہیں۔ پاپان ڈاکٹر میں میں ہیں جو ایک بار ڈگری
 لے کے کچھ بیٹے ہیں کہ میں سب کچھ جان یاہ
 میدان مار لیا۔ پچاھب کی جدید کتابوں، دواؤں
 اور امراض کی تازہ ترین تحقیقات سے تحقیق کتب
 دوسال کا مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ جتنے پرانے ڈاکٹر
 ہیں اتنے ہی نئے بھی۔"

"لوگوں کا ان پر بڑا عقیدہ ہے کہتے ہیں، کسی
 کسی کے ہاتھ میں شفا ہوتی ہے۔ یہاں اسپتال
 میں ڈاکٹر صاحب کی یہ کرامت بہت مشہور ہے۔"
 "شفا ڈاکٹر کے علم، اس کی سنجیدگی، صبح
 تشخیص، عریض سے ایم درد کی، غرض اپنے کام میں
 دیانت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پاپا کے لیے ہر مریض
 ایک سال اہمیت رکھتا ہے، اور وہ اس پر پوری توجہ
 دیتے ہیں۔ کسی وجہ سے مریض پر وہ دوسرے ڈاکٹروں
 سے مشورہ کرنے میں ڈاکٹر کھٹکتے ہیں کرتے۔"

"مجھے اس کا تجربہ ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ایک
 بے مثال ڈاکٹر ہیں اور آدمی بھی بہت ذرا۔"
 میرے اعتراف کی صداقت اس سے محسوس کی
 کہ اس کی آنکھوں میں شرارے نمودار ہوئے۔

"اور آپ۔ آپ کیا کرتی ہیں ان اوقات
 میں؟" میں نے تمام تر شائستگی سے پوچھا۔
 "کوئی ایک کام نہیں۔" وہ خواہ مخواہ کی آواز
 میں بولی۔ "بچی اور جو تصویر کھینچ کر لیتی ہوں، کبھی
 گراسون فون سنٹی رایتی ہوں، کبھی ریڈیو، کبھی ستار
 بجائے لیتی ہوں، زیادہ تر کتابیں پڑھتی ہوں۔
 کتاب بھی کھڑکی کی طرح ہوتی ہے، مجھ کو تو کچھ۔"
 "لیکن بعض کھڑکیوں کے آگے دیوار بھی
 پڑ جاتی ہے۔"

میری بات کھل نہیں ہوئی تھی کہ وہ کھل کھلا
 چلی۔ "بعض کتابیں بھی ایسی کھڑکیوں کے ہاتھ

ہوتی ہیں، یہی بھا پھرتے ہیں آپ۔"
 اس سے میری بات سے غلط لیا۔ میرا مقصد
 بھی یہی تھا۔

"اور ایک مصروفیت تو میں بتانا ہی بھول گئی۔"
 اپنے محاط طبع سے اس کے کھل کھف ب کھٹوٹ
 رہا تھا۔ کہنے لگی، "کبھی کسی چیز میں بھی نہیں لگتا تو پاپا
 کے کمرے میں مل جاتی جاتی ہوں۔ انہیں دیکھتی رہتی
 ہوں۔ اس سے مدد کیسے کی کوشش کرتی ہوں۔ وہ
 بھی کتاب چور کے مجھ سے باتیں کرنے لگتے
 ہیں۔ طب کی کتابوں کے علاوہ پاپا کو ادب کا بھی
 اچھا روق ہے۔ پاپا کے مشہور ناول، کہانیاں پڑھنے
 کے لیے جاتا ہے۔ یہ وقت لگا لگا جتے ہیں۔"
 "پاپا سے پڑا ہے بہت محنت کرتے ہیں۔"
 "وہ میرے دیوتا ہیں، میرے باپ اور اس
 بھی۔"

"اور آپ کی والدہ؟"
 "وہ اب نہیں ہیں ہمارے درمیان۔" وہ
 اب کی ہو گئی۔ میں نے نسوس کا اظہار کیا تو وہ
 "تعلیم مکمل ہو گئی تھی، لیکن آرٹ پر کچھ در پڑنے کا
 ارادہ تھا۔ پاپا کی تنہائی کا سونے کے سب کچھ چھوڑ
 چھاؤں کے یہاں چلی گئی۔"

"اب آپ کیا ہاں دل لگتا ہے؟"
 "یہ میرا دل ہے۔ یہاں میرے پاپا رہتے
 ہیں۔"

میں نے پاپا کے وہ میرے بارے میں سوچا
 کر کے لکھی، میں نے انگلستان کی زندگی کا اگر پچھڑ
 دیا۔ میں نے دیکھا تھا، نوگ کتے ہی گوروں سے
 ناراض، اب کے بچے ہوں، انگلستان کے نظم و ضبط
 کی مدد و شفا کرتے نہیں تھکتے۔ پھر تو جیسے چنا کو
 موضوعات مل گئیں۔ ایک دربار و اس کا ہر گیا۔ وہ پڑ پڑ
 باتیں کرنے لگی۔ میرے کان ڈاکٹر کی دھجی کی
 آہٹ کے خشک تھے۔ میں نے وٹس کی کہ چنا کو
 میری بہ چینی کا احساس نہ ہو پائے۔ یوں اس کی

فرمت نہ کچھ نہ تھا نہ کسی تھی۔ کاش پکڑی
آمد سے بد خاندانہ روت نہ ہوں۔ بھس ہوگئی رنگ
رنگ نظر کی طرح ہوتے ہیں وہ کھٹاں میں
ایک عرصہ گزارنے کے بعد کئی اور گوروں کی علوم و فنون
سے دس چھٹی کام کی گئی، وقت کی پابندی حاست
درستی سے بہت متاثر تھی، لیکن کبھی نہ تھی، یہاں
پے دھن کی سے طو کی، بے سلیقگی میں بھی ایک
رنگ ہے میں سے اس سے بحث نہیں کی کہ اس
سے یہاں کیا دیکھ ہوگا۔ یہاں تو بہت دھیر سے
ہیں۔ کہنے یہاں کی غربت اور اس کے عذاب
کہاں دیکھتے ہیں، اور جہاں تو سب سے بڑی
غربت ہے۔ ہندوستان تو اپنی جہالت کا خیارہ
بھگت رہے۔ میں سے کچھ نہیں کہا۔ میں تو ستر رہا
اور میری خوش سہمی سے وہ ہمیز ہوئی رہی۔
”آپ آئیں گے بالآخر اس سے حسرتی
ہے میں نہ۔“

جب تک یہاں ہوں، آتا رہوں گا۔ آپ
بلائیں گی اور ڈاکٹر صاحب کا حکم ہوگا تو کیوں نہ
آؤں گا۔“

”آپ سے مل کے عجیب سا حس ہوا۔ بہت
دنوں بعد کوئی۔“
ڈاکٹر کی آمد پر جیسے کسی خوب سے کچھ کھل گئی۔
ڈاکٹر کا چہرہ دیکھ کے اندازہ ہو گیا کہ اسکی
سکسپ نے اس سے کچھ خوش گوار باتیں نہیں کی
ہیں۔ ڈاکٹر کو کچھ دیر بھی خاصی ہوگئی تھی۔ میں نے
سے سرس بیٹے کا وقت دیا، پھر پوچھا۔ ”حیرت تو
ہے؟“

”ہاں، ۲۰۔“ اس کے تصور کسی حد تک
منزرا۔ تھے، معاذ بہ نہیں۔ ”یہ تھا کرسی کا کیا
لحد ہے؟“ اس نے ناگوار کی سے پوچھا۔
میں نے نو کوئی جواب نہیں دیا
میری خاموشی پر وہ ڈیٹ کے پڑا، چپ
رہا؟

”سوچ رہا ہوں، کیا بتاؤں آپ کو اس کا
مطلب ہے، فیض آباد پولیس سے اس کا رابطہ ہو چکا
ہے۔“
”سکسپ کیسے بتا ہے آیا تھا۔“

”در اس سے حواہ کو او آپ کو تک کیا۔ اس
کے پاس کہنے کے لیے بھی کچھ ہوگا کہ فیض آباد
پولیس کی کرسی میں ہوئے والے قتل وجوں کا کوئی
سرچ میں لگا سکی۔“

”یہ بھی کچھ کہا اس نے۔“
”تو آپ اتنے فکر مند کیوں ہو رہے ہیں۔
اڈے پاڑوں سے متعلق لوگوں پر سنگس الزامات
عام ہوتے رہتے ہیں۔ کیا میں اور بھائی تھا کرسی
کے حادثے میں فیض آباد پولیس کو مطلوب ہوئے
ہیں؟“

”اس سے یہ کچھ نہیں کہا۔“
”تو پھر کیا مسئلہ ہے؟ میں آپ کو بتاتا ہوں
اگر آپ سنا پتے ہیں۔“
”میں جس جا چاہتا ہوں۔“

میں سے اسے بتایا کہ فیض آباد میں قیام کے
دوران ایک روز بارش میں اڈے سے راست
پر دہائی آدمی پر تیرا دیں ہوئی، ملے کے کچھ سے رہا
نہیں گیا، مجھے قتل۔ بتا پڑا۔ یہی ایک واقعہ کہ پر
پولیس کے شک کی پیدا ہوا۔

فیض آباد کے قریب واقع تھا کرسی میں ایک
خاندان جاگیر دار تھا کہ بریدی کی علاقے بھر میں
رہت، اس کے بھائی بیٹے تھا کرمل دیو، فیض
آباد میں مقیم، ایک نو جوان، حسین و جمیل، حلیم و د
ور آسودہ حالی لڑکی پر تھا فریضی اور شادی کے
یہ پیام برکھا کے باپ کے انکار پر خد کرمل دیو
کا عتاب، برکھا کا اخوا اور اڈے کے آدمی کے
اڈے آج سے پرنا کا مٹی، انتقام اڈے کے دو
آدمیوں کا قتل، دوسری کوشش میں برکھا کے گھر پر
حملہ دو ملازموں کی ہلاکت اور برکھا کا ۱۹۸۱ اور

دوسرے سترے روز گھر کے قریب رہتے ورنگ
رانی کی صورت میں برکھا کی باریابی، صدر سے
باب کے حواس معطل، چند دنوں بعد ایک رات
تھا کرسی کی باریابی، بھائی گوروں کی ساری سوتلی، حیت
کھیاں نذر آتش، خنجر، خاندان کے دیگر افراد،
ملازمین اور مصدقین پر مشتمل بیالیس آدمیوں کی
موت، اڈے کے دو آدمیوں کی ہلاکت سے ہم پر
پولیس کے شک کی پختگی، حادثے کی تحقیق کے لیے
پولیس کے بڑے بڑے افسروں کی تعیناتی، کوئی
میں میری، قتل اور اڈے کے سارے آدمیوں کی
طفا، سوال جواب اور کوئی ثبوت نہ ملنے پر کوئی
سے ہماری۔ نسبت ایسی کا سارا واقعہ ڈاکٹر کی
شرح صدر کے لیے مجھے سنا پڑا۔

”دو دنوں باپ غمی تن سے ہو گئے۔ جنا کے
چہرے کی چہارہ روز پڑی گئی۔ ڈاکٹر بھی گنگ مینھا
رہا۔ ان کے عالم حیرت کی ایک وجہ کچھ پر اپ کا
اعتقاد تھا۔ میں کسی غلط بیان کا مرتکب ہوں گا نہ کسی
مہالے کا۔“

میں سے اڈے کو بتایا، پولیس کے اطمینان کی
خاطر ہم سے فیض آباد میں قیام کی مدت بڑھادی۔
سترہ اٹھارہ روز بعد ہم نے از خود کو کوئی حاضری
دے کے پولیس افسروں کو تیس باؤ سے اپنا ردا کی
سے مطلع کیا۔ اسوں نے ہمیں نہیں روکا، تاہم ہم
نے اپنا چہرہ سب سے انہیں چھپ دیا کہ اس خوف
ریزی میں ہمارے قتل و قتل کا کوئی اشارہ انہیں ملے
تو ہم کتنا اس سے دور نہیں ہوں گے۔ پولیس، فیض
آباد میں ہمارے گھر، یا گھٹنے کے اڈے سے طلی کا
پیغام بھیج دے۔ ہم جہاں تک ہوں گے، فیض آباد
کا جا میں گئے

”مگر خد کروں کی ہستی میں کس سے سہم
کالی؟“ ڈاکٹر کی آواز حزر کر رہی تھی
”کچھ نہیں کہاں سک۔ خد کروں سے گرد ہواں
میں جانے کب سے بہت تہائی چلی ہوئی تھی کسی

ن فرات تیرو جھوٹا نہیں تھی۔ ظاہر ہے، اسوں سے
ہم سے ان کی پیر کر لیے ہوں گے۔“
”مہم یہ سمجھئے ہو۔“

”میں نے اس پر بہت غور کیا تھا، ہر پہلو سے
اور میں نے کو بتایا، مجھے قتل بھائی پر بھی شبہ ہوا
تھا شبہ، وجہ اپنی مٹی جو پولیس کی تھی۔ ایک ور
وہ بھی سمجھ میں آئی۔ تھا کرمل دیو کو فیض آباد میں
ہماری موجودگی اور شہر کے اڈے کی پشت پناہی کا حکم
یقیناً ہوگا۔ اڈے سے بعض نہیں کو ہمارے گھر
آپ کی حیرت نہ ہوئی ہے۔ یہ خدشہ رو نہیں کیا
جائے تھا کہ کسی دیر کر مل دیو نے زور و اثر کے
فائدے میں ہمارے گھر کو نشانہ بنادے، لیکن پولیس
کی طرح میرے پاس بھی کوئی گواہی نہیں تھی۔ جس
رات یہ واقعہ ہوا، ہم سب فیض آباد میں تھے۔ میں
مسلسل قتل بھائی کے ساتھ تھا۔ پولیس کو شہر میں
ہماری موجودگی کی ساری شہادتیں مل گئیں۔

”بیالیس آدمیوں کی موت، تین گھنٹوں وقفہ
کوئی قتل، تین دن بعد موت نہیں۔“ ڈاکٹر کی
حیرت بے جا نہیں تھی۔

”تفیش کے لیے گورے اسی آئے تھے۔
نہیں نے خود اسے نہ جگہ کا سا تذکرہ کیا تھا، مگر
سنائے، سب کچھ خاکست، بکھتر ہو چکا تھا۔“

”صبح سویرے کبھی خد کے قتل کی جگہ پر
نہیں، شیبہ دن نہیں، دن ہے،“ کی غمی آدمیوں
نے ابر علی خاں کا خد کیا تھا کسی نے نہیں
کے ایس تک پہنچا دیا۔ پولیس کو کون ثبوت نہیں حار
میں اپنے اڈے پر آکر سے بیٹھ رہے اس کے
سامنے تھی۔ فکر کرسی اور یہاں ہے کے وقت
میں نہیں کوئی تلافیقت نظر نہیں کی؟“ ڈاکٹر رائے
مجھ سے تیروں سے ہو، یہ وہ ہے، یہی نے کہا تھا
کہ اس تک تیروں کے قاتلوں کی قتل آسمان
میں ہے۔ کہوں کہ اگر یہ میرا داس کے سر نہیں
کا کام ہے تو انہوں نے اپنی گرو میں جھوٹا کر لیے کسی

ہر تہ بیر کر دی ہوگی۔ یعنی میدانے یہ کام کسی اور کو سونپا ہوگا۔

”جی ہاں۔ میں سے اتر اڑ گیا۔“ یہی کہا تھا میں نے اور کچھ ایسی ہی نظر آتا ہے۔

پھر پھر یہی تو لگس ہے کہ کھا کر بہتی میں تہہ رے۔ ”ڈاکٹر سے اپنی بات خود ہی ادھوری چھوڑ دی، کیوں کہ اسے میرا جواب معلوم ہوگا۔ وہ خاموش ہو گیا۔

میں نے اس کی دس جوتی کے لیے کہا: ”اسپیکٹر سکسینا کو اس وقت یہاں آئے کی ایسی ضرورت نہیں تھی۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ آپ کو ابھی اس سے باخبر کرنا لازم ہو۔“

”وہ نہیں جانتا تھا۔“ ڈاکٹر نے ترشی سے کیا، اسے ڈک ٹی جی سے بھیجا تھا۔ وہ تمہاری نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ ابھی معلوم تھا کہ تم اس وقت میرے گھر پہ ہو۔ اسپیکٹر سکسینا ڈک ٹی جی کی طرف سے مجھے متنبہ کرے آیا تھا کہ تم پر اور تہہ رے بھڑکی پر تھی شدید نوعیت کے الزامات ہیں۔“

”کھنکھلاتا نا“ میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

”کاش، الزامات ہی نہیں۔“

”آپ کا دعائیہ بچہ شک سے آلودہ ہے۔“

”دھنکھیں نہیں۔“ ڈاکٹر کا بھڑا ہوا منہ ہو گیا۔

”پاپیس کے پاس فضول قسم کے کام بہت ہوتے ہیں۔“

”باب پاپ کیا غلط ہے، دیکھیے نا پولیس افسر نے ہماری ایک خوب صورت شام مل کر رات منتشر کر دی۔“

”جینا نے دے دیے کچھ میں باب سے شکایت کی میں ہی ہے۔“

”جینا تم کھا کر بہتی کے اس عرصہ تک ناک واقف سے محروم رہ چائیں۔“ ڈاکٹر کی آنکھوں میں خاموشی دیر بعد آسودگی نمودار ہوئی۔

”یہ بہت منفی خیز تھا۔“ جینا نے خمر چھری سے کہا، ”ما قاطع نہیں۔“

”مجھے شبہ ہے، اس قسم کے کتنے واقعات اس کے سینے میں دفن ہوں گے۔“

ڈاکٹر کی قیاس آرائی میں طنز کی رتق دانستہ نہیں تھی دانستہ بھی ہوتی تو میں کیا کر سکتا تھا؟ میں پر مٹی ہی پڑی رہنے دیجئے۔ ”میں سے بڑھ کر کسی سے کہا۔“

”دیکھا۔“ ڈاکٹر نے اچھل کے بیٹی کو کھینچ لیا، ”یہ کیسا مختلف نوجواں ہے، درجی درجی ایسے واقعات سے اس کا سابقہ پڑ ہے۔“

”میرے لیے تو یہ دریافت کی حیثیت رکھتے ہیں۔“ جینا نے اختیار سی ہو کے بولی۔

”میرا خیال ہے، اب مجھے چن چاہیے۔“ میں نے مسکرا کے کہا، ”رات بھی بہت ہو گئی ہے۔“

”ٹھیکے نا، کچھ دیر اور۔“ وہ انھدنی آدھریں بولی اور باب کی طرف حمایت طلب نظروں سے دیکھا۔ ”کیس، پاپا، ایک کافی اور نہ ہوجائے کافی، پچھو۔“

”کھانا کھائے وقت ہو چکا تھا۔ پینا انڈے کے دس سے باہر چلی گئی۔ خانہ ماں شاہد کہیں قریب ہی تھا کہ وہ فوراً وہیں آگئی اور تیز سانسوں سے بولی،

”کیا آپ نے ابھی کھا کر بہتی جس جھڈ کا یہ واقعہ بتایا ہے، دوسری بیکبوں پر بھی یہی ہوتا ہے۔“

”یہ کیا، اس سے بڑی حقیقتیں ہیں۔ یہاں صرف گوروں کی حکومت تھیں، بے شمار غمروں ہیں

یہاں، دولت مند، زمین دار، جاگیردار، بونٹیں۔ بانی طاقت تو ان کے پائے جانوروں کی طرح ہے، ان کے گھوڑوں، ان کے کتوں کی طرح بانی

سارے ان کی رحمت ہیں، ان کے غلام یہاں کا تو یاد آج ہی خزاں ہے۔“ میں نے خود کو تھما دیا ہے

”کچھ کی جی پر معافی مانگی۔“ میں نے کہا کہی ہو۔

”میں میں پاپا آپ سے کیا کہتی ہو۔“

تھ مجھ سے کوئی جواب دیا جا رہا تھا۔ چاہے وہ کچھ بھی ہو۔
 رکا رہا ہے چنانچہ ان دنوں میں سکوت میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ راداروں اور مختلف ورڈوں کے
 رمپن پھیلی ہوئی ہنگاموں اور سنہرا ڈاروں پر نصب
 روشنیوں کی بجائے کمر میں رہیں۔
 ڈاکٹر رائے کا خدمت گار میرے ساتھ ساتھ
 چلتا رہا۔ کمر زدیک ہی تھا۔ مجھے اسے لگا دینا
 چاہیے تھا لیکن اس کی بھاری میں کوئی سہارا سا
 محسوس ہو رہا تھا۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے
 دروازے پر ٹھہر کر میں نے غیر ارادی طور پر مٹھانے
 کے لیے ہاتھ بڑھادیا تو وہ بوکھلا گیا۔ مجھے خیال نہیں
 رہا تھا کہ خدمت اس صحت فرائی کے عادی نہیں
 ہوتے۔ وہ سر تاپا ہر گیا اور جسم خم کر کے اس نے
 مجھے تحقیر دی تو انکی مجھے پشیمانی ہوئی۔
 نرس ایک جاگ رہی تھی۔ میری ہمت سن کر
 پلکی ہوئی باہر آئی۔ ایک بی سس مٹھنے کے بعد
 وہ پلکیں جھپکنے لگی۔ "بہت دیر کر دی تم سے۔" وہ
 شکایتی لہجے میں ہوں۔
 "بس" میں نے سر جھکا کر تالوئی سے کہا۔
 "وقت کا کچھ حساس ہی نہیں رہا۔"
 "کیا رہا؟" وہ اشتیاق سے بولی۔
 "بہت اچھا نہیں ہے رہی سے کہا۔
 "وہ شکر ہے۔" وہ جھجھکی لے کر بولی
 "مجھے تو طرح طرح کے دم رہے تھے۔"
 "کیوں" کیسے وہم؟ میں نے تندی سے
 پوچھا۔
 "کوئی ایک دس بات نہ ہو کہیں۔ میں نے جنہیں
 بتا دیا۔ ڈاکٹر رائے بہت کم کسی کو اپنے گھر بلاتے
 ہیں۔ یہ تو بڑی سہولت قسم کی بات تھی، خصوصاً
 تمہارے لیے۔" انکی جھپکنے ہوئے بولی۔
 حالات میں جو تین چاروں سے پیش آ رہے ہیں
 تمہاری حیثیت کسی سوالیہ نشان کی سی ہوئی ہے۔
 دیے بھی ڈاکٹر ورتھ کی شہادت کی کو وقت ہی کتنا

گز رہا ہے۔
 میں نے کچھ نہیں کہا۔ ہم دونوں کمرے میں
 آ گئے۔ کمرے میں اگلے ہوتے ہی میری نظر
 بے اختیار کھل کے ستر پر پڑی اور جیسے کسی خوب
 سے آنکھ کھل جائے میں نے اضطرابی آواز میں
 پوچھا۔ "کیا حل ہے ان کا؟"
 "بائیک ٹھیک۔" انی فریج دی سے بولی۔
 "درمیان میں دو ایک بار آنکھ کھلی تھی، جنہیں پوچھ
 رہے تھے۔"
 "تم نے کیا کہا پھر؟"
 "میں نے بتا دیا کہ تمہیں ڈاکٹر رائے سے کمر
 پر بلایا ہے۔ چھ تو کہتا تھا مجھے۔ میں نے بتا دیا کہ
 ڈاکٹر رائے جنہیں کھانے پر بلایا ہے۔ یہ واضح کرنا
 ضروری تھا، جس کو انڈیش، ہوسرہ میں کے
 دماغ میں ٹھونہ پائے۔ بیماری بہت حساس کر جاتی
 ہے۔" انکی سرگوشیا۔ انداز میں بولی۔ "خاصی دیہ
 تک جا گئے وہ بے ہوش ہیں۔ سب کی چند قایم
 کھلا میں، دوا میں دیکھ سگئے۔ خوب کا دوا،
 حرارت وغیرہ دیکھی گئی میں نے۔ سب کچھ معمول
 پر ہے۔ یہ ظاہر ہرگز کوئی بات نہیں۔"
 "سو نے پر بیٹھ کے میں نے اپنا بکھرا ہوا جسم
 پہننے کی کوشش کی۔ انی بھی میرے برابر بیٹھی۔
 لمحوں تک خاموش رہی پھر اپنے کمرے ہاتھ سے میری
 گدی سہلاتے ہوئے وہ بولی۔ "کچھ حد سے
 کھوئے سے لیتے ہو۔"
 "میں تو" میں نے تکی ہوئی آواز میں کہا۔
 "خیر آ رہی ہے۔"
 "جیس۔" انکی نہیں۔ "میں نے اپنا جسم سیدھا
 کر دیا۔ وہ مینڈ کو پوچھ رہی تھی۔ خیر تو بڑی شرم
 ہوتی ہے۔"
 "کیا ہوا وہاں؟" وہ پچل کے بولی۔
 "کیا ہوا؟" میں نے ہنسنا کہا۔
 "کیا نیابا میں ہو میں؟"

"دیکھا پھر کی، اور ادھر کی۔ بہت سی باتیں"
 میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ میں انکی کو کہتا تھا
 "کیا ساگ ڈاکٹر کا کمر؟"
 "وہ تو کوئی بگڑا خانہ ہے۔"
 "ہاں، بے شک۔" غور میدا انکی بچوں کی
 بات نہ کہنے لگی۔ "کوئی بگڑا خانہ کیا ہے؟" ہنس کر
 جنہیں سارا اصرار دیکھنے کا موقع کہاں ملا ہوگا۔
 "تمہارا بہت بگڑا دیکھا وہی بہت مختلف اور
 منفرد تھا بہت۔" میری آواز کھوئی گئی۔
 "تم نے خود کیا، کیا غائب دوا ان ہے اس
 کمر میں۔" ہر چیز جہاں رکھی ہے، جیسے اسی جگہ کے
 لیے بنی ہو۔ اس طرح کے اکثر گھروں میں بڑی
 اور چیزیں ہوتی ہیں لیکن ایک سیدھی تو چاہیے۔
 بعض جگہوں پر تو چیزیں بھولی ہوئی، انی ہونی لگی
 ہیں۔ جسے نہیں ڈاکٹر رائے ہیں۔ اتنا ہی اعلیٰ ان کا
 دوق ہے۔ اور جب سے جہا انگلستان سے آئی
 ہے، کمر کا نقشہ ہی بدل گیا ہے۔ جہا تمہارے
 سامنے آئی تھی۔"
 "ہاں آ۔" میں نے ہچکچاہٹ اتر رہی۔
 "دیکھ تم نے اسے۔" کیسی ترشی ہوئی، سامنے
 میں ڈھلی ہوئی لڑی ہے، قتلہ، شائستہ
 بزرگوں، بلکہ میں تو کہوں گی، لاکھوں میں
 ایک
 میں نے آنکھیں پچھ لیں۔
 "کیسی گلی دو جنہیں۔"
 "بہت اچھی، تم ٹھیک کہتی ہو وہ بڑی مادیاتی
 ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "ڈاکٹر رائے کی
 جی شاید کچھ ایسی ہی ہوتی ہے۔"
 "ارے مست پوچھو۔" انی بے تاب سی ہو گئی۔
 "میں تو اس کی عاقبت ہوں۔ ذرا سا بھی سمجھ نہیں
 اس میں۔ جب بھی جاتی ہوں، بہت خوش ہوتی ہے
 لہو میں۔ میں جا اسے بس دیکھ رہی ہوں۔ جی
 کرتا ہے آنکھوں میں بسا لوں۔ بھی لہا وقت ہو

جس تو شکایت کرتی ہے۔ ہاں سے کہلو کر لاتی
 ہے۔ جس گھر میں جائے گی وہاں بکسیر دے گی۔
 وہ تو ایک گلستان ہے۔ سوچو ہوس، کون خوش
 نصیب ہوگا جس کے گھر اور دس کی رشتہ بنے گی۔
 کوئی شہزادہ ہی ہونا چاہیے اس کے لیے۔"
 "ہاں ہوں۔ وہ خود کسی شہزادی سے کیا کم ہے۔"
 "تم بتاؤ تم کو جو ان آدمی، کچھ کہتا ہے تم اس کے
 کمر کے سر نہیں ہوئے؟ چلنا؟" انکی نئے ہوگا
 دیکھتے ہوئے بولی، لگتا ہے، کچھ ایسی ہے جسکی چپ
 چپ ہو۔"
 "کیسی باتیں کر رہی ہو تم۔" میں نے اہو زور
 آواز میں کہا اور ہلکا ہلکا۔
 "کچھ بہت ڈاکٹر نے نہیں جانتا کہ تم اس کے پاس
 بیٹھے رہو۔ تم سونے کی اس صورت کو دیکھتے ہو، اس
 کے پہلو میں، اس کی روشنی اور گلاب میں زندگی بسر
 کر دو کچھ بتانا۔"
 "میں نے اب کچھ خیال نہیں کیا۔" میں نے جلی
 سی کہا، "حسین لوگ بھی حسین مناظر کی طرح ہوتے
 ہیں۔ ان کی نظارگی و دید و پار دید کے لیے کس کا
 جی نہیں چاہتا۔ مگر تم کچھ زیادہ ہی اس سے حائر
 ہو۔"
 "وہ ہے ہی کسی اور یہ تم کیسے لوجن
 ہو۔"
 "کیوں، مجھے کیا ہونا چاہیے۔"
 "جنہیں تو آپ ہیں پھر تے ہوئی انکی آتا چاہیے
 تھا۔" وہ شوخی سے بولی۔
 "آئی گوئے آپ کو بھیجنا نا چاہیے۔"
 "تم تم کیا کسی سے تم ہو۔ میں تو زندگی بھر
 بننے کی درد کر رہی دو بیٹیوں، میں، ایک
 رندہ شہزادی، دوسری ہے گھر کی کوئی اور اور جلی
 گئی، لیکن اگر میری کسی بیٹی کی خواہش تھی جو خداوند
 سے پوری نہیں کی تو وہ کون تھی جیہا تھا؟" وہ اصرار
 کرتی۔

رات کی رات، ہر دس یا دس ہوتا ہے۔ آدمی وہی
 رہتا ہوتا ہے۔ ان پہروں اور موسموں کے طلوع
 و غروب ہی سے وقت کے چارے یا گھڑی کی ایجاد
 ممکن ہوئی ہوگی۔ ایک ہی پہر رہتا یا ایک ہی
 موسم تو کسی ماہ یا دن کے علاوہ شمار کے فریب
 سے دوچار نہ ہتا۔ کسی لمحے کی نظر گھڑی پر پڑی
 ہوگی کہ وہ چونک پڑی اور اس نے محضرت جیانی
 کہ اپنی رو میں جاے کیا کہ دکھڑے، داستانیں
 بے کے بیٹھ گئی، اس کی یادہ کوئی مجھے ناگوار خاطر
 ہوئی چاہیے۔ میں نے شدت سے تروید کی کہ میں تو
 کسی رخصت اندر کی کے خیر سے خاموش رہا ہوں،
 ایک ہر صفت شخص کا احساس دروں جانے کی حسرت
 جو میں۔ ڈاکٹر رائے کا ذکر ایسی کا جتنا پسندیدہ
 موضوع ہے، میرے لیے بھی ہر دست اشتیاق
 واضطرب کا باعث ہے۔ مجھے تو فکس ہے کہ یہ
 سارے کچھ میں جیسے کیوں نہ جاں رکھا۔ ڈاکٹر میرے
 محسن ہیں اور محبوب بھی۔ نبیوں نے جس اسباب
 سے محفل کا عہد ج کیا ہے اور اس شیر میں میرے
 آئے کے بعد پیش آئے اے بے درپے شخص
 واقعات پر، جس میں میرا نام ہر حال حوث ہے،
 بل کہ بناے فدا ہے اس کا محفل، اس کی ہر دہائی
 میرے لیے پیسے ہی ایک ناقابل یقین واقعہ ہے،
 لیکن جتنا کچھ میں سے یہاں، اسپتال میں اور اس
 کے گھر جا کے دیکھ کر رکھتا ہے اور ب جتنا کچھ میں
 نے ایسی سے سنا اور جانا ہے مجھے احساس ہو رہا
 ہے، ڈاکٹر کے لیے وہ جب عزت اور منزلت کے
 ظہار میں مجھ سے کوتاہی ہوئی ہے۔

یہی جیب ہو گئی تھی۔ اس نے مجھے بستر پر لیٹ
 جانے اور آرام کرے کہ مدایت کی میں اس کے
 پاس سونے پر بیٹھا رہا، پھر یہی کی وجہ سے کہ اس عمر
 گریہ کو بھی آرام کا کچھ وقت مل جائے، بستر پر
 کے وار ہو گیا ڈاکٹر رائے کا وہ آخری کلر
 میرے کانوں میں جوست ہو گیا تھا مجھے ہر جانب

اسی کی گونج سنائی دیتی تھی اور اپنی صاحت پر بار بار
 شب ہوتا تھا۔ ایک بار ایسے حلقہ حواس میں مجھے یہ ہے
 جوار بدگئی بھی ہوئی کہ ایسی ڈاکٹر رائے کی وکالت
 تو نہیں کر رہی، جیسے وہ مجھے کچھ جتنا چاہتی ہو اور
 اسے معصوم ہو کہ ڈاکٹر رائے نے بے گھر سے
 وداع کرتے وقت مجھ سے کیا کہا ہے۔ دوسرے
 لمحے اپنی بے لگائی اور بدحواسی پر مجھے شرم سار رہی بھی
 بہت ہوئی۔ اپنی تو ایک سادہ و معصوم اور متعلق
 خاتون ہے۔ ڈاکٹر کی روداد بیت کرتے ہوئے اس
 کے لہجے میں کرب و دوز شامل تھا، جو کسی شال شخص
 ہی میں ہوتا ہے۔ بے شک ڈاکٹر رائے اس کے
 لیے کسی دیوتا کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہی ہی کوئی
 کسی کا دیوتا نہیں بن جاتا، بہت شاد توں اور
 دیہوں کے بعد پرستش کا یہ مقام ہے۔

بستر پر کے میرے جسم وہاں میں غلام سا رہا
 ہو گیا۔ سزا آدمی کو آرام پہنچاتا ہے تو ہکان بھی کم
 سبیں کرتا کہ پھر تو بہت سے روزن کھل جاتے ہیں
 اور دونوں سے طبع طرح کے حشرت اندہ تے
 ہیں۔ آنکھیں بند نہیں ہو پانی نہیں۔ آنکھیں بند
 کرتے ہوئے آدمی کو بھی بہت ڈر لگتا ہے۔ کبھی
 آنکھوں سے نظر آئے والے اشیاء موجودات کوئی
 رکاوٹ بنے رہتے ہیں۔ بند آنکھوں سے آدمی خود
 اپنے سامنے آ جاتا، اپنے آپ سے غیر آواز ہو جاتا
 ہے۔ میں نے اپنی باتیں پیچھے رکھنے کی بڑی کوشش
 کی لیکن جھوٹ جھوٹ جاتی تھیں۔ اپنی بھی جا ب
 رہی تھی۔ ہر تک مجھے کر دیکھ مٹتے دیکھ کر میرے
 سر چائے آئی۔ "نہیند نہیں آدمی میرے بچے"
 اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

میں نے بے چارگی سے سر ہلا دیا۔
 "اسی کے متعلق سوچ رہے ہو؟"
 "کس کے؟"
 "میں کبھی اس کا گیا"

"اسی کے۔" وہ مسکرا کے ہوں۔ "یاد رہی ہے

میرے جی میں آئی، اسے پرے دھکیل دوں۔
 "میں جانتی ہوں۔" وہ آنکھیں میچ کے
 بولی۔ "لیکن نہیں۔" کیا ایک اس کی آواز بھاری
 ہوگی۔ "وہ بہت دور کھڑی ہے۔ نہیں کچھ کہہ سکتے تم اس
 کے پاس۔ بہت فاصلہ ہے درمیان میں، بہتر ہے،
 کوئی دیا نہ جلاؤ۔۔۔ اور۔۔۔" وہ میرے سر پر ہاتھ
 پھیرنے لگی۔ "بہتر ہے، اچھے بچوں کی طرح
 سو جاؤ۔"

"کیا کہہ رہی ہو تم؟" میں نے ناتوانی سے
 کہا۔ میں کہنا چاہتا تھا کہ وہ کیا کھڑی ہے۔
 "میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔" میں جھپٹی
 ہوں۔ "اس نے میرے گال پر ہلکا سا ملانچہ
 مارا۔" مجھ پر بھی تو تہوار ہے جیسے دن آئے ہوں گے
 ناگہی۔

ایک لمحے اور منتشر کر رہی تھی۔ اس کی کسی بات
 کا جواب دینے اور گھر کر کے بچائے خاموشی
 ہی مناسب تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ پہلے
 کی طرح وہ میرے بالوں میں انگلیاں الجھاتی رہی
 اور میری پیشانی کا بوسہ دے کے چپے سے اٹھ گئی۔

آدمی کے سر سے پھر جائیں تو بہت ہاتھ پاؤں
 مارتا ہے۔ انجم میں جیسے کوئی پھنچ جائے، بھی آدمی
 اپنے آپ سے بھی پھنچ جاتا ہے اور خود کو تلاش کرتا
 رہتا ہے اور ڈھونڈ بھی لیتا ہے تو اپنا سامنا نہیں
 کر پاتا۔ میری حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ بہت
 سے سوال و جواب تو مجھے خود سے کرنے اور خود کو
 دینے تھے۔ میں ایکی کو کیا مطمئن کر پاتا۔

مجھے دروازے کھلنے اور بند ہو جانے کی آواز
 آئی۔ میں نے نہیں دیکھا، مگر شاید ایکی پہلو میں،
 نرموں کے لیے مخصوص کمرے میں چلی گئی تھی۔ اس
 کی خامو جودی سے جانے کیوں کچھ سکون سا ہوا۔
 ہر چند رنگوں میں چوہنیاں ہی رنگ رہی تھیں اور
 آنکھوں میں آگ سی لگی ہوئی تھی۔ اندھیرے میں
 ٹٹولنے ہوئے جیسے کوئی سراپا اٹھ آ جائے، کسی سوال کا

جواب مل جائے، رات کے آخری پیر میں نہیں مجھے
 لگا، میں گم گشتہ خود کو نظر آ گیا ہوں۔

یقیناً ڈاکٹر رائے نے وہی کہا تھا جو میں نے سنا
 تھا۔ ڈاکٹر پوری طرح اپنے حواس میں تھا۔ کچھ دیر
 پہلے اس نے گھر آنے والے پولیس افسر سے گفت
 گو کی تھی اور میرے بارے میں کچھ اچھی باتیں نہیں
 سنی تھیں، پھر اس نے مجھ سے تھپہ پٹی دیکھ لی
 دیکھ میں بحث کی تھی اور میری سرانسیں گل سے سنی
 تھیں، وہ نہایت متوازن باتیں کرتا رہا تھا۔ کوئی
 ایہام نہیں تھا اس کے کلام میں۔ اپنا مدعا بیان کرنے
 سے پہلے اس نے تمام تر سیاق و سباق کا خیال رکھا
 تھا اور اس نے مجھے کوئی حکم نہیں دیا تھا، جس ایک
 امکان ظاہر کیا تھا۔ اس نے پوری تازگی بدنی تھی۔
 یہی ایک ٹھیکسی، اشارتی سا کھڑے ہوتا ہے ایسے
 موضوع پر لب کشائی کا۔ ایک دانش مند، ہر اعتبار
 سے مکمل، ایک جہاں شاس جس کی جانب سے ایسی
 کسی خواہش کا اظہار ابھی طرح عتاب و تہنای پر
 غور کر کے ہی کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس کی عزیز زبان
 بنی کا معاملہ تھا۔ اس بنی کا جو اس کی زندگی کا حاصل
 ہے۔ سب کچھ پھر جانے اور لٹ جانے کے بعد اس
 کے لیے بچی کچھ کائنات کے مانند ہے۔ مدد دہندی
 دہرستی کی کسی کیفیت سے دوچار تھا، اندھیرے اس
 کے درمیان بے گمانی و بذرہ تھی کوئی رسم و رواج
 اور ایسی باتوں کا تعلق تو زندگیوں سے ہے۔ زندگی
 کے اتنے اہم فیصلوں میں یہ شوقیاں نہیں کی
 جاتیں۔

میرے اس کے مراسم کو دن ہی کہتے ہوئے
 تھے، ٹھیک سے ہفت پھر بھی نہیں۔ اسی مختصر دورانیے
 میں جس بے سرو پائی، بے دردی، بے دادرگی میں
 روز و شب گزرے تھے، بے شک مجھے قریب سے
 جاننے پر مجھے اسے موقع مل گیا تھا۔ اور جس اس کے
 سامنے اپنے حرائق، اپنی روش کی بنی تھی، عام
 لڑکیوں سے یک سر مختلف، پھر شاید کچھ یوں ہوا کہ

جنت بسیار کے بعد ڈاکٹر کو اپنی بیٹی اور مجھ ایک
 خاک ہر، آشفستہ سر کے درمیان کسی تار و پود کی کوئی
 صورت دکھائی دے گی۔

وہ ایک سراپا جھلکت، سرتا پارستانی، چہرہ ماہ
 تاب، بدن کندن، جس و نگہ تراشیدہ، کوئی حسین
 و جمیل لڑکی کچھ ایسی ہی ہو سکتی ہے اور حسن و جمال کی
 خوبیاں تو قطعی ہیں۔ خیال کی المراء، ذہانت
 و لطافت کے اوصاف خداوندی عطیہ ہیں، مگر آدمی
 ان پر کس قدر روا دطلب ہو، ناز و توان اوصاف پر ہونا
 چاہیے جو اپنی جست جو، مسامی اور ریاقت کا شمر
 ہوں۔ ڈاکٹر رائے کی صاحب کمال بنی بیٹا کو اپنی
 بیش از بیش شگنی صفات کا احساس کچھ زیادہ ہی تھا
 کہ اس نے اس کی پالیگی اور افزائش کا ہر چہن کیا
 تھا۔ وہ بری ازاد آسانی حسن سے آراستہ نہ ہوئی تو
 بھی علم و فکر، ہنر و فن، نفاست و شانستگی کی اکتسابی
 اور ارادی خوبیوں میں یک تار و یکا نہ تھی۔

تو پھر اس پر داد کا کیا گل، تردید کا کیا جواز ہے۔
 سامنے کون ہیں، دانا سے دہر، دانش سرشت، فکر
 چیرہ، سیمائش، عالی مقام ڈاکٹر رائے اور ان کی
 نادرہ کار، نادر روزگار بیٹی بیٹا اس میں استقامت
 سے جو ڈاکٹر رائے کی عزت، باب گھرانے سے
 دانشگی میں سرتابی کا ارتکاب کرے۔ لازم ہے کہ
 بنی کے اشارہ و عندیہ کے بغیر باپ کو اس قلندر کی
 حرکت نہیں ہوتی چاہیے، تو پھر یہ تصور ہی کیسا جاں
 گداز ہے کہ ایسا کوئی رشم و شہم، شیشہ و شعلہ، مصل
 اعدام، ایسا کوئی گستاخ، مثال، آمادہ لطف و نشاط
 ہے۔ ڈاکٹر رائے اور اس کی بیٹی کا کسی نا آشنا، بے
 نظائ پر یہ خسران القات ایک غرور شرت ہے۔ پھر
 وہ خوش کام و خوش انجام کسی اور کو بچے کا رخ کیوں
 کرے، خود کو بچوں اور رنگوں کی نذر کیوں نہ
 کر دے۔ آدمی وہیں تمام کیوں نہ ہو جائے۔

رات کے آخری پیر کی لمحے مجھے خند آگئی۔ سنا
 ہے، کسی ارادے کی توانائی نصیب ہو جائے تو خند

آجاتی ہے۔ ارادے کی نوعیت چاہے کسی کیوں نہ
 ہو، ارادہ ذہنی راحت ہے۔ بیکان واضطراب کے
 ایک گرواب کے بعد مجھے جیسے کوئی کنارہ نظر آ گیا۔
 میرا ارادہ استوار ہو گیا تھا۔ کمرے میں ایکی کس
 دلت واپس آئی، مجھے خند ہو گئی۔

صبح انجی اندھیرا لٹ رہا تھا کہ راہ داری میں
 خاک رو پوں کی چمک، پہل سے آنکھ مل گئی۔ پہلے
 میری نگاہ نعل کے ہنر پر گئی، وہاں خاموشی تھی، پھر
 دروازے کے قریب آرام کر کے پریم دروازے کا
 ہوش ایکی نظر آگئی۔ میں نے بھی پھر آنکھیں
 موند لیں، لیکن آدھ گھٹنا نہیں گزرا ہوا کہ کمرے
 میں دروازے والا اچالا پھلتا گیا۔ پھر نیند نہیں آئی۔
 ایکی بھی جاگ گئی تھی۔ اس نے دروازہ کھول دیا اور
 کمرے کیوں کے پردے ایک طرف سمیٹ دیے۔
 ہنر کسل خانے میں مدد ہاتھ دھو کے میں کمرے
 سے باہر آ گیا۔ دن رات کا کوئی پیر سے بہتر نہیں
 ہوتا۔ دھپا بدلی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ تازہ تازہ،
 جیسے آج ہی ارد میں آئی ہو۔ آدمی کیا، پردوں کو
 بھی صبح بہت مرغوب ہے، کیسے ناپنے، لگانے،
 اترانے لگتے ہیں۔ کاش ایک پیر ہی ہوا کرتا، مگر صبح
 کی لطافت دہرے پہرہاں سے میز کس طرح
 ہو پائی، اندھیرے ہی سے روشنی کا مرتبہ ہے۔

ایکی نے کسی خدمت گار سے چائے منگوا لی
 تھی۔ راہ واپس میں کمری اور میز ڈلوا کے اس نے
 اپنے ہاتھ سے میرے لیے چائے بنائی اور خود چند
 گھونٹ پی کے واپس کمرے میں چلی گئی اور دروازہ
 بند کر لیا۔ اس کا مطلب تھا کہ اب مجھے اندر جانے
 کی اجازت نہیں ہے۔ صبح سویرے وہ زیادہ فعال
 ہو جاتی تھی۔ ڈاکٹر کے آنے سے پہلے اسے بہت
 سے کام کرنے ہوتے تھے۔ حرارت، خون کے دباؤ
 اور تپش کی رفتار کی جانچ پڑتال اور مریض کے
 کیفیت نامے میں خاندہ پری، مریض کے لباس کی
 تبدیلی، ناشتا کرانا، دواؤں کی خوراک دینا وغیرہ۔

اتنے دنوں میں میں بھی اسپتال ہی کا کوئی آدمی بنا گیا تھا۔ اسپتال کے بھی اپنے صبح دشام ہوتے ہیں، باقی دنیا سے الگ تھلک۔ اسپتال اور قید خانے میں بڑی مماثلت ہے، وہاں جیلر ہوتا ہے، یہاں ڈاکٹر، وہی نظم و ضبط، وہی ان کا گشت، وہی پابندیاں۔ یہاں مریض بھی کسی زندانی کی طرح ہوتا ہے۔ میں نے سات سال کاٹے تھے، بھلنے نے بھی جانے کتنی زندگی قید خانوں میں گزار دی تھی۔ اسے اپنی مرضی و منشا ترک کر دینے کی عادت تھی، حالانکہ زندانی ہونے کے باوجود جیل میں ایک طرح اس کی مکمل داری ہوتی تھی۔ یہاں تو وہ کسی محتاج کے مانند ہو گیا تھا۔ قید خانے سے اسپتال کی سزا ادا و اذیت ناک ہوتی ہے۔ آدمی آزار دہے بھی نہیں بھی۔

ٹھیک آٹھ بجے سیورین آگئی۔ اودی رنگت کے کڑے ہوئے کرتے، تنگ مہری کے سفید پاجامے اور سفید روپے میں بلوس۔ نو گھنٹہ، گھٹی گھٹی، مسکراتی، لہراتی ہوئی اور کسی قدر گھبرائی گھبرائی سی۔ عقب میں اسپتال کا نو عمر ملازم، توشیدان اٹھائے ہوئے تھا۔ آج وہ کچھ پہلے ہی چلے آئی تھی۔ لگتا تھا، بس صبح ہونے کی منتظر تھی۔ اسے دیکھ کے مجھے اپنے ہی گھر کی کسی لڑکی کا لگنا ہوا، شاید اس لیے کہ وہ زوریں، فرخ، فریال، سہلی اور نیساں ایسا لباس پہنے ہوئی تھی۔ ڈاکٹر رائے کسی وقت بھی معمول کی گفت پر آسکتا تھا۔ ادھر سیورین ناشتا ٹھنڈا ہو جانے کے اندیشے میں مکان نظر آتی تھی۔ اس وحشت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ ہر تخلیق کار کو اپنی تخلیق کی داد ملنی کی ہے، مغل ہوتی ہے۔ ہنرمند بھی نے اس کا حل یہ ڈھونڈا کہ وارڈ ہوائے کو بچ کر ڈاکٹر کی نفل و حرکت کا سراغ لگایا، پھر اس اطمینان کے بعد کے ڈاکٹر کے آنے میں کچھ وقت لگتا چاہیے۔ میز پر ناشتا سجایا گیا، مجھے اندازہ تھا کہ سیورین نے کیا کیا اہتمام کیا ہوگا۔ رات کو سو سگی سکی، یا نہیں۔ ناشت بھر کی چھوٹی چھوٹی پوریوں،

75

سبھی ایک چائٹس کی، بلکی، بلکی تلی ہوئی، چنے، آلو،
پاک، اور غیر کاربان مختلف بلکی سبز یوں کی
ٹائٹس، ٹوسٹ، مکھن اور شہد، ولایتی قسم کا سیبوں کا
میٹھا اور جانے کیا..... دارو ہوائے چائے لے آیا۔
میرے انکار کے باوجود سیورین کے اشارے پر
ایک بار بار میری تشری بھرتی رہی۔ میں نے کچھ غم
سیری کی، کچھ وضع تھمالی۔ کچھ مجھے اس نکلنے پر
غفلت بھی بہت ہو رہی تھی۔ میری پسندیدگی کے اظہار پر
سیورین کے رخساروں کی چمک دیدنی تھی۔ لوگ
ایک دوسرے سے شدید نفرت کرتے ہیں تو انہیں
ایک دوسرے سے محبت کرنی بھی کم نہیں آتی، اور
اس میں عرصہ، وقت اور کسی ایثار و احسان کی بھی
شرط نہیں، بس آدمی کو آدمی اچھا لگتا چاہیے، آدمی کو
آدمی کی قدر ہو جانی چاہیے۔ اس کی مجبوری، محرومی
اور ضرورت سے کا احساس، اور آدمی کا دل کشادہ ہونا
چاہیے۔ کہتے ہیں، نفرت نخل ہے، محبت خلدات اور
آدمی کا شرف۔

اجھا ہوا جو دار و دوائے نے لپکتے جھپکتے آگے
ڈاکٹر رائے کے آنے کی اطلاع دی اور سیدہ امینہ اور
ایک کی خاطر دارویوں پر بندش لگی۔ میں نے بھی ان
کا ہاتھ بٹانا چاہا تھا۔ انہوں نے گوارا نہیں کیا اور غور
ہی انہوں میں میز صاف کر دی اور ناشتے کی کوئی نشانی
میز پر باقی نہ رہنے دی۔

روز کی طرح تروتازہ ڈاکٹر رائے دوڑا کھڑوں
اور ایک نرس کے ہمراہ تیز قدموں سے کمرے میں
داخل ہوا۔ شاید نظر بھی پڑی اور اس کے ہونٹوں
پر شائستہ مسکراہٹ کو دیکھی۔ اس ایک لمحے میں میرا
سہارا وجود دھڑک اٹھا۔ دوسرے لمحے وہ قدم
بڑھا چکا تھا، لیکن ایک درمیان میں ٹھہر گیا اور
سر گھماتے ہوئے چونکی آواز میں بولا، "دیکھ تم کا
ناشتہ! یہاں اسپتال میں تو نہیں بنتا۔"

سیور میں ابھی تک گھر کے لباس میں بھی ۱۱۱
چراغ لگی۔ ایسی نے سامنے آکے جھجکتے ہوئے ۱۱۲

252

پوشی کی کہ سیورین اس کے لیے کچھ گھر سے بنا کے لائی تھی۔

ڈاکٹر نے آنکھیں چڑھا کے سر ہلایا۔ ایک ناگواری چہرے پر ہوا یاد ہوئی اور وہ آگے چلا گیا۔
بھٹل کے پاس جا کے وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ میں نے اس کے قریب جانے سے دانتہ مگر یہ کیا اور اپنی جگہ کھڑا رہا۔ ڈاکٹر نے بھٹل کی کیفیت نامے پر ایک نظر ڈالی اور اپنے ساتھی ڈاکٹر دس سے سرگوشیوں میں مشورے کرتا رہا۔
بھٹل جاگ گیا تھا یا پہلے سے جاگا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کے شانے پر مکا مارے ہوئے مریجانہ اور شفتانہ انداز میں حال پوچھا۔ بھٹل نے ہلکی آواز میں کیا جواب دیا تھا کہ بے سانس ڈاکٹر کا قہقہہ بلند ہوا۔ دوسرے ڈاکٹر بھی مسکرا اٹھے۔ اس سے پہلے کہ گذشتہ مرتبہ کی طرح ڈاکٹر رائے مجھے کمرے سے نکل جانے کا حکم صادر کرے، میں نے خود ہی کمرے سے نکل جانا مناسب سمجھا۔ باہر آ کے مجھے عداوت و ملاحت کے احساس نے آگھیرا۔ اس طرح میرے چلے آنے کا کیا جواز ہے، صرف اتنا نہیں کہ میں نے خود کو وہاں غیر ضروری جانا، یا جلد، یا دیر ڈاکٹر کو میری موجودگی ناپسند ہوئی، اس کے حکم کے بغیر میرے باہر آ جانے کی یہی ایک وجہ ہو سکتی ہے کہ ڈاکٹر سے نظریں ملانے کی مجھے تاب نہیں ہے، اس کا سامنا کرتے ہوئے کوئی ہتھی ہٹ ہو رہی ہے مجھے، لیکن یہ گریز و اجتناب تو میرے ہستار کے ہوتے ارادے کے منافی ہے۔ اس اعتراف و تفتیش کے باوجود کمرے میں واپس جانے کی ہمت نہ ہو سکی۔ راہ واری میں کمرے کے پہلو میں رکھی ہوئی کرسی پر میں کسی دربان کی مانند بیٹھ گیا اور یہی ہو گئی۔

آج کمرے کا دروازہ بند نہیں کیا گیا تھا۔ اندر سے آنے والی تیز آوازوں پر ایک پارٹی مجھے اٹھنا پڑی اور میری آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ ایک طرف زین

253

ایکی دوسری طرف ڈاکٹر کے ساتھ آنے والی نرس کا ہاتھ تھامے ٹھٹھل اپنے پیروں سے چلا ہوا باہر کی جانب آ رہا تھا۔ تینوں ڈاکٹر اس کے پیچھے تھے اور حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ ٹھٹھل نے کمرے کا دروازہ بھی عبور کر لیا اور باہر آ کے اس نے دونوں نرسوں سے اپنے ہاتھ چمڑا لیے اور خود اپنے سہارے دائیں طرف بڑھتا مشرور کیا۔ ڈاکٹر تالیاں بچانے لگے۔ ٹھٹھل کے پیروں میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی اور جسم بھی ڈمکھا گیا تھا، لیکن دوسرا نہیں۔ دونوں نرسیں اس کے جسم سے تقریباً چپکی ہوئی ساتھ تھیں۔ ڈاکٹر اس کی آنکھوں سے خوشی جھلک رہی تھی۔ چند قدموں کا فاصلہ ٹھٹھل نے خود طے کر لیا تھا۔ وہ اور آگے جانا چاہتا تھا کہ ایک ڈاکٹر نے آگے چا کے اسے روک دیا۔ ٹھٹھل واپس بھی اپنے بل پر آیا اور کمرے کے دروازے پر رہی جس کمرے پر کچھ دیر پہلے میں بیٹھا ہوا تھا، وہیں ٹھٹھل کے اس نے بیٹھ جانے کی خواہش کی۔ نرس ایچی نے اس کا بازو تھام کر وہ اپنے آپ ہی کمرے پر بیٹھا تھا۔ ٹھٹھل کی ایسی بات نہیں ہوگی، اپنے دنوں تک کمرے کے دروازے سے دور ہو کر کئی جگہ اسے اچھی لگ رہی ہوگی۔ راہ داری کے آگے سبزہ زار تھا، گیاریوں میں رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے۔ سبزہ زار کے اس پار درخت تھے اور پرندے پھدک رہے، چچھارے تھے۔ کچھ فاصلے پر میں بھی وہاں موجود تھا۔ مجھے دیکھ کے اس نے ایک گہری سانس لی۔ سارے لوگ، ڈاکٹر، نرسیں، سبھی اس کے گرد ٹھہرا ڈالے ہوئے تھے۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کس طرح ڈاکٹر رائے سے احسان مندی کا اظہار کروں، ایک اور سپورین سے کیا کہوں در ٹھٹھل کو کیا ملے دوں۔ میں تو سب کچھ بھول ہی گیا تھا۔ میرا جسم بے وزن ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر رائے، ساجھی ڈاکٹروں کے پاس سے
 مٹ کے میرے پاس آگیا۔ میں سوچتا رہا۔ اس

کے ہاتھ چوموں، سینے سے لگا لوں، پاس کے چہرے بکڑ لوں۔ ڈاکٹر نے میری بھری ہوئی آنکھوں میں ضرور کچھ دیکھ لیا تھا کہ میرے سامنے آ کے کھڑا ہو گیا اور مضطرب نظروں سے مجھے گھورنے لگا۔ "ٹھیک ہے استاد؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے ہندستانی میں کہا۔ اس کی آواز میں رعب، انکار اور سرت کا آمیزہ تھا۔

میں نے جبکہ کے اس کے چہرے چھونے چاہے کہ اس نے مستعدی سے میرے شانے بکڑ لیے اور اپنے سہمی ڈاکڑوں کو اشارہ کیا۔ میرا خیال تھا، ابھی وہ دھیرے گا، مجھ سے کوئی بات کرے گا، لیکن جیسے میں تو بس ایک مریض کا نگہدار تھا، گذشتہ رات میں اس کے گھر گیا ہی نہیں تھا اور اس نے مجھ سے کچھ کہا سنا ہی نہ تھا۔ میرے آگے سے ہٹ کے اس نے ایچی اور سیورین کو کچھ ہدایات دیں اور ٹھیل کا بارو تھپ تھپا کے واپس جانے کا ارادہ کیا۔ ٹھیل اٹھنا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر نے اس کے گھٹنوں پر زور دے کے اسے بیٹھا رہنے دیا اور چل پڑا۔ جاتے جاتے مڑ کے بولا، "وقت ملے تو ادھر آنا میرے پاس۔" اس بار اس نے مجھے انگریزی میں مخاطب کیا اور تذبذب سے بولا، "پھر میں خود ہی بلا لوں گا، اگر فرصت ملی۔" پلک جھپکنے کی مہلت میں وہ دور ہو گیا۔

سیورین اور ایچی ٹھیل کے پاس کھڑی رہیں۔ انہوں نے اسے کمرے میں واپس لے جانا چاہا، لیکن ٹھیل کے منع کرنے پر انہوں نے اصرار بھی نہیں کیا۔ ڈاکٹر نے انہیں ایسی کوئی تاکید نہیں کی ہوگی کہ وہ زیادہ تشویش کرتیں۔ ایچی نے خدمت گار سے کہہ کے وہیں ایک اور کرسی رکھوادی اور کمرے میں جا کے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ سیورین بھی لباس کی تبدیلی کے لیے کمرے میں چلی گئی۔ ٹھیل اور میں وہاں اکیسے رو گئے اور میں دزدیدہ نظروں سے اس کی صورت

دیکھا کیا۔
"کیسا ہے رے؟" اس نے بدحوالی آواز میں پوچھا۔
"میں میں ٹھیک ہوں بالکل۔" میرا جرم اکر گیا اور زبان لڑکھانے لگی۔ "تم۔ تم بتاؤ کیسے ہو اب؟"

اس نے جواب دینے میں تاہل کیا، پھر بولا، "کتنے دن ہو گئے؟"
"زیادہ نہیں۔" میں نے بے غلٹ کہا، "میں کوئی چار پانچ مل کہ بھو، چھ دن۔"
اس کے ہونٹ ٹھیل گئے اور وہ سر ہلا کے رہ گیا۔

"اب کوئی بات نہیں۔ سب ٹھیک ہی ہے۔ اچھا ہوا جو ہم یہاں آ گئے۔" اپنی آواز میں اس نے کچھ مشکل ہو رہا تھا۔ وہ مجھ سے مخاطب تھا، میری بات کا جواب دے سکتا تھا۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔
"خطا، تیرا تو نہیں دیا کبھی کو؟" اس نے بوجھل آواز میں پوچھا۔

"نہیں۔" اس کے اصرار پر پہلا خیال مجھے زریں کا آیا تھا، اس لیے میں نے انکار کر دیا تھا۔ پھر میں نے تردید کی۔ "مجھے بتا دیا تھا جا سو بھائی اور جرو کو بلانے کے لیے۔ انہیں آ جانا چاہیے تھا اب تک۔"

"کیوں دیا ہے۔" وہ ادا سی بولا۔
میں اسے کیا بتاتا کہ اس کی بیماری کے ان چھ دنوں میں کیا کچھ ہوتا رہا ہے۔ پانچ آدمیوں کا خون ہو چکا ہے۔ سارا شہر ہی حائر ہوا ہے، میں بھی بس اتفاق سے اس کے پاس موجود ہوں۔ ڈاکٹر رائے پولیس کے آڑے نہ آ جاتا تو میں پولیس کی تحویل میں ہوتا، اور جانے پھر کیا ہوتا۔ میں نے کہا، "اکیلا لگ رہا تھا میں خود کو۔"
اس نے ہنکاری بھری اور کچھ نہیں بولا۔

"معلوم نہیں، کیوں نہیں آ سکے وہ۔ یہ تو ممکن نہیں کہ تار نہ پہنچا ہو۔ جانے کیا بات ہے؟" میں نے اسے نہیں بتایا کہ ایک کے بجائے دو تار دیے گئے تھے، اور وہ بھی ارجنٹ۔

اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور بڑبڑا دی سے بولا، "ابھی اور کتنے دن کا بولتے ہیں ڈاکٹر لوگ؟"
"کوئی بات نہیں ہوئی ابھی، لیکن یہ اسپتال اچھا ہے، ڈاکٹر، نرسیں، سبھی لوگ بہت ذمے دار ہیں۔ اور کچھ دن لگ جائیں تو کیا فرق پڑے گا۔" میں نے عموماً سرسری طور پر کہا۔

"جگہ تو بڑی ہریانی ہے۔" ادھر ادھر نظریں گھماتے ہوئے اس نے میری تائید کی۔

"یہ اسپتال کا سب سے خوب صورت حصہ ہے، الگ ٹھکانہ بھی اور اسپتال میں شامل بھی۔ بہت بڑے بڑے لوگوں کو کمرے ملتے ہیں ایسے، گورے، بڑے افسروں اور پیسے والوں کو۔ وہ تو ڈاکٹر نے مہربانی کی۔ کسی جان پیکان، صاحب سلامت کے بغیر ہمیں ادھر جگہ دے دی اور پھر کیا خیال رکھا، جیسے ہم ان کے کوئی عزیز ہوں۔ کیا کیا باتیں نہیں، اپنے ڈاکٹر صاحب، ڈاکٹر رائے کے بارے میں۔"

وہ سر اٹھائے سننا رہا اور جانے کیا بڑبڑانے لگا۔ میں کچھ نہیں پایا۔

اس لمحے ایچی آ کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اس کے ہاتھ میں سفید کپڑے سے ڈھکی ایک مختصر ڈے تھی۔ اسے میں فغان اور گلاس دیکھ کر ٹھیل نے منہ پھیر لیا، مگر ایچی کا انداز نہایت معذرت خواہانہ تھا۔ پھر سیر مادرانہ شفقت چھائی ہوئی تھی۔ شفقت میں کسی گراں گزرتی ہے۔ ٹھیل نے فغان سے رائے سے ایک کے طبق میں اٹھ لیا۔ ایچی اپنی ہجرا گلاس بڑھایا تو ایک ہی سانس میں اس گلاس بھی خالی کر دیا۔ ایچی ہنسی ادا کر کے چلی۔ ٹھیل نے منہ بنا کے میرے گھٹنے پر آہستہ سے

تھوکا دیا۔ "بیزری مل جاوے گی ادھر کی؟"
"بیزری؟" میں چونک پڑا۔
"ہاں رے بیزری، کبھی دیکھی نہیں؟" ادھی سے بولا۔

"دیکھی ہے، بہت دیکھی ہے۔" میں نے راج ہو کے کہا، "نہ نہ بیو تو اچھا ہے۔ گئے نرس ایچی سے پوچھنا پڑے گا۔" میں نے کمرے میں سو جردا کی کے پاس جانے کے لیے اٹھنا چاہا۔ میں نے سچا تھا، ایچی سے کہہ کے منع کرادوں گا۔ بیزری سے کھانسی ہو سکتی ہے۔
"رہنے دے۔" اس نے جھٹک کر آواز میں لمحے روک دیا۔

بیزری کی طالب سے مراد تھی کہ واقعی وہی کی طبیعت ٹھیک ہو رہی ہے۔ حالانکہ وہ بیزری کی کا ایسا عادی نہیں تھا۔ دن میں چند بیزریاں اور وہ سامنے ہو تو قطعاً نہیں۔ یہاں حقے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

اس نے پھر چپ سا دھ کی تھی۔ بڑو زار پر اچھلتی، کودتی اور ٹھوٹھیں مارتی چڑیا اب دیکھ رہا۔ اور دیر بعد تاسف آمیز درستی سے بولا، "اللا ہو گیا رے سہارا۔"

ساتھ نہیں ہوا تھا؟ اس سول میں اس پر حاش سید محمود علی کے گھر کتنے دن بیٹھا پڑا تھا۔ مجھے تو بخار تھا۔ اور جسمیں۔ "مجھے اپنی زبان ٹھنکی پڑی اور میں نے طاقت سے کہا، "تمہارا تو ہر کا معاملہ تھا، اور اب، اب تو تم ٹھیک ہو۔"

"ہاں رے، سارا ٹھیک ہی لگتا ہے۔ چل پھر سکتا ہوں اب ایک دم۔"

"چل کے تو تم اپنے بڑوں ہی سے یہاں آئے تھے۔ کوئی اٹھا کے نہیں لایا تھا۔ لیکن ہوا کیا پھر۔" میرے لہجے میں بیزری آ گئی۔ "ڈاکٹر صاحب کی اجازت کے بغیر نہیں جاسیں گے ہم۔"

سیورین نے ڈیوٹی والا لباس پہن لیا تھا اور
ایک اپنے گمرلو لباس میں گھر جانے کے لیے تیار
ہوئی تھی۔ ٹھل کو وہاں بیٹھے قریب آدھ گھنٹہ گزرا
ہوگا کہ ایک کسی ناگہانی بلا کی طرح سر پہ آدھمکی۔
اس بار اس کے تیر ہی بدلے ہوئے تھے۔ اس نے
ٹھل کو اٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ ہمارا آدمی سب سے
بڑا محکوم ہوتا ہے اور ایک اچھی طرح جانتی تھی کہ اپنے
محکوموں سے کب اور کیسا برتاؤ کرنا چاہیے۔ ٹھل
کے پاس خشونت بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے اور
تعمیل کرنے کے سوا کیا چارہ تھا۔ وہ اٹھ
گیا۔ سیورین اور ایبی نے اس کے بازو پکڑ لیے
تھے۔ اس نے بازو جھٹک کے دونوں کو ہٹا دیا اور
تین قدم کی دوری ملے کر کے اپنے کمرے، اپنے
زندہ اس میں داخل ہو گیا۔

ایک پھر نہیں ٹھیرا۔ شام کو جلد ڈیوٹی پر واپس
آنے کا کہہ کے اور ٹھل کی صحت یابی کے لیے رسمی
دعا یہ کلمات ادا کرتی ہوئی رخصت ہوئی۔

ٹھل سیدھا بستر پر جا کے دراز ہو گیا تھا۔
سیورین نے وقفہ واری محمول کے مختلف معائنوں
کے بعد بستر کے نزدیک الماری میں رکھے ہوئے
ٹشے کے جگ سے کسی ٹھل کا شراب گلاس میں بھر
کے ٹھل کو پیش کیا۔ اس وقت ٹھل کے ہتھنے
پھولے ہوئے تھے۔ پیشانی پر شکنوں کا جال بچھا تھا،
سائس بھی مجھے کچھ تیز لگ رہی تھی۔ مجھے خدشہ ہوا
کہ سیورین کی پیشہ ورانہ تنہائی سے چڑ نہ جائے
اور کچھ الٹ سلت نہ کر دے، اس لیے میں قریب
ہی کھڑا رہا۔ اس نے خاموشی سے شراب پی لیا۔
سیورین نے پھر چند گولیاں اسے کھلا میں اور اس
نے ٹھل کے بالوں کی ایک بھری ہوئی لت
درست کرنی چاہی کہ ٹھل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور
بری طرح ٹھہرا گئی۔

”بہنہ جاری ادھری۔“ ٹھل نے ٹیلی آواز
میں فرمائش کی۔